علامہ محمد غزالی

مترجم: ابو مسعود اظہر ندوی

سیرت پیغمبر اسلام ﷺ

ترجمہ: فقہ السیرۃ

نشریات

Marfat.com

سیرتِ پیغمبرِ اسلام

(ترجمہ : فقہ السیرۃ)

علامہ محمد غزالی

مترجم

ابو مسعود اظہر ندوی

DATA ENTERED
22/2/09

نشریات

۴۰ اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۰۳۲۱-۴۵۸۹۴۱۹

Marfat.com

2-17-1991
12/10/5

جملہ حقوق محفوظ
۲۰۱۰ء

نام کتاب	:	سیرتِ پیغمبر اسلام
مصنف	:	علامہ محمد غزالی
مترجم	:	ابو مسعود اظہر ندوی
مطبع	:	میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884

فضلی بک
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

والدہ محترمہ رضیہ خاتون کے نام

جنہوں نے انتہائی شفقت اور جانکاہی
کے ساتھ اس ناچیز کی پرورش فرمائی اور اپنے
پیارے انداز میں محبتِ رسولؐ کا جذبہ دل میں
بیدار کرنے کی کوشش کی۔

خاکِ کفِ پا
ابو مسعود اظہر ندوی

Marfat.com

ترتیب

مقدمہ ---------- ۷

باب ۱۔ پیغام اور راہنما۔ ۱۵

قدیم تہذیبوں پر بت پرستی کا غلبہ ---------- ۱۵
آخری رسالت کا مزاج ---------- ۱۸
بعثت کے وقت عربوں کی حالت ---------- ۲۲
معلم رسولؐ ---------- ۲۶
سنت کا مقام ---------- ۳۵
خوارقِ عادات ---------- ۴۵

باب ۲۔ پیدائش سے بعثت تک۔ ۵۵

شق صدر ---------- ۶۰
بحیرا راہب ---------- ۶۳
پرمشقت زندگی ---------- ۶۴
حرب فجار ---------- ۶۷
حلف الفضول ---------- ۶۸
سرگرمیاں ---------- ۷۰
حق کے متلاشی ---------- ۷۶
غار حرا ---------- ۷۸
ورقہ بن نوفل ---------- ۸۰

باب ۳۔ دعوت کا آغاز۔ ۸۳

دعوت کس چیز کی طرف ---------- ۸۵
سبقت کرنے والے لوگ ---------- ۸۸
دعوت کا اعلان ---------- ۹۰

Marfat.com

ابو طالب ---------- ۹۲
جبر و ظلم ---------- ۹۶
عمارؓ بن یاسرؓ ---------- ۹۷
حضرت بلالؓ و حضرت خبابؓ ---------- ۹۸
بات چیت ---------- ۱۰۰
حبشہ کی طرف ہجرت ---------- ۱۰۴
حضرت حمزہؓ و حضرت عمرؓ کا اسلام ---------- ۱۰۹
عام بائیکاٹ ---------- ۱۱۱
غم کا سال ---------- ۱۱۶
طائف میں ---------- ۱۱۸
معراج ---------- ۱۲۱
عمارت کی تکمیل ---------- ۱۲۵
فطرت کی سلامتی ---------- ۱۲۷
نماز کی فرضیت ---------- ۱۲۸
قریش اور واقعۂ معراج ---------- ۱۲۹

باب ۴۔ عام ہجرت۔ پس منظر اور نتائج۔ ۱۳۱

دونوں شہروں کا فرق ---------- ۱۳۲
یہودیوں کا کارنامہ ---------- ۱۳۴
بیعت عقبہ اولیٰ ---------- ۱۳۵
بیعت عقبہ کبریٰ ---------- ۱۳۷
ہجرت کا آغاز ---------- ۱۴۲
دارالندوہ میں ---------- ۱۴۵
رسول اللہؐ کی ہجرت ---------- ۱۴۶
تدبیر معاملات کا سبق ---------- ۱۴۸
غار ثور میں ---------- ۱۴۹

Marfat.com

مدینہ منورہ کے راستے میں ---------- ۱۵۱
مدینہ منورہ میں ---------- ۱۵۴
مدینہ میں استحکام کی حالت ---------- ۱۵۵

باب ۵۔ نئے معاشرہ کی بنیادیں۔ ۱۵۸

مسجد ---------- ۱۵۹
اخوت ---------- ۱۶۱
غیر مسلمین کے ساتھ ---------- ۱۶۴
چنیدہ شخصیات ---------- ۱۶۹
عبادت کا مطلب ---------- ۱۷۳
دلوں کو جذب کرنے والی قیادت ---------- ۱۷۹

باب ۶۔ خونریز جدوجہد۔ ۱۸۵

مسلح دستے ---------- ۱۸۹
سریہ عبداللہؓ بن جحش ---------- ۱۹۱
معرکۂ بدر ---------- ۱۹۳
محاسبہ اور عتاب ---------- ۲۰۷
معرکۂ بدر کے بعد ---------- ۲۱۱
یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش کا آغاز ---------- ۲۱۳
قریش کے ساتھ جھڑپیں ---------- ۲۲۰
معرکۂ احد ---------- ۲۲۴
آزمائش کے بعد ---------- ۲۳۴
شہدائے احد ---------- ۲۳۹
احد کے اثرات ---------- ۲۴۲
بنی نضیر کی جلاوطنی ---------- ۲۴۷
بدر کا دوسرا واقعہ ---------- ۲۵۰
دومۃ الجندل ---------- ۲۵۱

Marfat.com

قصۂ افک ---------- ۲۵۴
غزوۂ احزاب ---------- ۲۵۹
بنو قریظہ کے ساتھ ---------- ۲۷۵

باب ۷۔ نیا مرحلہ۔ ۲۸۷

عمرۂ حدیبیہ ---------- ۲۸۷
پھر یہودیوں کا معاملہ ---------- ۳۰۴
مہاجرین حبشہ کی واپسی ---------- ۳۱۲
بدوؤں کی سرزنش ---------- ۳۱۴
بادشاہوں سے خط و کتابت ---------- ۳۱۶
عمرۂ قضا ---------- ۳۲۵
غزوۂ موتہ ---------- ۳۲۷
غزوۂ ذات السلاسل ---------- ۳۳۱

باب ۸۔ فتح مکہ۔ ۳۳۳

فتح عظیم ---------- ۳۳۳
معرکۂ حنین ---------- ۳۴۷
شکست ---------- ۳۴۸
ثابت قدمی و کامرانی ---------- ۳۵۰
مال غنیمت ---------- ۳۵۲
تقسیم کی حکمت ---------- ۳۵۴
وفد ہوازن کی واپسی ---------- ۳۵۷
طائف کا محاصرہ ---------- ۳۵۷
دار ہجرت کی طرف ---------- ۳۵۸
منافقین کا رویہ ---------- ۳۶۰
تبوک ---------- ۳۶۱
پیچھے رہ جانے والے ---------- ۳۶۹

Marfat.com

مسجد ضرار ---------- ۳۷۲
وفود کی آمد ---------- ۳۷۵
حضرت ابو بکرؓ کی امارت حج ---------- ۳۷۷
قبیلۂ سعد کا وفد ---------- ۳۷۹

باب ۹۔ امہات المومنین ۔ ۳۸۸

باب ۱۰۔ استحکام و حجۃ الوداع ۔ ۳۹۷

حجۃ الوداع ---------- ۳۹۷
مدینہ منورہ کی طرف واپسی ---------- ۴۰۲

باب ۱۱۔ رفیق اعلیٰ کی طرف ۔ ۴۰۴

خاتمہ ---------- ۴۱۳

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام علي خاتم النبيين

دنیا میں بہت سی عظیم شخصیات گذری ہیں۔لوگ ان کی سوانح حیات اس لئے پڑھتے ہیں کہ ان کی عبقریت کے عناصر سے آگاہ ہوں اور اپنی زندگیوں میں پسندیدگی کے ساتھ ان کے طرز عمل اور مشکلات و مسائل کے سلسلے میں ان کے موقف کی پیروی کی کوشش کریں۔کبھی کبھی محض یہ مطالعہ ہی ان عظیم لوگوں اور ان کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے والوں کے درمیان مضبوط تعلق کی بنیاد بن جاتا ہے اور بسا اوقات یہ مطالعہ آگے بڑھ کر گہری تحقیق اور مستحکم انسانی ربط کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

میں شروع ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اس محدود مفہوم کے ساتھ صاحب رسالت عظمٰی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں یہ کتاب نہیں لکھی ہے۔

میں علم کی بنیاد پر مسلمان ہوں اور یہ جانتا ہوں میں پروردگار عالم پر کیوں ایمان لے آیا، کیوں حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی اور کیوں ان کی لائی ہوئی کتاب کی پیروی کی بلکہ جن چیزوں پر میرا دل مطمئن ہے، انہیں ماننے کی دعوت دوسروں کو کیوں دیتا ہوں۔

میں پہلے بھی سیرت مبارکہ سے متعلق بہت سے مقالات لکھ چکا ہوں۔ میں نے جن تحریروں میں عقائد، اخلاق و کردار اور معاملات وغیرہ پر اظہار خیال کیا ہے ان میں بھی بنیادی طور پر نبی کریم ﷺ کی سیرت پر انحصار کیا ہے۔اس لئے میں بجا طور پر کہہ سکتا ہوں کہ نہ یہ کتاب پیغمبر اسلام کے ساتھ کسی نئے تعلق کی نمائندگی کرتی ہے، نہ آپ کی سچائی پر تمام دلائل کا احاطہ کرتی ہے۔نہ اس سے آپؐ کی عبقریت اور آپؐ کی دعوت کی چمک دمک کا پہلی بار انکشاف ہو رہا ہے۔

یہ ساری باتیں بہت سے دیگر مقامات پر گذر چکی ہیں۔اس کتاب کی تیاری و اشاعت کے سلسلے میں میرے سامنے ایک خاص مقصد رہا ہے۔وہ یہ کہ آج مسلمان سیرت کے تعلق سے چند ہلکے پھلکے چھلکوں ہی کو جانتے ہیں جن سے نہ دلوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہمتیں بیدار

Marfat.com

ہوتی ہیں۔ وہ موروثی روایات اور معمولی آگاہی کی بنیاد پر نبی کریمؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم بھی بڑی حد تک زبانی جمع خرچ تک محدود رہتی ہے۔ عملی دنیا سے اس کا تعلق کم ہی ہوتا ہے۔

اس معمولی انداز میں سیرت سے واقفیت اس سے ناواقفیت ہی کے برابر ہے۔

ایک عظیم حقیقت کے ساتھ یہ ظلم ہی ہوگا کہ اسے ایک طلسماتی افسانہ بنا دیا جائے۔ اسی طرح یہ ستم ہی ہوگا کہ زندگی وقوت ونشاط سے بھرپور ایک زمانہ کو مردوں کے کفن میں لپیٹ کر پیش کیا جائے۔ ایک مسلمان کے لئے حضرت محمد ﷺ کی زندگی ایک خالی شخص کی تسلی اور ایک غیر جانب دار نقاد کے مطالعہ کی چیز نہیں ہوسکتی۔ یہ تو اسوۂ حسنہ کا سرچشمہ ہے جسے وہ اپنے لئے نمونہ بناتا ہے اور ایک عظیم شریعت کا سرچشمہ ہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ اس عظیم سیرت کو پیش کرنے میں کوئی کوتاہی اور واقعات کے بیان میں کوئی خلط ملط خود ایمان کی حقیقت کے ساتھ انتہائی ظلم ہوگا۔

میں نے اپنی سی بھرپور کوشش کی ہے کہ قاری کے سامنے نبی کریم کی سیرت کی صحیح اور سچی تصویر پیش کردوں اس سلسلے میں واقعات کی تشریح اور ان کی حکمتوں کو نمایاں کرنے کی بھی پوری کوشش کی ہے تاکہ صاف شفاف حقائق کو قاری کے دل پر انصاف وشعور کے ساتھ اپنا اثر چھوڑیں۔

میں نے سیرت کی قدیم کتابوں سے بھی پورا استفادہ کیا ہے اور نئی کتابوں سے بھی۔ نئے مورخین مختلف واقعات کو مربوط انداز میں پیش کرتے ہیں جبکہ قدیم مورخین تمام معلومات کو جمع کرنے، ان کی سندوں کی چھان بین کرنے اور چھوٹے بڑے واقعات کو اکٹھا کر دینے پر توجہ دیتے ہیں۔ اگر ان کو برمحل استعمال کیا جائے اور اچھے طریقے سے استشہاد کیا جائے تو ان کی کتابوں میں بہت سی نفیس چیزیں مل جائیں گی۔

میں نے کوشش کی ہے کہ دونوں طریقوں کو ایک نئے انداز میں ملا دوں، چنانچہ میں نے سیرت کے تفصیلی واقعات کو ایک مربوط موضوع بنا دیا ہے جس کی روح ایک ہی ہے۔ اس طرح روایات ایک موضوع کے ساتھ مربوط رہ کر بہتر تصویر پیش کرتی ہیں۔

میرا مقصد یہ رہا ہے کہ سیرت سے ایمان کی افزائش ہو، اخلاق وکردار کا تزکیہ ہو اور حق کے لئے جانثاری ووفاداری کا جذبہ پیدا ہو۔

Marfat.com

میں سیرت کے موضوع پر ایک غیر جانبدار اور بے تعلق مورخ کے بجائے اس انداز میں لکھتا ہوں جیسے کوئی فوجی اپنے کمانڈر کے بارے میں یا کوئی پیروکار اپنے آقا کے بارے میں یا کوئی شاگرد اپنے استاد کے بارے میں لکھے۔ لکھتے وقت میرے سامنے مسلمانوں کی روحانی و فکری پسماندگی کے مناظر بھی رہتے ہیں اس لئے دور و نزدیک سے افسوسناک حال کی جھلکیاں بھی سامنے آجاتی ہیں۔

☆☆☆

حضرت محمد ﷺ کی سیرت کوئی قصہ نہیں جسے یوم میلاد پر پڑھ دیا جائے، جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں۔ یا درود و سلام کے گھڑے ہوئے الفاظ اذان کے ساتھ ملا کر آپؐ کی بڑائی بیان کی جائے۔ یا آپؐ کی محبت کے اظہار کے لئے نعتیہ قصیدے کہے جائیں اپنے نبی کریمؐ کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق ان سارے اضافی روابط سے کہیں زیادہ گہرا اور طاقتور ہے۔ اپنے نبیؐ سے تعلق ظاہر کرنے کے لئے ان طریقوں کی طرف تو مسلمان اس وقت سے مائل ہو رہے ہیں جب سے انہوں نے مغز کو چھوڑ کر چھلکوں پر قناعت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور چونکہ اسلام میں ظاہری صورتیں محدود تھیں اس لئے لوگوں نے نئی صورتیں گھڑنی شروع کر دیں۔ ان ظاہری صورتوں کو اپنانے میں کسی جدوجہد کا بار تو اٹھانا نہیں پڑتا دین کا مغز اختیار کرنے کے ساتھ تو پر عزم جدوجہد لازم ہو جاتی ہے، جسے چھوڑ دیا گیا ہے جب کوئی شخص دین کی روح اختیار کرے گا تو خوش الحانی کے ساتھ میلاد کا قصہ سننے کے بجائے اپنے نفس کی اصلاح میں لگ جائے گا۔ تا کہ علم و عمل، عادات و عبادات،، دوستی و دشمنی، معیشت و معاملات اور اخلاق و کردار وغیرہ ہر چیز میں اپنے نبی کریمؐ کی سنتوں سے قریب ہو سکے۔

جس مسلمان کے دل میں پیارے نبیؐ جاگزیں نہ ہوں، جو فکر و عمل میں آپؐ کی پیروی کی کوشش نہ کرے، وہ چاہے دن و رات میں زبان سے ایک ہزار درود پڑھے، کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

زندگی میں سنجیدگی اور مذاق میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم لہو و لعب کے لئے بھی کچھ وقت محدود کر دیں لیکن سنجیدگی اور بارآور کام کے اوقات میں کمی نہیں ہونی چاہئے۔

Marfat.com

اگر کوئی نغمہ سننا چاہتا ہے تو سنے، لیکن خود اسلام کو نغمہ بنا دینا کہ قرآن کریم کو شیریں لحنوں میں بدل دیا جائے یا سیرت مدحیہ قصائد میں تبدیل کر دی جائے، ایسا صرف غفلت شعار ذہن کے لوگ ہی قبول کر سکتے ہیں۔ یہ تبدیلی اسلام کی قیمت پر ہوئی، چنانچہ دین کو سلوک و رہنمائی کے میدان سے ہٹا کر لہو ولعب کے میدان میں پہنچا دیا گیا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق:

وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا وغرتھم الحیٰوۃ الدنیا (الانعام: ۷۰) چھوڑو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ تلاوت تک محدود کر دیا گیا جسے شوقین سن لیتے ہیں۔ اس پر قرآن کے ازلی مخالفین کو بھی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح قرآن کوئی حرکت پیدا نہیں کرتا۔ پھر سیرت کو میلاد کے قصوں، نعتیہ قصائد اور درود وصلاۃ کے مبہم الفاظ میں بدل دیا گیا، جو سماج کے بگاڑ کے ساتھ پیدا ہونے والے نفسیاتی بگاڑ کی ایک شکل بن گیا۔

اس سے بہتر تو یہ ہوتا ہے کہ نغمہ کے شوقین خوش کن آواز میں دیگر اشعار سن لیتے اور جب سنجیدہ جدوجہد پر آمادہ ہوتے تو اس کی بنیاد اس کے صاف شفاف سرچشمہ سے حاصل کرتے تب وہ دیکھتے کہ قرآن حکم دے رہا ہے اور منع کر رہا ہے تو اس کے مطابق عمل کرتے، وہ دیکھتے کہ سنت توضیح وتشریح کر رہی ہے تو اس کی حکمتوں سے ہدایت حاصل کرتے، اور جان لیتے کہ سیرت کیسے ٹھوس قواعد، بہترین آداب اور مستحکم پالیسی سکھاتی ہے۔

اور یہی اسلام ہے۔

☆☆☆

میں نے یہ صفحات اس وقت لکھتے شروع کیے جب میں خدا کے فضل وکرم سے مدینہ منورہ میں حاضری سے سعادتمند ہو رہا تھا۔ اس پاکیزہ ومعطر ماحول کی برکت سے سیرت پاک کے مطالعہ کو پورا کرنے میں بڑی مدد ملی۔ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں بنائے جو اس سے اور اس کے رسولؐ سے

Marfat.com

محبت کرتے ہیں۔

چونکہ میں صاف صاف گفتگو کرنے کا عادی ہوں اس لئے یہاں بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں اور ان کے نبی کریمؐ کے درمیان بہت دوری ہے، چاہے وہ جتنی محبت کا اظہار کریں اور جتنا درود بھیجیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ کتنے شوق سے روضۂ مبارک کی زیارت کرتے ہیں اور جب اپنے وطن لوٹتے ہیں تو لوگ ان کی خوش بختی پر رشک کرتے ہیں۔

نبی کریمؐ کی محبت واجب ہے۔ اس میں کسی مومن کو شک نہیں ہوسکتا اور آپؐ کی محبت کو ناپسند کرنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے۔ لیکن اس جذبۂ محبت کو وفاداری کا مظہر کیسے بنایا جائے یہ بات ذرا تشریح طلب ہے۔

آج مدینہ منورہ کی عام آبادی دور جاہلیت میں اوس وخزرج کی آبادی کے تناسب سے کم ہے۔ آج وہاں جتنے رقبے پر کاشت ہوتی ہے وہ دور جاہلیت کے مقابلے میں دسواں حصہ ہوگا۔ عام باشندے وہ ہیں جو حج وزیارت کے لئے آئے تھے پھر وہیں رہ گئے۔ یہ لوگ مدینہ منورہ میں بیکار رہنے کو اس بات پر ترجیح دیتے ہیں کہ اپنے ملکوں میں جاکر کام سے لگیں۔ اسے وہ ہجرت قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ اسلام یا نبی کریمؐ کی محبت ہے؟ مجھے یاد ہے کہ مجھے مراکش کے کچھ لوگ ملے اور کہنے لگے کہ وہ اپنے دین کو فتنہ سے بچانے کے لئے بھاگ کر مدینہ منورہ آئے ہیں۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کے بھائی فرانسیسی قابضوں کے خلاف لڑ رہے ہیں اور وہ اس سے بھاگ کر جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ انہوں نے جدوجہد کا بوجھ مجاہد بھائیوں پر ہی ڈال دیا ہے۔

مسلمانوں کو اپنے نبی کریمؐ کی سیرت سمجھنی چاہیے۔

اور یہ تبھی ممکن ہے جب خود رسالت اور صاحبِ رسالت کو صحیح انداز میں سمجھا جائے پھر صحیح پیروی کی جائے۔

اگر محبت صرف الفاظ کا کھیل ہو تو کتنی سستی اور آسان ہوگی اور اگر اس کا مطلب نقش قدم پر چلنا اور ذمہ داری اٹھانا ہو تو کتنی گرانقدر اور دشوار گذار ہوگی۔

میں اس موضوع کے حق کی ادائیگی میں اپنی کوتاہی پر معذرت خواہ ہوں۔ نبی کریمؐ کی شان بہت بلند ہے اور آپؐ کی سیرت کے نقوش واضح کرنے کے لئے زیادہ

Marfat.com

پاک دلی اور زیادہ روشن ذہانت کی ضرورت ہے۔

میرے لئے اتنا کافی ہے کہ میں نے اپنی سی کوشش کر ڈالی۔

اللھم صلّ علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی العالمین۔ انك حمید مجید۔

محمد غزالیؒ

Marfat.com

باب :۱

پیغام اور راہنما

قدیم تہذیبوں پر بت پرستی کا غلبہ

زندگی کی تاریخ المناک ہے۔

جب سے حضرت آدمؑ زمین پر اترے، پھر زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا رہا، آبادی پھیلتی رہی، مختلف تہذیبیں سامنے آتی رہیں، نسلیں مٹتی رہیں اور ان کی جگہ دوسری نسلیں بستی رہیں، اس قدیم زمانہ سے ہی لوگ مختلف راہوں پر گامزن رہے ہیں۔ اگر ایک دن سیدھے راستے پر چلے تو کئی دنوں تک ادھر ادھر بھٹکتے رہے۔ ایک قلیل مدت تک اگر ان پر حق کا نور جلوہ فگن رہا تو طویل مدتوں تک ان پر باطل کی تاریکیاں مسلط رہیں۔

اگر ہم، اللہ پر ایمان اور اس کے سامنے پیشی کی تیاری کی روشنی میں دیکھیں، تو ہمیں ایسا لگے گا کہ دنیا کسی شرابی کی طرح زیادہ تر بدمست رہتی ہے۔ یا بخار کی شدت و تکلیف سے ہوش کھو کر بے سوچے سمجھے بڑبڑاتی ہے اور کم ہی اسے ہوش رہتا ہے۔

لوگوں کے خود اپنے ساتھ اور اپنی دنیا کے ساتھ تجربات میں انہیں برائی سے روکنے اور بھلائی کی طرف لے جانے کا سامان موجود تھا لیکن خواہشِ نفس کے غلبہ کے ساتھ کوئی علم و معرفت مفید نہیں ہو سکتی۔

حضرت محمد ﷺ کے ظہور سے پہلے دنیا اپنی عمر کے کتنے مراحل سے گذر چکی تھی طویل صدیوں کے دوران اس نے بہت کچھ علم حاصل کیا، اہم تجربات سے گذری، آداب و فنون کو فروغ حاصل ہوا اور نظریات و افکار پھیلے۔

لیکن ان سب کے باوجود نادانی ہی مسلط رہی۔ بہت سی قومیں اپنی منزل مقصود تک پہنچنے سے رہ گئیں۔ مصر و یونان، روم و فارس اور ہند و چین کی تہذیبوں کا کیا انجام ہوا۔ میں سیاست و حکومت کی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ عقل و جذبہ کے پہلو کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔

Marfat.com

اصنام پرستیوں نے ان تہذیبوں کا خاتمہ کر دیا اور انہیں زوال کے گہرے گڑھے میں لے جا پھینکا۔

انسان، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہو، وہ آسمانوں اور زمین کی حقیر ترین چیز کا بھی تابع غلام بن کر رہ گیا۔ جب پتھروں، لکڑیوں اور جانوروں تک کو مقدس قرار دیا جانے لگے تو اور ہو بھی کیا سکتا تھا؟

صنم پرستی ایک گراوٹ ہے جو زندگی کے باہر سے نہیں، نفس کے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کوئی غمزدہ اپنے آس پاس کے ماحول کو بھی غمزدہ کر دیتا ہے اور جیسے خوفزدہ شخص کو سائے بھی بھوت نظر آنے لگتے ہیں اسی طرح گراوٹ کا شکار شخص اپنی کند ذہنی اور پست ہمتی کو اپنے ماحول پر مسلط کر ڈالتا ہے۔

جب تنگ دل میں کشادگی پیدا ہوگی، خفتہ فکر و خیال میں بالیدگی آئے گی اور انسان اعلیٰ خیالات و مفاہیم کی طرف پرواز کرے گا تب یہ صنم پرستانہ تصویریں خود بخود غائب ہو جائیں گی۔

اسی لئے دین کا پہلا کام خود انسان کے اندر ہوتا ہے۔ اگر نفس اپنی قدیم ظلمت اور تاریکی میں برقرار رہتا ہے تو پھر اصنام کے منظر سے غائب رہنے کا بھی کیا فائدہ ہوگا؟ پوجنے والے دوسرے معبود تلاش کر کے پوجنے لگیں گے۔ دنیا میں صنم پرستوں کی تعداد کتنی زیادہ ہے؟ چاہے وہ کسی بت کے ارد گرد نہ منڈلاتے ہوں۔ اسی طرح اپنے پروردگار کے وجود حق کو نظر انداز کرنے اور دور دراز کے اوہام کے پیچھے بھاگنے میں لوگ کتنی تیز رفتاری سے کام لیتے ہیں۔

☆☆☆

خرافات ہمیشہ سنجیدگی کا لبادہ پہن کر سامنے آتی ہیں بلکہ حق سے اس کا قابل قبول لباس مانگ لیتی ہیں اور اس طرح فریب خوردہ لوگوں کے سامنے سج دھج کر آتی ہیں۔

یہی حال صنم پرستی کا بھی ہے اس نے صحیح دین اور اس کے روشن حقائق پر اس طرح ہلّہ نہیں بولا جیسے شہد کی مکھیاں موسم بہار کے پھولوں پر ہلّہ بولتی ہیں، بلکہ اس طرح جیسے کیڑوں مکوڑوں اور ٹڈیوں کے دَل گھنے باغات اور فصلوں سے بھرے ہوئے کھیتوں پر حملہ کرتے ہیں تو انہیں ویران کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔

Marfat.com

شہد کی مکھیاں تو جو کچھ کھاتی ہیں اس سے مفید شہد بنا ڈالتی ہیں لیکن کیڑے مکوڑے جو کچھ کھاتے ہیں اسے زہر میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

صنم پرستی جو اللہ کو نہیں پہچانتی یہ گمان کرتی ہے کہ وہ اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہے جبکہ وہ اللہ سے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

صنم پرستیوں کی یلغار کے نتیجہ میں مذاہب کو جو نقصانات پہنچے ان میں سب سے زیادہ حضرت عیسیٰ کی شریعت کو پہنچا۔ اس شریعت کو تو بالکل ہی الٹ پلٹ ڈالا گیا اور اسے پہیلیوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

تثلیث اور حضرت عیسیٰ کا بنی آدمؑ کے گناہوں کے کفارہ میں فدا ہو جانا یہ سب صنم پرستیوں کے اختیار کردہ حربوں کے نتائج ہیں۔

چھٹی صدی عیسوی آتے آتے ہدایت کی روشنیاں ہر طرف گل ہو چکی تھیں اور شیطان کی بوئی ہوئی خاردار جھاڑیاں ہر طرف پھیل چکی تھیں۔

ایران کی مجوسیت اس کی نمائندہ تھی۔

عیسائیت نے مصریوں کی قدیم خرافات سے کسب فیض کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی اور بیٹا گھڑ لیا تھا اور روم و مصر و قسطنطنیہ میں ان کے پیروکار آگ اور بتوں کے پوجنے والوں سے بھی زیادہ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔

گویا توحید آمیز شرک خالص شرک سے مقابلہ آرائی کر رہا تھا۔

عیسائیت نے جو تضادات اکٹھا کر لئے تھے ان کی کیا قیمت تھی۔

قالوا اتخذ الله ولوا سبحنه هو الغنى له مافى السموات وما فى الارض ان عندكم من سلطن بهذا أتقولون على الله مالا تعلمون قل ان الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون. متع فى الدنيا ثم الينا مرجعهم ثم نذيقهم العذاب الشديد بما كانوا يكفرون (يونس ٦٨۔٧٠)

لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے سبحان اللہ وہ تو بے نیاز ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملک ہے تمہارے پاس اس قول کے لئے آخر دلیل کیا ہے! کیا تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہتے ہو جو تمہارے علم میں نہیں اے نبی کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا باندھتے ہیں ہرگز فلاح نہیں پا سکتے دنیا کی چند روزہ زندگی میں مزے کر لیں پھر ہماری طرف ان کو پلٹنا ہے پھر ہم اس کفر کے بدلے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

Marfat.com

ایسا لگتا ہے کہ مجوسیت اور بگڑے ہوئے آسمانی مذاہب کے درمیان شرک کے تعلق نے ان سارے گروہوں کو مسلمانوں کے خلاف گٹھ جوڑ پر آمادہ کر دیا تھا جب انہوں نے خدائے واحد کی عبادت شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو خبردار کر دیا تھا کہ صنم پرستوں اور اہل کتاب کی طرف سے بیک وقت انہیں تکلیف پہنچے گی اور انہیں اس کے مقابلہ میں صبر و ثابت قدمی سے کام لینا چاہئے۔

لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب قبلکم ومن الذین اشرکوا اذیٰ کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلك من عزم الامور (آل عمران:۱۸۶)	مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں آ کر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔

توحید کے اجالوں کی عدم موجودگی میں دل و دماغ پر چھانے والی تاریکی نے معاشرہ کی روحانیت اور حکومت کے نظاموں کو بھی اپنی سیاہی میں لپیٹ دیا تھا۔ دنیا میں قتل و غارتگری کا دور دورہ تھا اور کمزوروں کے لئے کہیں جائے امان نہیں رہ گئی تھی۔

عقل کا انکار کرنے والی، اللہ کو فراموش کرنے والی اور جعلسازوں کے ہاتھوں میں کھلواڑ بن جانے والی صنم پرستی کے زیر سایہ کس بھلائی کی امید کی جاسکتی تھی۔؟ تب کیا تعجب کی بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ہاتھ اٹھالیا تھا۔ ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف دیکھا تو اہل کتاب کے بچے کھچے لوگوں کو چھوڑ کر عرب و عجم سب کو قابل نفرت پایا'' (مسلم)

یہ بچے کھچے لوگ کفر و شرک کے ہر طرف تسلط کے باوجود اپنے ڈھب پر قائم تھے حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے دنیا میں ہر طرف ظلم و ستم اور بدبختیوں کا دور دورہ تھا۔ تب رحمتِ حق جوش میں آئی کہ اپنی مخلوق کے پاس اپنی ہدایت کبریٰ بھیجے چنانچہ حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

آخری رسالت کا مزاج

حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا امتیاز یہ ہے کہ وہ عام اور دائمی ہے۔
اللہ تعالیٰ ہر بستی کے لئے اور ہر زمانے کے لئے کوئی رہنما بھیج سکتا ہے۔

Marfat.com

جب بستیاں اور زمانے ہدایت اور آگاہی دینے والوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تو پھر سب کے بدلے ایک ہی زبردست شخصیت کو کیوں چنا گیا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت مختلف زمانوں اور علاقوں میں بھیجے جانے والے نبیوں کے ایک پورے لشکر کا معجزانہ بدل ہے۔ بلکہ جب تک زمین کی سطح پر انسان چل پھر رہا ہے، زندگی کے آثار باقی ہیں اور ہدایت و نجات کی ضرورت ہے اس بعثت نے اس سلسلے میں ہر ضرورت پوری کر دی ہے۔ لیکن کیسے؟

ٹھوکروں اور گڈھوں سے بھرے ہوئے راستوں میں کوئی ایماندار خیر خواہ آپ سے کہہ سکتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے میرے پیچھے چلتے رہو کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں بسا اوقات سلامتی اس کے پیچھے چلنے ہی میں ہوتی ہے۔ آپ اس کے پیچھے چلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ آپ کا متعین رہبر ہوتا ہے جو آپ کے لئے سوچتا، آپ کے لئے دیکھتا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر چلتا ہے۔ اگر وہ ٹھوکر کھائے گا تو آپ بھی ٹھوکر کھا جائیں گے۔

لیکن اگر شروع ہی میں آپ کو کوئی سمجھ دار آدمی مل جاتا ہے اور وہ راستے کے بارے میں آپ کو ٹھیک سے سمجھا دیتا ہے، جہاں جہاں خطرہ ہے اس سے آگاہ کر دیتا ہے دشواریوں وغیرہ سے باخبر کر دیتا ہے اور کچھ دور ساتھ چل کر آپ کی عملی تربیت بھی کر دیتا ہے تب ایسی صورت میں آپ خود اپنے رہبر بن جائیں گے اور خود اپنی نگاہ اور سمجھ سے کام لے کر دوسروں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

پہلی صورت بچوں اور سادہ لوح لوگوں کے لائق ہے دوسری صورت اہل رائے اور سمجھدار لوگوں کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت محمد ﷺ کو دنیا کی رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا تو آپ کی رسالت کے ساتھ اصول و قواعد واضح کر دیے جن سے عقلیں تفصیلات جان سکتی ہیں۔

قرآن جو آپؐ پر نازل کیا گیا وہ اللہ کی طرف سے ہر زندہ وجود کے لئے ہے تاکہ اسے بھلائی کا راستہ دکھائے۔

حضرت محمد ﷺ ایسے لوگوں کے راہنما نہیں تھے جو آپؐ کے ساتھ ہی سدھرے رہتے اور جیسے ہی آپ کا ساتھ چھوٹتا، اسٹیج سے غائب ہو جاتے۔ بلکہ وہ بھلائی کی

Marfat.com

زبردست طاقت تھے جیسے مادہ کی دنیا میں بجلی کی حیثیت ہے۔ آپ کی بعثت انسانی وجود کے ارتقائی مراحل میں سے ایک مرحلہ کی نمائندگی کرتی ہے اس مرحلہ سے پہلے لوگوں کی حالت گود میں پرورش کیے جانے والے بچے جیسے تھی۔ اب یہ بچہ نشوونما پاکر خود بوجھ اٹھانے کے لائق ہو گیا تھا چنانچہ حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ اس کے پاس الٰہی ہدایت آئی کہ وہ کیسے روئے ارض پر زندگی گذارے اور کیسے آسمان کی طرف واپس لوٹے۔ حضرت محمد ﷺ موجود رہیں یا پھر منظر سے ہٹ جائیں، اس سے آپ کی رسالت کی روح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آپ کی رسالت شعور وادراک کی آنکھیں کھول چکی اور دل ودماغ کو روشن کر چکی اور یہ سب کچھ کتاب وسنت کے ضخیم ورثہ میں محفوظ ہے۔

آپؐ اس لئے نہیں مبعوث کیے گئے تھے کہ اپنے اردگرد کم یا زیادہ لوگوں کو جمع کرلیں بلکہ آپؐ کو اس لئے مبعوث کیا گیا تھا کہ مخلوق اور اللہ کے درمیان تعلق کی کڑی اور وہ روشنی بن جائیں جس سے وہ اپنی منزل دیکھ سکیں۔ اب جس نے زندگی میں حق تعالیٰ کو پہچان لیا اور اسے چلنے کے لئے روشنی مل گئی اس نے حضرت محمد ﷺ کو پہچان لیا اور آپؐ کے جھنڈے تلے آگیا چاہے اس نے آپ کا چہرہ مبارک نہ دیکھا ہو اور آپؐ کے ساتھ کچھ دن نہ کاٹے ہوں۔

یا ایھا الناس قد جاء کم برھن من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا فاما الذین آمنوا باللّٰہ واعتصموا بہ فسید خلھم فی رحمۃ منہ وفضل ویھدیھم الیہ صراطا مستقیما (النساء:۱۷۴۔۱۷۵)

لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آگئی ہے اور ہم نے تمہارے طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے اب جو لوگ اللہ کی بات مان لیں گے اور اس کی پناہ ڈھونڈیں گے ان کو اللہ اپنی رحمت اور فضل وکرم کے دامن میں لے لے گا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ ان کو دکھادے گا۔

اب اگر آپ کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ اپنے استاد کے اسباق تو بھلائے دے رہا ہے اس کے بجائے استاد کی زندگی میں اس کے کپڑوں سے چمٹا رہا یا انتقال کے بعد اس کی لاش یا پھر قبر کے ساتھ چمٹا رہتا ہے تو جان لیجئے کہ وہ فریب خوردہ ہے اور اس لائق نہیں کہ اسے رسالت کی تعلیمات کا مخاطب بنایا جائے، چہ جائیکہ وہ اس راستے پر چلتا رہے گا۔

Marfat.com

میں نے مسجد نبوی میں بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ روضہ شریف کے قریب رہ کر اپنی زندگی کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ اگر نبی اکرم نکل کر آتے تو انہیں دیکھنا اور ان کا قرب ناپسند فرماتے۔

ان کی پراگندہ حالی، کم سمجھی، ہاتھوں کا خالی ہونا، اوقات ضائع کرنا اور طویل غفلت پیغمبر اسلام کے ساتھ ان کے تعلق کو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور بنا دیتی ہے۔

میں نے ان سے عرض کیا: تم نبی اکرم کے جوار سے کیا فائدہ اٹھا رہے ہو اور خود آپ کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟

جو لوگ آپ کی رسالت کو سمجھتے ہیں اور صحراؤں اور سمندروں کے پار رہ کر اس سے محبت کرتے ہیں وہ تم سے کہیں زیادہ حضرت محمد ﷺ کی حقیقت سے آگاہ ہیں روحانی و ذہنی رشتہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ماننے والوں کے درمیان تعلق کی واحد صورت ہے۔

کیا یہ جوار (پڑوس) محبت کی نشانی اور مغفرت کا ذریعہ ہے۔

آپ اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک محبت نہیں کر سکتے جب تک آپ اسے پہلے سے پہچان نہ لیں، کیونکہ ہر چیز سے پہلے فطری ترتیب یہی ہے: تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے۔ جب آپ نے صاف ذہن کے ساتھ یہ جان لیا تبھی شکر گزار دل کے ساتھ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کی قدر بھی کر سکیں گے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفرلکم ذنوبکم والله غفور رحیم (آل عمران:۳۱)

اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

پھر پیغمبر اسلام نے اپنے آپ کو "پوپ" نہیں بنایا تھا جو انسانوں کو مغفرت تقسیم کرتا ہو اور برکات سے نوازتا ہو۔ آپ نے ایک دن بھی ایسا نہیں کیا، کیونکہ آپ کبھی جعلسازی میں مشغول نہیں ہوئے۔ آپ تو یہی فرماتے تھے کہ میرے ساتھ آؤ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر، تاکہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اسی سے سرگوشی کریں کہ:

Marfat.com

اھدنـا الـصـراط الـمستقيم صـراط الذين ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے
انـعـمت عـليهـم غير المغضو ب عليهم و لا انعام فرمایا جو معتوب نہیں ہوئے اور جو بھٹکے ہوئے نہیں
الضالين (الفاتحه:٦.٧) ہیں۔

اگر نبی اکرمؐ آپ سے خوش ہو گئے تو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں گے اور اگر آپ کے دل میں نبی اکرمؐ کے عظیم کام اور زبردست فضل و احسان کی قدر پیدا ہو تو آپ بھی دعا فرمائیں۔ کیونکہ اس طرح آپ ان فرشتوں کے ساتھ درود بھیجنے میں شریک ہو جائیں گے۔ جو آپؐ کی قدر و منزلت پہچانتے ہیں اور آپؐ کے لے دعا کرتے رہتے ہیں۔

ان الـلـه وملٰئكته يصلون على النبي يا ايها اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں اے لوگو جو
الـذيـن آمـنـوا صلوا عليه وسلموا تسليما ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔
(الاحزاب:٥٦)

حضرت محمدؐ کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ آپ کو رسی سے باندھ کر جنت تک لے جائیں۔ آپؐ کا کام یہ ہے کہ آپ کے دل میں وہ پہچان ڈال دیں جس سے آپ حق کو دیکھ سکیں۔ اس سلسلے میں آپؐ کا ذریعہ قرآن کریم ہے جس میں کسی باطل کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی اور جو ہر طرح سے محفوظ ہے اور یہی آپؐ کی رسالت کے دوام کا راز ہے۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ نبی اکرمؐ نے اپنی رسالت کے مزاج کے مطابق اس ماحول کا علاج کیسے کیا جس میں آپؐ نمودار ہوئے اور اس سے بھی پہلے آیئے خود اس ماحول کی حالت پر نظر ڈالیں۔

بعثت کے وقت عرب کی حالت

اہل مکہ فکری اعتبار سے کمزور اور شہوانیت کے لحاظ سے طاقتور تھے۔

نہ ذہن و فکر کی پختگی اور شہوانیت کی پختگی کے درمیان کوئی تعلق ہے، نہ قوموں کی ذہنی پسماندگی اور خواہشات اور حوصلوں میں پسماندگی کے درمیان کوئی باہمی ربط۔

آج ہم پیرس اور ہالی وڈ میں شہوت پرستیوں کے سیلاب کے بارے میں جو کچھ سنتے ہیں۔ قدیم صدیاں روئے زمین پر انسان کی اس سے کم برائیاں نہیں دیکھ چکی ہیں۔

12/100

Marfat.com

تہذیب کی پیش رفت نے اس پہلو سے صرف یہ اثر ڈالا ہے کہ خواہشات نفس کو بھڑکانے کے وسائل بڑھا دیے ہیں۔

خود شہوتیں اور خواہشات نفس تو آج بھی وہی ہیں جو طوفان نوحؑ سے پہلے تھیں: خود پسندی وخود غرضی، حرص اور لالچ، ریا ونمائش، ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنا اور کینہ وبغض وغیرہ بری عادتیں پرانے زمانے سے دنیا پر مسلط ہیں اگرچہ زمانہ گذرنے کے ساتھ ان کی شکل وصورت بدلتی رہتی ہے۔

انسان ایک معمولی گاؤں اور ایک سادہ قبیلہ میں بھی مال ودولت اور بالا دستی کی وہی کشمکش پاتا ہے جو انتہائی ترقی یافتہ ماحول میں نظر آتی ہے۔ بیشتر لوگ علم وفضل میں کوئی قابل ذکر حصہ نہیں حاصل کرتے لیکن چالبازی اور مکر وفریب میں پیچھے نہیں رہتے۔

آپ اس پر تعجب کر سکتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ناک کے آگے کا مسئلہ بھی ٹھیک سے نہیں سمجھ پاتا لیکن اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ فلاں اس سے بالاتر نہ ہونے پائے۔

حضرت نوحؑ کے زمانے ہی سے زندگی اس کند ذہنی اور دشمنی کی مختلف مثالیں دیکھتی آرہی ہے۔

جب حضرت نوحؑ کی قوم کو خدائے واحد پر ایمان کی دعوت دی گئی تو اس کی توجہ کا مرکز اتنا دعوت کا موضوع نہیں تھا جتنا خود داعی کی شخصیت اور اس دعوت کے نتیجے میں اسے حاصل ہونے والی فضیلت۔

فقال الملؤ الذین کفروا من قومه ماهٰذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم ولو شاء الله لا نزل ملئکة (المؤمنون:۲٤) اس کی قوم کے منکرین بولے یہ تمہارے جیسے ایک انسان کے سوا کچھ نہیں جو تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا۔

اعمال اور احکام کے سلسلے میں رائے قائم کرنے میں خواہشِ نفس کا کتنا زیادہ دخل ہوتا ہے اور اخلاق وکردار، خیالات ونظریات اور سیاست وپالیسی میں خواہشِ نفس کے چھوڑے ہوئے اثرات کتنے پیچیدہ ہوتے ہیں!

بعثت کے وقت مکہ میں گناہوں اور شہوت پرستیوں کی گویا آندھی چل رہی تھی اور وہاں کے لوگ خواہشات نفس کی پختگی اور ذہن وفکر کے تعطل یا خواہش نفس کے تابع ہونے کی واضح مثال بنے ہوئے تھے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت سے انکار، دنیا کی آسائشوں میں غرق ہونا، بالادستی وبرتری کی گہری خواہش، جاہلانہ تعصبات، جن کے لئے صلح وجنگ کی جاتی تھی اور موروثی روایات، جن کے دائرے میں فرد کی روحانی واخلاقی سرگرمیاں محدود تھیں۔

یہ غلطی ہوگی اگر آپ سمجھیں کہ مکہ اس وقت دنیا کی آبادیوں سے کٹی ہوئی اور کسی وحشت خیز صحرا کے بیچ میں واقع ایک بستی تھی اور دنیا سے اس کا تعلق صرف ان ضروریات تک محدود تھا جن سے اس کا رشتۂ جسم وجاں سلامت رہ سکے۔

ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ وہاں تمام چیزوں کی فراوانی تھی، بالادستی کی کشمکش عروج پر تھی۔ الحاد دلوں میں اتنا پیوست ہو چکا تھا کہ اس کا نکلنا مشکل تھا۔ لوگ یا تو درست وصحیح باتوں سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھے یا ان کے منکر تھے، اس معاشرہ میں جسے ذہنی تہذیب کا کوئی قابلِ ذکر حصہ نہیں ملا تھا فرد کا غرور وتکبر اپنے عروج پر تھا اور بعض تو فرعونوں کی سرکشی سے مقابلہ کر رہے تھے۔

حضرت محمدؐ کی رسالت کا انکار کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے عمرو بن ہشام (ابو جہل) نے کہا: ہم نے نبی عبد مناف سے عزت وشرف میں مقابلہ آرائی کی اور جب دونوں کا پلہ برابر ہوگیا تو وہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی ہے، جس کے پاس وحی آتی ہے خدا کی قسم ہم اس پر نہ ایمان لائیں گے، نہ کبھی اس کی اتباع کریں گے یہاںتک کہ اسی طرح ہمارے پاس بھی وحی آنے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے نبی اکرمؐ سے کہا: اگر نبوت سچ ہوتی تو میں تم سے زیادہ اس کا حقدار تھا، میں عمر میں بھی تم سے بڑا تھا اور مال ودولت میں بھی زیادہ۔

اس طرح کی حماقتیں مکہ تک ہی محدود نہیں تھی۔ مدینہ میں عبداللہ بن ابی (منافق) کا کفر بھی اسی طرح کے اسباب کی بنا پر تھا۔

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد واقعہ بدر سے پہلے کسی مرض کے سلسلے میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کی عیادت کرنے تشریف لے گئے۔ آپؐ ایک گدھے پر سوار ہوئے اور پیچھے حضرت اسامہؓ بن زید کو بھی بیٹھالیا۔ دونوں اس مجلس تک پہنچے جس میں عبدؓ اللہ بن ابی بیٹھا ہوا تھا۔ مجلس میں مسلمان بھی تھے اور مشرک ویہودی بھی، مسلمانوں میں عبداللہ بن رواحہ بھی تھے۔ جب سواری کی گرد مجلس تک پہنچی تو

Marfat.com

عبداللہ نے چادر سے اپنی ناک ڈھانک لی اور کہا: ہم پر گرد نہ اڑایا کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام کیا پھر اترے اور لوگوں کو قرآن کی تلاوت کر کے اللہ کی طرف دعوت دی۔ عبداللہ نے کہا: اے شخص تم جو کچھ کہتے ہو اسے میں اچھا نہیں سمجھتا۔ اگر وہ حق ہے تو بھی ہماری مجلسوں میں ہمیں اذیت نہ دیا کرو، یا اپنے ٹھکانے پر واپس چلے جاؤ، جو تمہارے پاس جائے اسے سنادیا کرو۔

حضرت عبدؓاللہ بن رواحہ نے کہا: نہیں اے رسول اللہؐ! آپ ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کیجئے، ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ مسلمانوں اور مشرکوں و یہودیوں کے درمیان جھگڑا ہونے لگا، نبی اکرمؐ انہیں سمجھاتے بجھاتے رہے یہاںتک کہ خاموشی ہوئی۔ تب آپؐ سوار ہو کر چلے اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس پہنچے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا تم نے سنا ابو حباب (عبداللہ بن ابی) نے کیا کہا؟ انہوں نے دریافت کیا: کیا کہا؟ آپؐ نے انہیں پوری بات بتائی۔ تب حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ! اسے معاف کر دیجئے اس ذات کی قسم، جس نے آپ پر قرآن نازل کیا، جب اللہ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تو اہل مدینہ اس پر اتفاق کر چکے تھے کہ اسے اپنے بادشاہ کی حیثیت سے تاج پہنادیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جب ایسا نہیں ہونے دیا تو وہ برافروختہ ہو گیا اسی لئے اس نے ایسا کیا (بخاری)

عبداللہ ابن ابی اسلام پر اس لئے خفا ہوا کہ اسے اپنی سرداری کے لئے خطرہ سمجھا، اس سے پہلے ابو جہل بھی یہی کر چکا تھا۔ ان لوگوں نے تو حق کو جانتے پہچانتے ہوئے یہ رویہ اپنایا، ہزاروں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے بے سوچے سمجھے ہی اسلام سے نفرت اور دشمنی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

ان عام اور مرکب جہالتوں، نفرتوں اور عداوتوں اور غفلت و گمراہی کے بے شمار نمونوں کے درمیان اسلام نے دھیرے دھیرے اپنی کرنیں پھیلانی شروع کیں اور پھر ایک قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں پہنچادیا، بلکہ اسے خود ایک روشن چراغ بنادیا، جو لوگوں کو راستہ دکھاتا تھا۔ اس اہم انقلاب نے جو سبق دیئے اور جن سے قومیں پستی کے غاروں سے بلندی کی چوٹیوں تک جا پہنچیں، کوئی وقتی یا مخصوص علاج نہیں تھا بلکہ یہ انسانی فطرت کا اصلی علاج تھا اور روئے ارض پر انسان کا وجود اور زندگی جب

Marfat.com

تک باقی رہے گی یہ علاج کارگر رہے گا۔

معلم رسول

اہل کتاب میں یہ چرچا عام تھا کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے اس میں کوئی حیرت کی بات بھی نہیں تھی۔ نبی یکے بعد دیگرے آیا کرتے تھے اور ان کے درمیان لمبی مدت کا فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔ بسا اوقات تو ایک ہی زمانے میں ایک ہی جگہ یا آس پاس کے علاقوں میں کئی کئی نبی ہوتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد یہ صورت بدل گئی تھی چھ صدیاں پوری ہونے کو تھیں اور کوئی نبی نہیں آیا تھا۔

جب دنیا بگاڑ اور گمراہیوں سے بھر گئی تو متوقع مصلح کا انتظار بھی شدت سے ہونے لگا۔ متعدد ایسے لوگ بھی تھے جو چھائی ہوئی جہالت کے مخالفت کرتے تھے اور اس بڑے منصب کے امیدوار تھے، انہی میں امیہ بن صلت بھی تھا جو گرمجوشانہ الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے اشعار کہا کرتا تھا یہانتک کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ: قریب تھا کہ امیہ بن صلت اسلام لے آتا۔ عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں نبی اکرمؐ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا کہ آپؐ نے فرمایا: تمہیں امیہ بن صلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: سناؤ میں نے ایک شعر سنایا تو آپؐ نے مزید کا حکم فرمایا یہانتک کہ میں نے سو شعر سنائے (مسلم)

لیکن قدرت عالیہ نے ان شاعر اور نثر نگار امیدواروں کو نظر انداز کر کے رسالت کی امانت عظمیٰ ایسے شخص کے سپرد کی جس نے نہ اس کے بارے میں کبھی سوچا تھا نہ تمنا کی تھی:

وماكنت ترجوا ان يلقى اليك الكتب الا رحمة من ربك فلا تكونن ظهيرا للكفرين (القصص:۸٦)	تم اس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی سے (تم پر نازل ہوئی) ہے پس تم کافروں کے مددگار نہ بنو۔

عظیم رسالتوں کے لئے انتخاب امید و تمنا کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا۔

زندگی میں کتنے ہی حوصلہ مند ایسے ہوتے ہیں جو صرف امید کی جرأت کرتے ہیں اور کتنے باصلاحیت ایسے ہوتے ہیں جو خاموش رہتے ہیں لیکن جب ان پر ذمہ داری کا بوجھ پڑتا ہے تو عجیب و غریب کارنامے انجام دے ڈالتے ہیں۔

Marfat.com

لوگوں کی قدر و قیمت تو ان کا خالق ہی جان سکتا ہے۔ جو پوری دنیا کی ہدایت چاہے گا وہ اس عظیم مقصد کے لیے کسی عظیم شخصیت کا انتخاب کرے گا۔ دورِ جاہلیت میں مکہ کے عرب حضرت محمدؐ کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور آپ کی سیرت میں مکمل مردانہ خصوصیات کا احترام کرتے تھے، لیکن انہیں کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ زندگی کا مستقبل آپؐ کے مستقبل کے ساتھ مربوط ہو گیا ہے۔ آپؐ کے پاک منہ سے حکمت کے چشمے جاری ہوں گے جو ہر اونچی نیچی جگہ کو سیراب کر دیں گی۔

وہ تو ویسے ہی دیکھ رہے تھے جیسے بچہ سمندر کی سطح کو دیکھتا ہے۔

حضرت محمدؐ کا انتخاب ایسا اچانک تھا جس کی گھبراہٹ جلد ہی دور ہو گئی اور آپؐ کے طاقتور کندھوں نے اس بوجھ کو اٹھا لیا اور آگے چل پڑے۔

وحی تیئیس برسوں تک نازل ہوتی رہی۔ حالات و واقعات کے مطابق آیتیں اترتی رہیں، یہ بھرپور طویل مدت سیکھنے اور سکھانے کی تھی۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تعلیم دے رہا تھا اور رسولؐ یہ زندہ علوم حاصل کر کے اپنے دل میں جاگزیں کر کے اسے اپنے وجود کا حصہ بنا رہے تھے پھر لوگوں کو سکھا رہے تھے۔

اس انداز میں قرآن کا نزول خدا کی حکمت تھی۔ دلوں کے علاج، قوموں کی سیاست و رہنمائی اور احکام کے اثبات میں وقت کا بھی خاصا دخل ہوتا ہے۔

اتنی طویل مدت تک پھیلنے کے باوجود اغراض و مقاصد میں ہم آہنگی کا برقرار رہنا قرآن کا ایک اعجاز ہے۔ چوتھائی صدی کے بعد قرآن کا اختتام اس کے آغاز کے مطابق ہی تھا اور دونوں ایک دوسرے کی تصدیق و تکمیل کر رہے تھے، جیسے ایک ہی وقت میں نزول ہوا ہو بعض عرب پوچھتے بھی تھے کہ قرآن کے اس طرح نازل ہونے کی وجہ کیا ہے؟

وقال الذین کفروا لو لا نزل علیه القرآن جملة واحدة کذٰلك لنثبت به فؤادك ورتلنٰه ترتیلا۔ ولا یاتونك بمثل الا جئنك بالحق واحسن تفسیرا (الفرقان:۳۲۔۳۳)

منکرین کہتے ہیں ”اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا ہاں ایسا اس لئے کیا گیا کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشیں کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لئے) ہم نے اس کو ایک خاص ترکیب کے ساتھ الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے اور اس میں یہ مصلحت ہے کہ جب کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال لے کر آیا اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی۔

Marfat.com

قرآن اللہ کے نزدیک دین کی حقیقت اور اس کی تاریخ کی تشریح کرتا ہے اور اپنی عام دعوت میں وہ پیش آنے والے شبہات کو دور کرتا ہے، دلائل سامنے لاتا ہے اور مخالفین کے شدید ترین اعتراضات کا ذکر کرکے انہیں دلیلوں سے کاٹتا ہے۔

قرآن ایسی قوم میں نازل کیا گیا تھا جس کے دلوں میں کفر پوری طرح نشوونما پائے ہوئے تھا اور جس کی زبانیں بحث ومباحثہ کی عادی تھیں۔ غالباً قدرت نے اس ماحول کا انتخاب ہی اس لئے کیا تھا کہ دلوں میں جتنے شکوک پیدا ہو سکتے ہیں سب باہر آجائیں اور باطل جتنے چیلنج پیش کر سکتا ہے کرلے۔ جب اسلام یہاں کے شکوک کو زائل اور رکاوٹوں کو پار کرلے گا تو باقی جگہوں پر زیادہ آسانی سے کرلے گا۔ عقائد واحکام کے سلسلے میں نبی اکرمؐ کے سامنے جو سوالات پیش کئے جاسکتے تھے ان سب کے شافی جوابات قرآن کریم میں مل جائیں گے۔

سوالات اور انکار وسرکشی سے بھرے ہوئے اس ماحول میں نبی اکرمؐ کے پاس وحی آتی رہتی تھی کہ یہ کہو، یہ کہو۔

سوالات کے جوابات کے سلسلے میں کتنی زیادہ آیات نازل ہوئی ہیں جب آپ یہ جوابات پڑھیں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ دل میں یقین کا سیلاب داخل ہورہا ہے جس سے سارے وسوسے غائب ہوتے جارہے ہیں۔ دائمی رسالت انسانوں کے دلوں کے ساتھ یہی ٹھوس تعلقات پیدا کرتی ہے۔ قرآن زندہ پیغمبر ہے۔ آپ اس سے سوال کریں وہ آپ کو جواب دے گا اور سنیں تو آپ کو مطمئن کردے گا۔

دیکھیے وہ دوبارہ اٹھائے جانے اور جزوسزا کے عقیدہ کی بنیاد ڈال رہا ہے سوال کے جواب میں قدرت وارادۂ الٰہی کی عمومیت وجامعیت واضح کررہا ہے اور کس طرح اعتراض اور اس کے جواب کا ذکر کررہا ہے۔ گویا کوئی جاری وزندہ مباحثہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا:

اولم یرالانسان انا خلقنٰہ من نطفۃٍ فاذاھو خصیم مبین وضربَ لنا مثلا ونسی خلقہ قال من یحی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی أنشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا	انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہوگیا اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے کہتا ہے ”کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب یہ بوسیدہ ہوچکی ہوں؟ اس سے کہو انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے

Marfat.com

فاذا انتم منه توقدون أوليس الذي خلق السموات والارض بقادر على ان يخلق مثلهم بلىٰ وهو الخلّق العليم انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون فسبحٰن الذي بيده ملكوت كل شئى واليه ترجعون (يٰس :۷۷۔۸۲)

پہلے انہیں پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے وہی ہے جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چولہے روشن کرتے ہو، کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں جبکہ وہ ماہر خلاق ہے وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کام کا بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

یہ درست نگاہ پر مبنی استدلال کی مثال ہے، اس میں کسی زمان و مکان کی قید نہیں ہے۔ یہ تمام انسانوں کی عقل عام سے خطاب ہے۔ اور اس سے قرآن کے ٹکڑوں میں بتدریج نازل ہونے کی حکمت واضح ہوتی ہے کہ اس سوال کے جواب میں یہ کہو، پھر سوال وجواب کو محفوظ کر دیا کہ آخرت تک لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے۔

☆☆☆

اہل علم کہتے ہیں کہ قل کہہ کر جو بات کہی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کے لئے تعلیم ہے پھر رسولؐ کی طرف سے لوگوں کے لئے، اس طرح بہت ساری نصیحتیں اور احکام بیان کئے گئے ہیں۔

جب مشرکین نے اپنی عادت کے مطابق بحث کا میدان دین کی حقیقت سے نبی اکرمؐ اور آپؐ کے پیروکاروں کی طرف منتقل کرنا چاہا تو یہ آیات نازل ہوئیں!

قل ارأيتم ان اهلكني اللّٰه ومن معي او رحمنا فمن يجير الكافرين من عذاب اليم.قل هو الرحمن آمنا به وعليه توكلنا فستعلمون من هو فى ضلل مبين (الملك:۲۸۔۲۹)

ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ خواہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچا لے گا؟ ان سے کہو وہ بڑا رحیم ہے، اسی پر ہم ایمان لاتے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں پڑا ہوا کون ہے۔

Marfat.com

دیکھئے بحث ومباحثہ کے بیچ سے مغز کس طرح کھینچ لیا گیا ہے۔ تمہیں رسولؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کی کسی کمی سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ تم تو اپنے بارے میں غور کرو کہ اوہام وخرافات نے کس طرح تباہ کر کے تمہیں راہ سے بھٹکا دیا ہے، رسولؐ اور ان کے ساتھ تو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور اس پر ایمان لانے اور بھروسہ کرنے والے ہیں۔ اگر تم بھی چاہو تو اللہ کی طرف پہنچنے کا راستہ آسان ہے:

قل اننی هدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملة ابراهیم حنیفا وماکان من المشرکین قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین لا شریك له وبذلك امرت وأنا أول المسلمین قل اغیر الله أبغی ربا وهو رب کل شئی ولا تکسب کل نفس الا علیها ولا تزر وازرة وزراخری (الانعام:۱٦١۔١٦٤)

اے نبی کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ابراہیم کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا کہو میری نماز میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العلمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں کہو! کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

یہاں رسولؐ سے خطاب ایک ایسے معاملے میں ہے جو ہر زمانے سے ہر زندہ شخص سے متعلق ہے کہ وہ اپنے ذہن سے غور کرے اور اپنے ضمیر سے فیصلہ کرے اگر اس کے دل میں ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو رسول کا کام یہیں ختم ہو جاتا ہے کہ دل ودماغ کو ان کے خالق کے ساتھ جوڑ دیں اور سیدھا راستہ دکھا دیں پھر یہ ہر انسان کی ذمہ داری کہ وہ بھلائی یا برائی جو پسند کرے اختیار کر لے۔

رسول اللہ ﷺ کوئی بچولیے نہیں کہ وہ آپ کی بھلائی یا برائی کے ذمہ دار ہوں، ہر نفس خود اپنے عمل کا ذمے دار ہے اور کوئی بھی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یہیں سے اسلام اور عیسائیت کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔

اسلام انسان کی قدر ومنزلت کو بڑھاتا ہے اور اس کی بلندی وپستی کے مطابق اس کی صحیح جزا دیتا ہے۔ جبکہ عیسائیت میں انسان اس سے کمتر درجہ رکھتا ہے۔ کہ وہ خود

Marfat.com

سے براہ راست پروردگار سے ربط قائم کرے۔ کوئی دوسرا بیچ کا واسطہ ناگزیر ہے، جو اس کا کارثواب (اوپر) اٹھائے اور اس کی توبہ قبول کرے۔ اگر وہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اسے سزا بھی نہیں بھگتنی ہوگی کہ اس کے بدلہ پہلے کوئی فدا ہو چکا ہے۔ اس کی ذمے داری صرف یہ ہے اس کی تصدیق کرے، اسی سے اسے نجات مل سکتی ہے۔

منطق وانصاف کے خلاف یہ خبط کیسا زبردست ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے ایسی بات کہتا ہے کہ جسے سن کر ذہن کھل جائے۔

قل من رب السموات والارض قل اللّٰہ قل افاتخذتم من دونه اولياء لا يملكون لأنفسهم نفعا ولا ضرا قل هل يستوى الاعمى والبصير ام هل تستوى الظلمات والنور ام جعلوا لله شركاء خلقوا كخلقه فتشبه الخلق عليهم قل اللّٰہ خالق كل شئى وهو الواحد القهار (الرعد:١٦)

ان سے پوچھو آسمان وزمین کا رب کون ہے؟ کہو اللہ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اسے چھوڑ کر ایسے معبودوں کو اپنا کارساز ٹھہرا لیا ہے جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے کہو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوا کرتا ہے؟ کیا روشنی اور تاریکیاں یکساں ہوتی ہیں؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے سب پر غالب۔

ایسی ہدایتوں سے سوئی ہوئی عقل خواب غفلت سے بیدار ہو جاتی ہے اور باطل کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور انسان حقیقت کو ماننے اور اس کے ذریعہ بلند ہونے کی طرف مائل ہوتا ہے۔

یہی پیغمبرؐ اسلام سکھاتے ہیں اور اسی کے لئے جدوجہد فرماتے ہیں۔

☆☆☆

اسلام کو چھائی ہوئی صنم پرستی کی طرف سے شدید ترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ایک یا دو معرکوں میں ہمت ہار نہیں بیٹھی، بلکہ ایک ایک انچ زمین کے لئے زبردست لڑائی لڑتی رہی۔ سمجھا جانے لگا تھا کہ جس وقت نبی اکرمؐ امانت ادا کر کے رفیق اعلیٰ کے پاس رخصت ہوئے اس وقت تک صنم پرستی زائل ہو چکی تھی، جبکہ ہوا یہ کہ حضرت

Marfat.com

ابو بکرؓ کے دور میں پورا جزیرۃ العرب اٹھ کھڑا ہوا اور ارتداد کے اندھے طوفان کے سامنے مسلمانوں کو دوبارہ جدوجہد کے لئے آگے آنا پڑا، تب کہیں جا کر یہ آگ دب سکی اور وہ بھی اس سے کہیں زیادہ جانی نقصان اٹھا کر جتنا نبی اکرمؐ کے دور میں مشرکین سے معرکہ آرائیوں میں اٹھانا پڑا تھا۔

نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد حق پر ثابت قدم رہنے والے لوگ واقعی مسلمان تھے کیونکہ اسلام اصولوں سے ربط کا نام ہے، نہ کہ اشخاص سے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اور آپؐ کے ذریعہ مسلمانوں کو سکھا دیا تھا کہ جو حق انہوں نے پہچان لیا ہے اس سے چمٹے رہیں اور حالات چاہے جتنے سخت ہو جائیں اس پر ثابت قدم رہیں۔

دنیا گمراہی کے ذرائع سے بھری ہوئی ہے۔ پہلے تو وہ یہ کوشش کرتی ہے کہ ایمان کو کوئی جگہ ہی نہ ملے اور اگر سخت مشقت کے بعد اسے کوئی جگہ مل جاتی ہے تب وہ کوشش کرتی ہے کہ اسے جھکنے پر مجبور کرے تا کہ وہ کم از کم کچھ چیزوں سے ہی دستبردار ہو جائے۔ اگر وہ اسے یہاں تک لانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تب اس کا خاتمہ کر دینا ممکن ہو جائے گا۔ اسی لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کن حکم آیا کہ ایمان کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اس حقیقت پر منکرین سے کشمکش رک نہیں سکتی۔ ان مربوط تعلیمات کو پکڑے رہنا اور اس کے لئے محبت ونفرت اور صلح و جنگ ناگزیر ہے۔ عقیدہ کی خدمت میں جذبہ کا حصہ عقل سے کم نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں مسلمانوں کو حکم دینے والی آیات رسولؐ سے خطاب کی شکل میں نازل ہوئیں۔

یا ایھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین ان اللہ کان علیما حکیما واتبع مایوحیٰ الیک من ربک ان اللہ کان بما تعملون خبیرا وتوکل علی اللہ وکفی باللہ وکیلا (الاحزاب:۱۔۳)	اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کفار ومنافقین کی اطاعت نہ کرو حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے پیروی کرو اس بات کی جس کا اشارہ تمہارے رب کی طرف سے تمہیں کیا جا رہا ہے اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو اللہ پر توکل کرو اللہ ہی وکیل ہونے کے لئے کافی ہے۔

Marfat.com

ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ منکرین ومنافقین کی پیروی کریں گے، اس ہدایت کے مخاطب تو ہم مسلمان ہیں۔ اسی طرح یہ آیت ہے:

وادع الی ربك ولا تكونن من المشركين ولا تدع مع الله الها آخر (القصص:۸۷۔۸۸)

اپنے رب کی طرف دعوت دو اور ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔

رسول اللہ ﷺ تو شروع ہی سے شرک کے مخالف تھے آپؐ ہی سے لوگوں نے یہ مخالفت سیکھی بھی۔

لا تمدن عينيك الى ماmتعنا به ازواجا منهم ولا تحزن عليهم واخفض جناحك للمؤمنين (الحجر:۸۸)

تم اس متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے اور نہ ان کے حال پر اپنا دل کڑھاؤ انہیں چھوڑ کر ایمان لانے والوں کی طرف جھکو۔

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطا وقل الحق من ربكم (الكهف:۲۸۔۲۹)

کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریقہ کار افراط وتفریط پر مبنی ہو صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔

فان كنت في شك مما انزلنا اليك فسئل الذين يقرؤن الكتٰب من قبلك لقد جاءك الحق من ربك فلا تكونن من الممترين ولا تكونن من الذين كذبوا بايات الله فتكون من الخٰسرين (يونس:۹۴۔۹۵)

اب اگر تمہیں اس کی ہدایت کی طرف سے کچھ بھی شک ہو جو ہم نے تم پر نازل کی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں فی الواقع یہ تمہارے پاس حق ہی آیا ہے تمہارے رب کی طرف سے لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اور ان لوگوں میں شامل نہ ہو جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ہے ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔

Marfat.com

مفسرین کہتے ہیں کہ اس طرح کے احکام میں اگرچہ بظاہر خطاب رسولؐ اللہ سے ہے، لیکن اصلی مخاطب امت ہے۔ جس طرح فوج میں احکام کمانڈر کے نام جاری کئے جاتے ہیں جبکہ نافذ کرنے والے عام فوجی ہوتے ہیں۔

بہر حال نبی اکرمؐ ہی اسوۂ حسنہ ہیں اور آپؐ ہی کے طرز عمل کو لوگ اعلیٰ نمونہ سمجھتے ہیں پھر یہ ہدایات کتنی دوٹوک اور واضح ہیں مثلاً:

لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتكونن من الخسرین بل الله فاعبدو کن من الشّٰکرین (الزمر: ٦٥۔٦٩)

اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے لہذا (اے نبی) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گذار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

یہ آیتیں کتنے واضح انداز میں مسلمانوں کو بگاڑ سے دور رہنے کی تاکید کر رہی ہیں۔

جب انسان دوسری کتابوں مثلاً توریت وانجیل کی ورق گردانی کرے گا تو اس میں موجود خلط مبحث دیکھ کر جلدی سے قرآن کی طرف پلٹ آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہزار بار شکر ادا کرے گا کہ اس نے یہ ہدایت دی۔ پھر قرآن میں موجود حق مزید واضح نظر آئے گا جب پہلے کے ادیان کی بگڑی ہوئی چیزیں سامنے آئیں گی۔

ولئن اتبعت اهواء هم بعدالذی جائك من العلم مالك من اللّٰـه من ولی ولا نصیر (البقرة: ١٢٠)

ورنہ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لئے نہیں ہے

بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے: مسلمانو! تم اہل کتاب سے کیسے کچھ پوچھتے ہو جبکہ جو کتاب تمہارے نبی پر نازل کی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سب سے نئی ہے۔ اس میں کسی طرح کی ملاوٹ نہیں ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ تمہیں بتا چکا ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں تبدیلیاں کر لیں اور ان میں اپنی طرف سے لکھ لیا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تاکہ کچھ کما لیں۔ کیا تمہارے پاس جو علم آچکا ہے وہی تمہیں ان سے کچھ دریافت کرنے سے نہیں روک دیتا۔ ہم نے تو ان کے کسی آدمی کو کبھی تم سے تمہاری کتاب کے بارے میں کچھ پوچھتے دیکھا نہیں

بخاری نے حضرت عبدؒاللہ بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے "عقلی اعتبار سے اسلام

Marfat.com

نام ہے حقیقت کو پہچاننے اور جذباتی اعتبار سے اس سے محبت کرنے واراس کی عزت کرنے اور باطل سے نفرت کرنے کا۔

☆☆☆

کچھ لوگوں کے احساسات ٹھس ہوتے ہیں جو کسی رائے کو اہمیت ہی نہیں دیتے معمولی چیزوں میں تو ایسا ہوسکتا ہے لیکن جب معاملہ ایمان والحادیا پاکیزگی و بدکرداری کا ہو، تب یہ رویہ درست نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کتاب دی اور ایمان سکھایا۔اس فضل الٰہی کی معرفت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپؐ اپنے ایمان وقرآن کی انتہائی قدرومنزلت اوران پر فخر کرتے تھےاوراس سلسلے میں کسی طرح کے جھکاؤ یا سودے بازی کو مسترد کرتے تھے۔

ودوالوتدھن فیدھنون (القلم:۹) یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ مداہنت کریں۔

جوامت اس سے انتساب رکھتی ہے وہ حق کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔اس میں کوئی کمی گوارانہیں کرتی۔اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ فکراور طرزعمل میں اپنے مادی وروحانی وجود کی بنیاد جدوجہداور بارآورعمل پر رکھتی ہے۔

سنت کا مقام

مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سرچشموں کو سمجھے جن سے وہ اپنا دین اخذ کرتا ہے۔قرآن کریم کی صورت وحی الٰہی کے محفوظ ریکارڈ کی ہے۔اس کے ساتھ اسے نبی اکرمؐ کے محفوظ اقوال کے بارے میں بھی صحیح پوزیشن معلوم کرنی چاہئے۔

قرآن اسلام کی روح ہے۔اس کی محکم آیات ہی اسلام کا دستوراوراس کی دعوت کا محور ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر دین کی حقیقت کو محفوظ بھی کردیااوراس کے لئے ابدیت بھی لکھ دی۔جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کا بوجھ اٹھانے اوراپنی آیات کو پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا وہ زندہ قرآن کی حیثیت رکھتی تھی۔قرآن کریم نے ایمان، عبادت، سعی وجدوجہد، حق پرستی، سمجھ اورتشریح وبیان کی جو تصویر کشی کی ہے آپؐ اس کا نمونہ تھے۔اس لئے آپؐ کے اقوال، افعال، تصدیقات، سلوک واخلاق، احکام اور زندگی کے تمام پہلو اہل ایمان کے لئے

Marfat.com

قانون اور دین کے اہم عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی لئے منتخب فرمایا تھا کہ آپؐ اس کی ترجمانی کریں اور اس کا پیغام پہنچائیں۔ آپؐ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی مراد کو کون سمجھنے کے لائق تھا اور قرآن کے دور ونزدیک کے تقاضوں کے مطابق موقف متعین کرنے کا آپؐ سے زیادہ کس کو حق ہوسکتا تھا؟

قرآن کی تطبیق معمولی اہمیت نہیں رکھتی۔ قانون کی نص کے ساتھ اس کی روح بھی ہوتی ہے۔ مختلف حالات سے قانون کے مطابق نمٹتے ہوئے بہت سے تجربے ہوتے ہیں بعض احکام قانون کے الفاظ سے زیادہ قریب محسوس ہوتے ہیں اور بعض اس کی روح سے زیادہ قریب۔

قرآن اسلام کا قانون اور سنت اس کی تطبیق ہے۔ مسلمان پر جیسے اس قانون کا احترام لازمی ہے اسی طرح اس کی تطبیق کا احترام بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبیؐ کی پیروی کا حکم دیا ہے کہ آپؐ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق دیتے تھے اس لئے آپؐ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوئی نہ کہ کسی انسان کی اندھی پیروی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلنٰک علیھم حفیظا (النساء: ۸۰)	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ گیا تو بہرحال ہم نے تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔
وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون (النحل: ٤٤)	اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو ان کے لئے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں۔
وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (الحشر: ۷)	جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔

تاہم آسمانی الہام انسان کی صلاحیتوں کو معطل نہیں کر دیتا۔ یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ رسول حضرات مسخر لوگ تھے جنہیں فرشتے بولواتے یا چپ رکھتے تھے۔ اگر وہ حضرات

Marfat.com

رسول نہ بھی ہوتے تب بھی اپنی صلاحیت وصالحیت کی بنا پر لوگوں کے لئے قابل احترام ہوتے۔ کسی کو وحی اتفاقاً نہیں مل جاتی۔ اس سے تو ایسے اشخاص کو نوازا جاتا ہے جو لوگوں میں سب سے مکمل وفاضل، اخلاق وکردار میں سب سے شریف اور سب سے پختہ رائے رکھنے والے ہوں۔ زندگی میں ان کی سیرت اور بات کو ویسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا چہ جائیکہ جب انہیں نبوت ورسالت کے ذریعہ معصومیت سے بھی نوازا گیا ہو۔

رسولوں کے جلو میں چلنا تمام تر بھلائی ہے۔ اسی لئے حضرت محمدؐ کی سنت، قرآن کریم کے ساتھ، شریعت کا ماخذ ہے اور عام مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں۔

تاہم حدیثوں کو قبول کرنے میں ذہنی بیداری سے کام لینا ضروری ہے۔ ہر چیز جو رسولؐ سے منسوب کر دی جائے، قابل قبول سنت نہیں بن جاتی اور ہر سنت جس کی نسبت صحیح ہو ضروری نہیں کہ اس کا مفہوم اور موقع ومحل بھی صحیح سمجھا گیا ہو۔

مسلمانوں کو گھڑی ہوئی حدیثوں سے اتنی تکلیف نہیں پہنچی ہے جتنی ان حدیثوں سے جن کے مفہوم اور موقع ومحل کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں گیا۔ یہاں تک کہ بعد میں کچھ لوگ سنت کے پورے ذخیرے کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور آرزو کرنے لگے کہ کاش مسلمان اس سے چھٹکارا حاصل کر لیتے (نعوذ باللہ)

یہ نقطہ نظر دو اعتبار سے غلط ہے۔ اول یہ کہ یہ تاریخی حقیقت کو نظر انداز کرنا ہوگا دنیا میں کسی بھی انسانی شخصیت کے آثار کو اتنے اہتمام سے محفوظ نہیں کیا گیا، نہ اتنی باریک بینی سے ان کی چھان بین کی گئی، جتنی حضرت محمدؐ کے آثار کے سلسلے میں کی گئی۔ اس کے بعد ان آثار کو نظر انداز کیسے کیا جاسکتا ہے۔ دوم یہ کہ سنت کے ذخیرے میں حکمت عالیہ کے ایسے ایسے خزانے موجود ہیں کہ کسی بھی شخص سے انہیں منسوب کر دیا جاتا تو اس کا شمار عظیم مصلحین میں ہوتا۔ تب انہیں کیسے ضائع کر دیا جائے اور لوگوں کو ان کے خیر سے محروم کر دیا جائے۔؟

ہم نے جب اخلاق وکردار کے سلسلے میں حضرت محمدؐ کی احادیث کا جائزہ لیا، جو بہت ساری ہیں، تو ذہن نے کہا اگر نفسیات وتربیت کے ماہرین کا ایک پورا لشکر جمع ہو کر دنیا کو یہ ادب فراہم کرنے کی کوشش کرتا تو عاجز رہ جاتا، جبکہ کردار واخلاق حضرت محمدؐ کی رسالت کا صرف ایک شعبہ ہے۔

Marfat.com

اس کے باوجود ایسے لوگوں کو سنت کی ترجمانی کی اجازت نہیں دی جاسکتی جن میں اس ترجمانی کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید بنانے کی شرطیں پوری نہ ہوں۔:

ا۔سنت کی بات اسے نہیں کرنی چاہئے جس نے قرآن کے علوم میں کافی مہارت حاصل نہ کرلی ہو کیونکہ قرآن ہی اسلام کا اصل دستور ہے اور وہی پوری باریک بینی کے ساتھ مسلمان کے فرائض وحقوق طے کرتا ہے، ان سے متعلق ذمے داریاں مرتب کرتا ہے اور اس کی زندگی میں اس طرح عبادات کی تقسیم کرتا ہے کہ نہ کوئی عبادت دوسری عبادت کو دباتی ہے، نہ ساری عبادات مل کر زندگی کے لئے کام اور اس کے مرتبہ ومقام کو پیچھے ڈھکیلتی ہیں۔

جو شخص قرآن سے یہ حقائق حاصل نہیں کرتا، کوئی دوسری چیز اس کمی کا بدل نہیں ہوسکتی۔قرآن کو چھوڑ کر اسلام کی جو صورت بنائی جائے گی اس میں توازن بگڑ جائے گا اور بہت اختلاف پیدا ہوگا۔

اسی لئے ائمہ صحابہؓ شدت سے یہ چاہتے تھے کہ قرآن کے لئے راستہ خالی رکھا جائے تا کہ وہ دلوں میں اچھی طرح اپنی جگہ بنالے۔کسی اور چیز کو یہ مرکزی حیثیت حاصل نہ ہو۔

ابن عبدالبر ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں حضرت جابرؓ وعبداللہؓ بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا: میں ہر اس شخص کو جس کے پاس کچھ لکھا ہوا ہو، یہ لازم کرتا ہوں کہ وہ جا کر مٹادے، کیونکہ لوگوں نے جب اپنے رب کی کتاب کو چھوڑ کر اپنے علماء کی باتوں کی پیروی کی تو ہلاک ہو گئے۔اسی طرح زہری نے حضرت عروہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ حدیثیں لکھ لی جائیں تو آپؐ نے صحابہؓ سے رائے لی۔انہوں نے لکھنے کی رائے دی۔حضرت عمرؓ ایک مہینے تک رکے رہے، کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کریں پھر ایک دن وہ فیصلے پر پہنچ گئے اور کہا: میں چاہتا تھا کہ سنتیں لکھ لوں لیکن مجھے یاد آیا کہ تم سے پہلے کچھ لوگوں نے کچھ چیزیں لکھیں تو پھر انہی پر متوجہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب چھوڑ بیٹھے۔خدا کی قسم میں اللہ کی کتاب کو کبھی بھی کسی اور چیز کے بدلے پس پشت نہیں ڈال سکتا۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی گمراہی کا ذریعہ وہ کتابیں ہوئیں جو

Marfat.com

انہیں اپنے آباء واجداد سے وراثت میں ملیں۔

ایک بار حضرت علقمہؓ واسودؒ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے پاس ایک صحیفہ لے کر گئے جس میں کوئی اچھی بات تھی۔ حضرت عبداللہ نے اپنی لونڈی سے ایک طشت منگوا کر پانی سے بھروایا پھر اسے اپنے ہاتھ سے مٹانے لگے اور فرمانے لگے:

نحن نقص علیك احسن القصص اے نبی! ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کرتے ہیں بہترین پیرایہ میں۔ (یوسف:۳)

دونوں نے عرض کیا: آپ دیکھ تو لیتے اس میں ایک اچھی بات تھی۔ حضرت عبداللہؓ مٹاتے رہے اور فرمایا یہ دل تو برتن ہیں۔ انہیں قرآن سے بھرے رکھو کسی اور چیز سے نہیں۔ اس صحیفہ میں اہل کتاب کے بعض علوم تھے۔

عامر شعبیؒ جناب قرظہؓ بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ہم عراق جانے کے لئے نکلے تو حضرت عمرؓ مقام صرار تک ساتھ آئے پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ آیا؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں آپ ہمارے اعزاز واکرام کی نیت سے آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تم ایسی بستی میں پہنچو گے جہاں کے لوگ قرآن تلاوت کرتے رہتے ہیں اور ان سے ایسی آواز نکلتی رہتی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کی۔ انہیں حدیثیں سنا کر (قرآن سے) بے توجہ نہ کر دینا۔ قرآن کو اچھی طرح پڑھو اور رسول اللہ ﷺ سے کم روایت کرو۔ جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ چنانچہ جب حضرت قرظہؓ وہاں پہنچے اور لوگوں نے حدیث سنانے کی فرمائش کی تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں منع کر دیا ہے۔

حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ وغیرہ ائمہ صحابہؓ سنت کا انکار نہیں کرتے، بس یہ چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کو زیادہ توجہ اور شوق سے پڑھا جائے۔ یہی فطری ترتیب بھی ہے قانون کے بعض اجزاء کی شرح وتفصیل سے پہلے پورے قانون کو بخوبی جاننا ناگزیر ہے کیونکہ شرح وتفصیل کی ضرورت ہر کسی کو نہیں پڑتی، بلکہ بسا اوقات اس میں پڑنے سے اہم اصول وقواعد کے لئے دماغ میں جگہ نہیں بچ پاتی۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تمہیں ابو ہریرہؓ کا رویہ عجیب نہیں لگا، وہ میرے حجرے کے پاس آکر بیٹھے اور رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

سے روایتیں بیان کرنے لگے۔ وہ مجھے سنا رہے تھے جبکہ میں نماز میں مشغول تھی اور اس سے پہلے کہ میں نماز ختم کرلوں وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اگر مجھے ملے ہوتے تو میں ٹوکتی کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح بے محابا باتیں نہیں بیان کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

۲۔ فہمِ قرآن میں مہارت کے بعد حدیثوں کو صحیح انداز میں سمجھنے کا نمبر آتا ہے جو فہم حدیث میں کوتاہ ہو، اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی زبان منہ میں بند رکھے اور ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' کہہ کر ایسی حدیثیں نہ بیان کرے جن کے مقصد سے آگاہ نہ ہو، بس ظاہری الفاظ ہی اس کے پلّے پڑے ہوں۔

حدیث قدیم زمانے سے ایسے لوگوں کی بدولت آزمائش میں مبتلا رہی ہے جو یاد تو بہت رکھتے ہیں، سمجھتے بہت کم ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت بلالؓ کے انداز روایت پر تعجب اس لئے ظاہر نہیں کیا تھا کہ انہیں جھوٹا سمجھتی تھیں۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے انداز روایت میں اس پس منظر اور سیاق وسباق کا لحاظ نہیں تھا جس میں وہ حدیث کہی گئی تھی۔ مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مارا تھا جب انہیں یہ روایت کرتے ہوئے سنا کہ ''جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا'' تا کہ کم فہم لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اسلام صرف زبان سے کلمہ کی ادائیگی کا نام ہے، اس کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ اگر اس طرح کی غلط فہمی پیدا ہو رہی ہو تو صحیح حدیث بیان نہ کرنا ہی افضل ہے۔

ابن عبد البرؒ نے خود حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''میں نے تم سے ایسی حدیثیں بیان کر دی ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیان کرتا تو وہ درہ سے میری پٹائی کرتے۔''

اس روک تھام سے حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ وہ معاشرہ کی تعمیر قرآن کی تعلیمات اور ان پر غور وخوض اور ان سے استنباط پر کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد جب حدیثیں بیان کی جاتیں تو روشن ذہنوں میں پہنچتیں۔ اور ان کا صحیح مفہوم ضائع نہ ہوتا اپنے بہترین حافظہ کی بدولت حضرت ابو ہریرہؓ مثلاً صرف نماز کے بارے میں سو حدیثیں بیان کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کسی مخصوص دائرہ میں انہیں بیان کرنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے، لیکن عام مسلمانوں کو ان میں مشغول کرنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ یہ چاہتے تھے کہ ان

Marfat.com

میں سے بقدر ضرورت وکفایت جان لیں، پھر مفید کاموں میں لگ جائیں۔ یہی راز ہے کثرت سے روایت کرنے والوں کی سرزنش کا۔

امام ابن حزمؒ نے صرف وضوء کے بارے میں تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل حدیثیں روایت کی ہیں، جو صاحب علم چاہے وہ ان میں دلچسپی لے سکتا ہے، لیکن عام لوگوں کو ان میں مشغول کرنا حماقت ہوگی، پھر قرآن کے لئے کیا وقت بچے گا؟۔ بلکہ مسلمانوں کو خود قرآن میں اس طرح مشغول کرنا بھی دین نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں ''قرآن پڑھو لیکن اس میں غلو سے کام نہ لو، نہ اسے چھوڑ دو اور نہ اسے کمانے کا ذریعہ بناؤ (مسند احمد)۔

ان حفاظ حدیث کی فضیلت یہ ہے کہ انہوں نے یہ علم ان لوگوں تک پہنچایا جو اس سے بہترین انداز میں استفادہ کر سکتے تھے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ ''بہت سے علم کو ڈھونے والے اسے سمجھنے والے نہیں ہوتے، بہت سے علم ڈھونے والے اسے ایسے لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ اسے سمجھنے والے ہوتے ہیں۔''

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مجھ سے اعمشؒ نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ اس وقت ہم دونوں کے علاوہ وہاں کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے جواب دیا تو انہوں نے دریافت کیا: یہ جواب آپ نے کہاں سے لیا ہے؟ میں نے کہا: اس حدیث سے جو آپ ہی نے مجھ سے بیان کی تھی، پھر وہ حدیث بیان کردی۔ اعمش نے کہا: مجھے حدیث اس وقت سے یاد ہے جب آپ کے والدین اکٹھا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن اس کا مطلب اب سمجھ میں آیا ہے۔

فقیہ ابو یوسف کی نظر ان پہلوؤں کی طرف پہنچ گئی جہاں حافظ حدیث اعمشؒ کی نگاہ نہیں پہنچی تھی۔ بغیر سمجھے یاد کرنے سے ڈر نہیں لگتا، بلکہ ڈر اس سے لگتا ہے کہ حدیث کو اس کے مقصد کے خلاف سمجھ لیا جائے۔

احادیث ایمان سے متعلق بھی ہیں اور قضا وغیرہ سے بھی۔ اسلام چونکہ ان تمام حقائق کا نام ہے، اس لئے حدیثوں کی نوعیت ایسی ہوگئی جیسے ملبوسات کے کسی بڑے شوروم کی ہو کہ اس میں ہر قسم کے ملبوسات الگ الگ رکھے رہتے ہیں۔ قمیصوں کا الگ گوشہ ہوتا ہے، سر کے اسکارف وغیرہ ایک طرف سجے ہوتے ہیں، کوٹ پینٹ وغیرہ

Marfat.com

الگ الگ رکھے ہوتے ہیں، عورتوں کے ملبوسات الگ سجائے ہوئے ہوتے ہیں، جو پورا لباس ایک ساتھ خریدنا چاہے گا وہ ان سب کو چھوڑ کر پورے لباس کے گوشے کی طرف جائے گا لیکن ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ کوئی ایک ٹوپی ہی خرید کر چلا گیا، کوئی ایک رومال ہی لے کر۔

یہی صورت سنت میں مشغول گروپوں کی ہے۔ یہ حدیث کے پورے خزانے سے اس طرح نکل کر عوام کے سامنے آتے ہیں کہ کسی کے پاس صرف مسواک سے متعلق حدیثیں ہوتی ہیں، کوئی دم کٹے عمامے کو اسلام کا شعار بتاتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ وہ ایک بڑی نمائش میں جا کر اس طرح لوٹتے ہیں کہ پورے دین کو کسی ایک حدیث میں محدود سمجھ لیا ہے۔ اور یوں قرآن وحدیث دونوں پر ظلم کیا۔

۳۔ کثرت سے حدیث میں مشغول رہنے کے باوجود اس میں مہارت کی کمی نے مسلمانوں کی رہنمائی کو نقصان پہنچایا اور اس کی وجہ سے بہت سے تنگ احکام اور روایات رائج ہو گئیں، جو قرآن وسنت کی روح سے دور تھیں، اگرچہ ان کی بنیاد کسی ایسی حدیث کو بنایا گیا جن کو ٹھیک سے سمجھا نہیں گیا۔

اہم معاملات میں اسلام متعدد احکام لے کر آیا جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے یا جو رسول اللہؐ کی زبان سے جاری ہوئے۔ یہ احکام ایک دوسرے سے مل کر ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں اگر ان میں سے کسی کی دلیل میں بقیہ ساری دلیلوں سے کوئی تضاد ظاہر ہو تو اس کی تاویل تلاش کی جائے گی تاکہ سب کے ساتھ ہم آہنگی ہو جائے یا پھر زیادہ مضبوط سند والی روایات کو ترجیح دی جائے گی۔

اسی لئے محقق علماء کی رائے ہے کہ احادیث احاد (کسی ایک صحابیؓ کی روایت) اگر آیتوں کے عموم نص اور ظاہری مفہوم سے یا قرآن کے احکام پر مبنی کسی قیاس سے ٹکرائیں تو انہیں قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح محقق علماء ان حدیثوں کے درمیان جنہیں فقیہ حضرات روایت کرتے ہوں اور جنہیں محض حافظ روایت کرتے ہوں، فرق کرتے ہیں۔

کسی روایت کو غلط طور پر سمجھنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اس کو اس مثال سے سمجھئے۔

بہت سے مسلمان عورت پر یہ حکم لگاتے ہیں کہ نہ وہ کسی کو دیکھے، نہ کوئی اسے

Marfat.com

دیکھے۔ مدینہ منورہ میں آپ راستوں میں ایسی عورتیں دیکھیں گے، جنہوں نے خیمہ نما برقعے پہن رکھے ہوں گے، جن میں صرف دیکھنے کے لئے سوراخ ہوں گے، کبھی ان سوراخوں پر بھی شیشے وغیرہ جڑ دئے جاتے ہیں۔

اس رواج کی بنیاد وہ حدیث ہے جسے میں نے جمعہ کے خطبہ میں امام حرم نبوی کو دہراتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجات کے لئے یہ ناپسند فرمایا کہ وہ عبداللہ بن مکتوم کو دیکھیں۔ جب زوجات نے یہ دلیل دی کہ وہ تو اندھے ہیں، انہیں دیکھ نہیں سکتے تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم بھی اندھی ہو؟

اس روایت کے ایک راوی نیہان قوی نہیں ہیں۔ علمائے حدیث اس کے بارے میں گفتگو کر چکے ہیں۔ عورت کے طرز زندگی و طرز عمل اور عام معاشرے سے اس کے ربط و تعلق کے سلسلے میں اسے دلیل بنانا ناواقفیت کی بات ہے۔ آخر بخاری کی وہ روایات کیوں نہیں بیان کی جاتیں جو زیادہ صحیح ہیں؟

بخاری نے ''عورتوں کا مردوں کے ساتھ جنگ میں حصہ لینا'' کے عنوان کے تحت حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ احد کے دن میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا کہ وہ اپنی پیٹھ پر مشک بھر کر لاتی ہیں اور سب کو پلاتی ہیں۔ پھر خالی ہونے کے بعد دوبارہ جا کر بھر لاتی ہیں۔

بخاری ہی نے ''سمندر میں عورتوں کی جنگ'' کے عنوان کے تحت روایت نقل کی ہے کہ میں نے حضرت انسؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ بنت ملحانؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دیر آرام فرمایا پھر ہنس پڑے۔ انہوں نے دریافت کیا: کہ یا رسول اللہ! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں بحر اخضر میں سفر کریں گے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں کر دے۔ پھر کچھ دیر بعد آپ دوبارہ ہنس پڑے۔ انہوں نے دریافت فرمایا تو آپؐ نے ویسی ہی وجہ بتائی۔ انہوں نے عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ مجھے بھی ان لوگوں میں کرے۔ آپؐ نے فرمایا: تم پہلے گروپ میں ہو، دوسرے گروپ میں نہیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ بنت ملحانؓ نے حضرت عبادہؓ بن صامت سے شادی کی پھر بنت قرظہ کے ساتھ سمندر کے

Marfat.com

سفر پر گئیں اس کے بعد سواری پر چڑھیں تو گر گئیں جس سے موت واقع ہوگئی۔

بخاری نے ''جنگ میں لوگوں کے لئے مشک لاد کر لیجانا:'' کے عنوان کے تحت روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ کی عورتوں میں کپڑا تقسیم کرایا۔ ایک بہترین کپڑا رہ گیا۔ کسی نے کہا امیر المومنین اسے حضور کی بیٹی (یعنی ام کلثوم بنت علیؓ جو حضرت عمرؓ کی بیوی تھیں) کو دیجئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی زیادہ حقدار ام سلیمؓ ہیں جو احد کے دن ہمارے لئے مشک تیار کر رہی تھیں۔

''عورتوں کا جنگ میں زخمیوں کا علاج کرنا، کے زیر عنوان حضرت ربیعؓ بنت معوذ کی روایت ہے ک ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، پانی پلاتے تھے، زخمیوں کا علاج کرتے تھے اور لاشوں کو مدینہ منور پہنچاتے تھے۔

فرض کر لیجئے بخاری نے یہ صحیح حدیثیں روایات نہیں کیں تو کیا ''تم اندھی ہو'' والی حدیث معاشرے پر مسلط کر دی جائے گی اور اس کی بنا پر عورتوں کو ان کے گھروں میں بند کر دیا جائے گا کہ وہ اس قید سے کبھی نہ نکل سکیں؟ اس طرح کا حکم قرآن سے تو معلوم نہیں ہوتا۔ قرآن نے یہ حکم تو ان عورتوں کے لئے سزا کے طور پر دیا ہے جو برائی کی مرتکب ہوں۔

واللتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشھدوا علیھن أربعة منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفٰھن الموت او یجعل الله لھن سبیلا (النساء:۱۵)	تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔

لیکن قرآن سے انحراف کی وجہ سے مسلمان جب مردوں اور عورتوں کی مہذب تربیت کے راستوں سے دور ہو گئے تو پھر قید اور محل کی طرف راغب ہو گئے نتیجہ پھر یہی ہونا تھا۔

مسلمانوں نے حدیثوں کے لئے قرآن کو چھوڑ دیا۔
پھر ائمہ کے اقوال کے لئے حدیثوں کو چھوڑ دیا۔!
پھر ائمہ کے اقوال کو جھٹلا کر مقلدین کی بات ماننے لگے!

Marfat.com

پھر مقلدین اور ان کے کٹر پن کو چھوڑ کر جاہلوں کی خبط آرائیوں میں مشغول ہو گئے!

اس طریقہ سے اسلامی فکر کی پیش رفت اسلام اور مسلمانوں کے لئے وبال بن گئی۔

ابن عبدالبر نے ضحاک بن مزاحم سے روایت نقل کی ہے کہ "لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قرآن کو لٹکا کر چھوڑ دیں گے کہ اس پر مکڑیاں جالے تن لیں۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ لوگ اپنے اعمال کی بنیاد حدیثوں اور روایتوں پر رکھیں گے۔

اس اندھے پن کا علاج یہی ہے کہ ہم قرآن کی طرف لوٹیں اور اسے اپنی ذہنی وروحانی زندگی کی بنیاد بنائیں۔ جب اس سے اچھی طرح سیر ہولیں تب سنت کی طرف متوجہ ہو کر رسولؐ کی سیرت، حکمت، عبادت اور اقوال سے فائدہ اٹھائیں۔ کوئی ایسا شخص جو قرآن کا معمولی علم رکھتا ہو یا روایات کے تعلق سے اس کی مہارت معمولی ہو اور ان کے پس منظر اور موقع ومحل کو اچھی طرح نہ جانتا ہو اسے حدیث کے سلسلے میں گفتگو کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

خوارق عادات

نبی اکرم ﷺ کی خاص وعام زندگی کائنات میں جاری قوانین کے مطابق گذری۔ ایک انسان کی حیثیت سے آپؐ کو بھوک بھی لگتی تھی اور کھانا بھی تناول فرماتے تھے، بیمار بھی پڑتے تھے اور صحتمند بھی رہتے تھے، تھکتے بھی تھے اور آرام بھی فرماتے تھے، غمگین بھی ہوتے تھے اور خوش بھی۔

ان پہلوؤں سے لوگ بھی مختلف اقسام میں بٹے ہوتے ہیں، سب ایک ہی ڈگر پر نہیں چلتے۔ کوئی اپنی ضروریات پورے کرنے میں غرق رہتا ہے اور ذرا بھی کمی ہو جائے تو پریشان وپراگندہ حال ہو جاتا ہے۔ کوئی سخت جان اور صبر وقناعت والا ہوتا ہے اور پختہ عزم کے ساتھ اپنی منزل مقصود کی طرف سر اٹھائے بڑھتا رہتا ہے۔ چھوٹی چیزوں کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔

جو مشینیں تیل سے چلتی ہیں ان میں بھی فرق ہوتا ہے، کوئی گھٹیا ہوتی ہے تو بہت سارا ایندھن خرچ کر کے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، کوئی اچھی ہوتی ہے اور معمولی تیل

Marfat.com

سے بھی بہترین پیداوار دیتی ہے۔

یہی حال انسانوں کا بھی ہے۔

جو بھی حضرت محمدؐ کی سیرت کا مطالعہ کرے گا وہ دیکھے گا کہ آپؐ کا بدن ایسی سخت دھات سے ڈھلا ہے کہ بڑے سے بڑے لوگ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔ جس سے آپؐ میں زندگی کا بوجھ اٹھانے اور جدوجہد کی مشقتیں جھیلنے کی غیر معمولی صلاحیت پیدا ہوئی۔

جینیس لوگوں میں بہت سے اندھے، بہرے اور جسمانی معذوری سے دوچار بھی ہوتے ہیں لیکن جینیس ہونا نبوت کی شان سے کم درجہ کی چیز ہے۔ کسی انسان کو اگر تمام امراض سے عافیت مل گئی تو اسے پوری نعمت مل گئی، اس لحاظ سے حضرت محمدؐ ایک مکمل انسان تھے اور آپؐ کی زندگی ممتاز شخصیات کے سلسلے میں اللہ کے تخلیقی قوانین کے ساتھ ہم آہنگ تھی۔

☆☆☆

رہی آپؐ کی عام زندگی یعنی ایک رسول کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی ہدایات پہنچانا، اہل ایمان کی تعلیم و تربیت، منکرین کی مزاحمت اور دعوت کی اشاعت میں ثابت قدمی سے لگے رہنا، تو بلاشبہ قرآن کریم اس کی بنیاد تھا۔

قرآن کریم انسان میں اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرتا ہے جیسے بڑے حادثات ایک انسان کو سنجیدگی سے غور و خوض پر ابھارتے ہیں۔ قرآن پختگی و درستگی کے ساتھ عام شعور پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون (یوسف:۲)	ہم نے اسے نازل کیا ہے قرآن بنا کر عربی زبان میں، تاکہ تم (اہل عرب) اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔
کتاب فصلت آیاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون بشیرا ونذیرا (فصلت:۳۔۴)	ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ عربی زبان کا قرآن ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔

قرآن کے ذریعہ عربوں کی راہنمائی اور پہاڑ کے ذریعہ یہودیوں کی رہنمائی کے درمیان ویسا ہی فرق ہے جیسا ہدایت کی اس آواز میں جو عقلمند کو راستہ دکھاتی ہے اور کوڑے کی سزا والی آواز میں، جو کند ذہن جانور کو آگے بڑھانے کے لئے مارا جاتا ہے

Marfat.com

اور وہ ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو چند قدم پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

بعض محققین سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم نبی اکرم کا منفرد معجزہ ہے، یعنی معجزہ کے لفظی معنی میں کہ وہ عادت کے برخلاف چیلنج کرنے والا ہوتا ہے۔ اور یہ چیلنج قرآن ہی کے ذریعہ جانا گیا۔

لیکن معجزہ وغیرہ کی بحثوں کا عقیدہ وعمل سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی بدکار شخص یہ ایمان رکھے کہ نبی اکرمؐ پر بادل نے سایہ کیا، یا درخت نے آپؐ سے بات کی تو اس سے اس کی بدکاری معاف نہیں ہوسکتی۔ اور ایک صالح شخص اگر خرق عادت جیسی چیزوں پر یقین نہ بھی رکھتا ہو تو اس کا مرتبہ کم نہیں ہوگا۔

اس طرح کی بحثوں کا تعلق اثبات کی دلیلوں کے علمی انداز اور خود ان واقعات کے معنوں کی محض درجہ بندی سے ہے، اس میں غلطی یا درستگی کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔

صالحین سے خرق عادت چیزوں (کرامتوں) کی نسبت مسلمانوں میں ایک وبا کی طرح پھیل گئی ہے۔ یہاں تک کہ عام لوگ دین میں بلند مقام کے لئے اسباب ومسببات کے قوانین کو توڑنا لازمی سمجھنے لگے ہیں اور جو یہ بات نہ مانے اس کی بات سننے کو بھی تیار نہیں۔

جبکہ خرق عادت چیزوں کو ماننے کا تعلق توحید سے ویسا ہی ہے، جیسا توحید کے علم کا تعلق علم نجوم یا علم فلکیات سے، یعنی دین کی حقیقت ان بحثوں سے مثبت یا منفی اعتبار سے دور ہے۔

جن خلاف عادت چیزوں کو اولیاء کے مفتون ماننے پر مصر رہتے ہیں ان کی پشت پر اکثر کاہلی وحماقت کی گھٹیا عادتیں چھپی ہوتی ہیں، جیسے کسی سوتے ہوئے شخص کو اپنے دل واعصاب پر مسلط افکار پریشان خواب کی صورت میں نظر آئیں۔

فلاں شخص نے بغیر کنجی کے دروازہ کھول لیا، فلاں بغیر پر کے ہوا میں اڑنے لگا، فلاں نے پتھر پر پیشاب کردیا تو وہ سونا ہوگیا، فلاں غیب کی چیزوں سے واقف ہوگیا۔

اس طرح کی نادانیوں کی مثالیں بہت ہیں اور دین ودنیا دونوں کی حقیقتوں سے ناواقفیت کی ترجمانی کرتی ہیں اور یہ ثابت کرتی ہیں کہ انہیں رواج دینے والے ذہنی وقلبی اعتبار سے اتنے گمراہ ہیں کہ رسول اللہؐ اور آپ کے صحابہؓ کی سیرت سمجھ ہی نہیں سکتے۔

حضرت محمدؐ کوئی خیالوں کی دنیا میں سرگرداں شخص نہیں تھے جو اپنی زندگی اور

Marfat.com

دعوت کی بنیاد خرافات پر قائم کرتے۔ آپؐ حقائق کے آدمی تھے اور قریب و دور کی چیزوں پر نگاہ رکھتے تھے۔ اس لئے جب کسی چیز کا ارادہ کرتے تھے تو اس کے اسباب مہیا کرتے تھے اور تلخ حقائق کی روشنی میں اس کی تیاری کے لئے اپنی ساری ذہنی و مادی صلاحیت اور جدوجہد لگا دیتے تھے۔ آپؐ نے یا آپؐ کے صحابہؓ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ آپؐ بیٹھے رہیں گے اور آسمان آپؐ کے لئے کوشش کرے گا۔ یا آپؐ کوتاہی سے کام لیں گے اور آسمان اس کی تلافی کرے گا۔ کسی بھی عظیم شخص یا قوم کی عمارت خرق عادت اور اسباب و مسببات کو توڑنے والی چیزوں کی بنیاد پر نہ کھڑی ہوتی ہے، نہ اس کی آرائش ہوتی ہے۔

حضرت محمدؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے سیکھا بھی اور سکھایا بھی، صلح بھی کی اور لڑائی بھی کی، جیتے بھی اور ہارے بھی، اپنی دعوت کی کرنیں چار دانگ عالم میں پھیلا دیں اور اس کے لئے ہر ہر قدم پر جدوجہد کی، نہ ان کے لئے زمین کا کوئی قانون نرم پڑا، نہ زندگی کا کوئی قانون جھکا۔ بلکہ انہوں نے تو اس سے بھی زیادہ مشقت کی، جتنی ان کے دشمنوں نے اٹھائی اور اپنے خدا کی راہ میں بے نظیر قربانیاں دیں اور اس طرح تنازع للبقا کے میدان میں زیادہ لائق و فائق ثابت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سبق فیصلہ کن انداز میں پہلے ہی سکھا دیا تھا تاکہ یہ لوگ کسی معرکہ میں قدرت کی جانبداری کی توقع نہ کر بیٹھیں اور وہ خود بھی اس سے زیادہ پختہ رائے رکھتے تھے کہ اس طرح کی تمنائیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے:

واذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلوٰة فلتقم طائفة منهم معك وليأخذوا اسلحتهم فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم ولتات طائفة اخرى لم يصلوا فليصلوا معك وليأخذوا حذرهم واسلحتهم ود الذين كفروا لو تغفلون عن اسلحتكم وامتعتكم فيميلون عليكم ميلة واحدة ولا جناح عليكم ان كان بكم اذى من مطر او كنتم مرضىٰ ان تضعوا اسلحتكم وخذوا حذركم (النساء:۱۰۲)

اور اے نبی جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہو تو چاہیے کہ انمیں ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اپنے اسلحہ لئے رہے پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آکر تمہارے ساتھ پڑھے اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنے اسلحہ لئے رہے کیونکہ کفار اسی تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں مضائقہ نہیں مگر پھر بھی چوکنے رہو۔

Marfat.com

آپ نے دیکھا؟ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں موجودگی اور حالت نماز میں بھی کس طرح انتہائی چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ذمہ داری ڈالی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسی کوئی امید پیدا ہونے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ ان کی مدد کے لئے فرشتے نازل ہوں گے۔ اگر وہ خود اپنی خدمت نہیں کرتے تو پھر کوئی بھی ان کی خدمت نہیں کرے گا۔ یہ ہے خطاب اللہ تعالیٰ کا حضرت محمدؐ اور آپؐ کے صحابہؓ سے!

اور جب غزوۂ احد میں مسلمانوں نے اس سے ذرا سی غفلت برتی تو انہیں ایسا زبردست چانٹا پڑا کہ ان کے ستر بہادر کھیت رہے اور انہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا یہاں تک کہ اس وقت کفر کے سردار ابوسفیان نے ہبل کی سربلندی کا نعرہ لگا دیا۔

نبی اکرمؐ نے صورتحال کو بچانے اور درست کرنے کے لئے سخت جدوجہد کی اور اتنی جانثاری سے لڑتے ہوئے جمے رہے کہ خود آپؐ کے جسم مبارک پر زخم لگے اور آگے کے دندان مبارک شہید ہوگئے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ احد کے دن آپؐ کے آگے کے دندان مبارک ٹوٹ گئے اور سر میں شدید زخم لگا، آپؐ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ ایسی قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کردیا ہو اور اس کے دانت توڑ دیئے ہوئے ہوں، جبکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہو۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی:

لیس لك من الامر شئی او یتوب علیهم او یعذبهم فانهم ظالمون (آل عمران:۱۲۸)	(اے پیغمبر) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے چاہے سزادے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

کیا آپ کے خیال میں فتح کے اسباب میں کوتاہی کا نتیجہ سوائے شکست کے کچھ اور نکلا، کیا ہارنے والے سچی توحید کے نمائندے نہیں تھے۔ کیا جیتنے والے خالص بت پرستی کے علمبردار نہیں تھے؟

نبی اکرمؐ جب کسی جنگ کا ارادہ کرتے تو اسے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جنگ چال کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب ضروری قرار دیئے ہیں انہیں اختیار کرنے اور انسانی زندگی سے متعلق قوانین فطرت کی پابندی کے باوجود بعض قبائل

Marfat.com

نے آپؐ کو دھوکہ دیا اور بہترین پڑھے لکھے صحابہؓ کی ایک جماعت کو بلوا کر بئر معونہ میں قتل کر ڈالا اور اس کی خبر ان پرندوں سے معلوم ہوئی جو شہداء کے کٹے ہوئے اعضاء لے کر فضا میں چکر لگا رہے تھے۔

یہ لوگ جو غداری کا شکار ہوئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی محبوب تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ موقع نہیں دیا کہ وہ بغیر پر کے اڑ جاتا یا اس انجام سے بچ جاتا جیسا کہ آج کے پسماندہ ذہن مسلمان سمجھنے لگے ہیں۔

احتیاط اور چوکنا رہنا نبوت کی سنتوں میں سے ہے اور تیاری کرنا اور بھرپور جدوجہد کرنا انتہائی اہم سنتوں میں سے ہے۔ آپ کے خیال میں حضرت محمدؐ نے لوگوں پر فتح کس ذریعہ سے حاصل کی؟ آپؐ نے اپنے لوگوں کو ایمان کے ذریعہ اس طرح پختہ کر دیا تھا جیسے لوہا بھٹی کی دھیمی آنچ میں تپا کر کیا جاتا ہے۔ پھر جب آپؐ نے انہیں میدان میں اتارا تو وہ زوردار آندھی کی طرح چھا گئے۔

او کصیب من السماء فیه ظلمات ورعد وبرق یجعلون اصابعهم فی آذانهم من الصواعق حذر الموت واللہ محیط بالکافرین (البقرة:۱۹)

یا پھر ان کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہے اور اس کیساتھ اندھیری گھٹا اور کڑک اور چمک بھی ہے یہ بجلی کے کڑاکے سن کر اپنی جانوں کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے لیتے ہیں اور اللہ ان منکرین حق کو ہر طرف سے گھیرے میں لئے ہوئے ہے

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج کے مسلمان کرامتوں کے منتظر ہیں، وہ بھی ایسی دنیا میں، جو انہیں نیست و نابود کر دینے کے لئے اپنے دانت تیز کر چکی ہے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ لوگوں کو کچھ غیر معمولی صورتیں پیش آجایا کرتی ہیں لیکن ایسا مومن و کافر اور نیک و بد سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص پانی پر اس طرح چل کر دکھائے کہ اس کے پیر بھیگ نہ پائے ہوں تو بھی یہ اس کی بھلائی کی دلیل نہیں ہے بھلائی اور صلاح اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے بتائے ہوئے اعمال کے ساتھ مربوط ہے یہ غیر معمولی واقعات یا کرامتیں صرف تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ جو لوگ عجیب چیزوں کے شوقین ہیں، وہ ان میں دلچسپی لے سکتے ہیں۔ بظاہر ایمان اور ذمہ داری سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اس سے صرف وہ معجزات مستثنیٰ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی دلیل کے طور پر نازل کیا تھا۔ ان رسالتوں اور ان کے ساتھ کے معجزات کا زمانہ کافی

Marfat.com

پہلے گذر چکا۔ اب ان پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کی زندگی اور دعوت دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اسباب ومسببات کے قوانین کے مطابق منظم کیا تھا۔

☆☆☆

حضرت محمد ﷺ غیب نہیں جانتے تھے جیسے کوئی بھی انسان یہ نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے۔

قل لا املك لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء الله ولو كنت اعلم الغیب لا ستكثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یومنون (الاعراف:۱۸۸)

اے نبیؐ ان سے کہو کہ ”میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کے لئے جو میری بات مانیں۔

کبھی کبھی آپؐ کے قریب کوئی ایسا شخص بھی پہنچ جاتا تھا جو بظاہر خیر خواہ ہوتا تھا لیکن دل کے اندر دشمنی چھپائے ہوئے ہوتا۔

ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم (التوبة:۱۰۱)

اور خود مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں جو نفاق میں طاق ہو گئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔

قیامت کے دن آپؐ کے سامنے کچھ ایسے لوگ آئیں گے جنہیں آپؐ نے ایمان پر ثابت قدمی کی حالت میں چھوڑا تھا پھر بعد میں آزمائشوں نے ان کی قلعی کھول دی تب (جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت مئیں ہے) آپؐ حیرت سے فرمائیں گے۔

وكنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم فلما توفیتنی كنت انتِ الرقیب علیهم (المائدہ۱۱۷)

میں ان پر گواہ تھا جبتک ان کے درمیان تھا۔ جب تو نے مجھے واپس بلالیا تب تو ہی ان پر نگراں تھا

کبھی اللہ تعالیٰ آپؐ کو اپنی کسی خاص حکمت سے غیب کی بعض چیزیں بتادیتا تھا جیسے رومیوں کے ہاتھوں ایرانیوں کی شکست کی پیش گوئی قرآن میں آئی جبکہ اسی دوران رومیوں کو بھاری شکست ہو چکی تھی۔

کبھی بعض حدیثوں کے الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کو مستقبل میں پیش آنے والی کچھ باتوں کا علم تھا، جیسے حضرت عدیؓ بن حاتم کی روایت میں ہے کہ میں

Marfat.com

ایک بار نبی اکرمؐ کے پاس موجود تھا کہ ایک شخص آیا اور فقر و فاقہ کی شکایت کرنے لگا۔ پھر ایک اور شخص آیا اور راہزنی کی شکایت کرنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا: عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: دیکھا تو نہیں ہے لیکن اس کے بارے میں سنا ضرور ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر زندگی نے تمہارا ساتھ دیا تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے خدا کے اسے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ (حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ قبیلہ طے کے وہ راہزن کہاں ہوں گے جنہوں نے علاقوں کو پریشان کر رکھا ہے) آپؐ نے مزید فرمایا اور اگر زندگی نے تمہارا ساتھ دیا تو تم کسریٰ کے خزانے کھولو گے۔ میں نے عرض کیا: کسریٰ بن ہرمز؟ آپ نے فرمایا: ہاں کسریٰ بن ہرمز۔

حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عورت کو حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرتے دیکھ لیا کہ اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں تھا اور میں ان لوگوں میں شامل تھا، جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے کھولے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی حدیثیں غیب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اپنے پیغمبر کو دی جانے والی خبروں پر مبنی ہیں اور اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی تصدیق کرتی ہیں کہ مستقبل اسلام کا ہے اور یہ دین غالب آنے والا ہے۔ گویا آپؐ کی طرف سے اس آیت کی تشریح تھی کہ:

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله (الفتح:۲۸)	وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے۔
وعدالله الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ویمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا (النور:۵۵)	اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔

Marfat.com

بازاروں کا ماہر شخص ان کا جائزہ لینے کے بعد صحیح رائے دے دیتا ہے۔ انسانی نفسیات کے ماہر ایک سرسری نگاہ ڈال کر انسان کے بارے میں صحیح رائے قائم کر لیتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ دلوں کے حالات، دنیا کے طور طریقوں، زمانہ کی الٹ پھیر سابقہ مذاہب اور ان کے ماننے والوں کو درپیش حالات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ پھر اس پر رسولوں والی روشن عقل وذہانت اور واضح خدائی ہدایات۔ ظاہر ہے آپؐ اپنی دعوت اور اس کے علمبرداروں کو پیش آنی والی آزمائشوں وغیرہ کے سلسلے میں کتنے صحیح اندازے قائم کرتے ہوں گے۔ اسی لئے آپؐ نے فتنوں اور آزمائشوں کے بارے میں کافی گفتگو فرمائی ہے اور ان کا مقصد ان سے چوکنا رکھنا ہے۔ ان فتنوں میں سب سے خطرناک خود اسلامی تعلمات کو پیش آنے والا اضمحلال ہے۔

نماز اپنی روح (یعنی خشوع وخضوع) کھودے اور محض مرغ کی طرح چونچ مارنا رہ جائے ۔

جہاد سے اخلاص کی روح ختم ہو جائے اور اسے لوٹ مار اور لوگوں پر ظلم وستم کا ذریعہ بنا دیا جائے، پھر سرے سے جہاد ہی معدوم ہو جائے۔

روزہ محرومی پر صبر وثابت قدمی اور خواہش نفس کو کنٹرول میں رکھنے کی تربیت کے بجائے، کھانے پینے کی انواع واقسام کی تیاری اور مزید اخراجات کا ذریعہ بن جائے۔

حکومت عوام کی مرضی سے ان کی خدمت کے بجائے زبردستی ان پر تسلط کا نام ہو جائے اور پھر حاکم ومحکوم دونوں ایک ساتھ ضائع ہو جائیں۔

یہانتک کہ خود نبی اکرمؐ کے انتقال کے بعد آپؐ سے مسلمانوں کی محبت آپؐ کے روضہ مبارک کے اردگرد آہ وزاری اور لفظی اظہار محبت تک محدود ہو جائے۔

☆☆☆

مجھے جب مدینہ منورہ کی زیارت کا موقع ملا تو میرے دل میں جذبات امنڈ رہے تھے اور جب نبی اکرم ﷺ کے روضہ مبارک کے سامنے پہنچا تو ایسا لگ رہا تھا کہ عظمت کے سب سے بلند پہاڑ کے نیچے میرا وجود ایک چھوٹی گیند جیسا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سلام پیش کیا اور چپ چاپ

Marfat.com

پیچھے آ گیا۔ میں نے ایسے موقع پر دیکھا کہ بہت سے لوگ لمبی لمبی باتیں کر رہے ہیں، کوئی کتاب سے پڑھ رہا ہے۔ کوئی لمبا قصیدہ سنا رہا ہے، آوازیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں اور نمازیوں کی نماز میں خلل انداز ہو رہی ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

آخر یہ محبت کی کون سی شکل ہے؟

حضرت عروہؒ بن زبیر نے مدینہ منورہ سے دور ہٹ کر وادی عقیق میں مکان بنالیا تھا۔ لوگوں نے کہا آپ نے مسجد نبوی سے دوری اختیار کر لی، انہوں نے کہا میں نے جب دیکھا کہ تم لوگوں نے اپنی مسجدوں کو کھلونا، اپنے بازاروں کو لغویات کا مرکز اور اپنے محلوں کو برائیوں کا اڈہ بنالیا ہے تو مجھے ان حالات میں وہیں عافیت نظر آئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب انہیں برا بھلا کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا: اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ صرف یہ ہے کسی کو کوئی مصیبت پیش آئے تو لوگ خوشی مناتے ہیں اور کسی کو کوئی نعمت حاصل ہو تو اس پر حسد کرتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر اور عافیت طلب کرتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

باب ۔۲

پیدائش سے بعثت تک

حضرت محمد ﷺ ایک ایسے شریف و معزز خاندان میں پیدا ہوئے جس میں عربوں کی بہترین خصوصیات جمع تھیں اور جو ان کی برائیوں سے دور تھا۔خود نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی نسل والوں میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا، پھر کنانہ کی نسل والوں میں سے قریش کو منتخب فرمایا، پھر قریش والوں میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چنا (مسلم)

بہترین نسل سے انتساب کسی ناکام شخص کو کوئی فضیلت نہیں دے سکتا۔فولاد سے بہترین چیزیں اسی وقت بن سکتی ہیں جب ماہر کاریگر کا ہاتھ لگے۔

اسی لئے جب نبی اکرمؐ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: عربوں کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں۔آپؐ نے فرمایا: جو ان میں سے جاہلیت کے دور میں بہترین تھے وہی اسلام کے دور میں بھی بہترین ہیں، اگر ان میں سمجھ پیدا ہو جائے (بخاری)

حضرت محمد ﷺ ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جس کی اپنی ایک شان تھی اور یہ چیز ان اسباب میں سے ایک تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کی کامیابی کے لئے مہیا فرمائے تھے۔عرب معاشرہ شدید قبائلی تعصبات پر قائم تھا۔اپنی اور اپنے متعلقین کی عزت کے دفاع کے لئے یہ تعصبات قبیلہ کو فنا کے گھاٹ تک پہنچا دیتے تھے۔

اسلام ایک عرصہ تک ان روایات کے تحفظ میں رہا، یہاں تک کہ اس سے بے نیاز ہو گیا، جیسے کوئی درخت تناور ہونے کے بعد دیکھ بھال سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

حضرت لوطؑ نے اس طرح کے (قبائلی تحفظ) کی روایات کی تمنا کی تھی جب انہوں نے اپنے مہمانوں کے لئے خطرہ محسوس کیا تھا اور یہ دیکھا تھا کہ ان کے دفاع کے لئے کوئی طاقتور خاندان نہیں ہے۔

Marfat.com

فاتقوااللہ ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید (ھود:۷۸)
کچھ خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے مقابلے میں مجھے ذلیل نہ کرو کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں۔

پھر یہ بھی فرمایا:

لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید (ھود:۸۰)
کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہیں سیدھا کر دیتا یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا کہ اس کی پناہ لیتا۔

لیکن خاندانی شرافت وعزت کے ساتھ آپؑ کو کافی دولت نہیں ملی تھی اور یہ چیز بعض چیزوں میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ بڑے گھرانوں کو دولت ہی مائل کرتی ہے۔ اگر ان کے پاس یہ ہتھیار نہیں رہ جاتا اور بہترین روایات کے حامل ہوتے ہیں تو اپنے مرتبہ ومقام کے تحفظ کے لئے سخت جدوجہد کرتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی تنگدستی ظاہر کرتے رہتے ہیں لیکن عالی ہمت لوگ اسے چھپاتے ہیں۔ انہی میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب بھی تھے۔

حضرت عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے سردار تھے لیکن یہ سرداری انہی پر ختم ہوگئی، ان کی نسل میں آگے نہیں چل سکی۔ مکہ مکرمہ کی سرداری میں دوسرے لوگ بھی ان کے حریف تھے، چنانچہ بعد میں عبدشمس کے خاندان کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور ابوسفیان سرداری کرنے لگے، گویا بنی ہاشم کی سرداری ختم ہوگئی۔

حضرت عبداللہ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور انہیں ان کے دل میں خاص مقام حاصل تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت آمنہ بنت وہب سے ان کی شادی کر دی اور زندگی کے میدان میں جدوجہد کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ چنانچہ آپ شادی کے چند ہی مہینوں بعد رزق کی تلاش میں جدوجہد کے لئے شام کے سفر پر روانہ ہو گئے اور پھر واپس نہیں آسکے قافلہ آپ کی بیماری کی خبر لے کر آیا۔ پھر چند ہی دنوں بعد انتقال کی خبر آگئی۔

حضرت آمنہ اپنے نوجوان شوہر کا انتظار کر رہی تھیں کہ ان کا پرجوش خیر مقدم بھی کریں گی اور ان کے پیٹ میں دونوں کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے والا جو بچہ پرورش پانے لگا تھا اس کے بارے میں بھی بتائیں گی۔ لیکن قدرت نے ۔۔۔۔ کسی بڑی حکمت کی وجہ سے ۔۔۔۔ ان خوشگوار تمناؤں کا خاتمہ کر دیا، اور وہ بیوی، جس سے حسد کیا جارہا تھا، بیوہ ہوگئی۔

Marfat.com

اب خالی خوالی راتوں میں اس کی وحشت دور کرنے کا ذریعہ صرف متوقع بچہ تھا زہری کی روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو مدینہ منورہ سے کھجوریں لانے کے لئے بھیجا اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ قریش کے قافلہ کے ساتھ شام گئے تھے، وہاں سے واپسی میں مدینہ منورہ پہنچتے پہنچتے بیمار ہو گئے اور وہیں انتقال فرمایا ور نابغہ جعدی کے مکان میں دفن کئے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس برس تھی اور ابھی رسول اللہ ﷺ کی ولادت نہیں ہوئی تھی۔

حضرت محمدؐ کی ولادت مکہ مکرمہ میں معمول کے مطابق ہوئی۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی اسی لئے مورخین ولادت کا سال، مہینہ اور دن قطعیت کے ساتھ نہیں بتا پاتے۔ بیشتر روایتوں کے مطابق یہ واقعہ ۵۷۰ عیسوی (جس سال ابرہہ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تھا) کا ہے، یعنی ہجرت سے ۵۳ سال پہلے ۱۲ ربیع الاول کا۔

یوم ولادت کی تعیین اسلامی لحاظ سے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ برتھ ڈے کی تقریبات کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، یہ دنیوی روایت ہے۔

جو اس طرح کی روایت سننے میں آتی ہیں کہ آپؐ کی ولادت کے ساتھ کسریٰ کے محل کے ۱۴ کنگورے گر گئے اور آتشکدۂ ایران کی آگ ٹھنڈی ہوگئی وغیرہ، تو یہ سب ایک صحیح نظریہ کی غلط تعبیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت محمدؐ کی ولادت یقیناً (کسریٰ وقیصر کے) ظلم وستم کے دور کے خاتمہ کا اعلان تھا، جس طرح حضرت موسیٰؑ کی ولادت فرعون کے ظلم وستم کے دور کے خاتمہ کی علامت تھی۔

حضرت محمد ﷺ کی رسالت دنیا کو ذہنی ومادی آزادی دلانے والا تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب تھی۔ قرآن کا لشکر تاریخ کے سب سے زیادہ انصاف پرور لوگوں کا لشکر تھا، جنہوں نے یکے بعد دیگرے ظالم ومستبد حکمرانوں کی شان وشوکت توڑ ڈالی اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔

لوگوں نے جب اس حقیقت کی تصویر کشی کرنی چاہی تو اس طرح کی روایات کی طرف مائل ہوئے۔ جبکہ حضرت محمد ﷺ ان سب سے بے نیاز ہیں۔ حقیقت کی دنیا میں آپ کا زبردست ترین کردار اس طرح کی روایتوں سے ہمیں بے نیاز کر دیتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کی ولادت کا زبردست خیر مقدم کیا۔ غالباً اس شکل میں انہیں اس عزیز بیٹے کا بدل مل گیا تھا، جسے موت کے پنجوں نے عین ایام شباب میں ان سے چھین لیا تھا۔ چنانچہ ان کے سارے جذبات اس نو وارد بچے کی طرف منتقل ہو گئے۔

یہ بھی عجیب توفیق الٰہی ہے کہ (ساتویں دن ختنہ کے بعد) حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کا نام محمد رکھا۔ یہ نام عربوں میں رائج نہیں تھا اس لئے انہوں نے حضرت عبدالمطلب سے نیا نام رکھنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں اس کی تعریف کرے اور مخلوق زمین میں۔ گویا یہ کوئی غیبی اشارہ تھا۔ ظاہر ہے مخلوق خدا میں حضرت محمدؐ سے زیادہ حمد وستائش کے لائق اور کون ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں حیرت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی لعنت و مذمت کیسے مجھ سے پھیر دی؟ وہ مُذمَّم کو برا بھلا کہتے ہیں جبکہ میرا نام محمد ہے (بخاری) (قریش آپ کا نام محمد لینے کے بجائے فرط عداوت سے مذمم (قابل مذمت) لینے لگے تھے۔)

لیکن مشفق دادا کی ساری گرمجوشی کے باوجود یہ سنگین حقیقت اپنی جگہ تھی کہ حضرت محمدؐ یتیم تھے اور آپ کی ولادت سے پہلے آپؐ کے والد دنیا چھوڑ چکے تھے۔ فرض کر لیجئے حضرت عبداللہ زندہ بھی ہوتے تو اپنے بیٹے کے لئے کیا کرتے؟ کیا نبوت کے لئے ان کی تربیت کرتے؟ یہ ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ بچے کے مستقبل میں جو مختلف عناصر اثر انداز ہوتے ہیں باپ ان میں سے ایک ہے۔ اگر نبوت کسبی (یعنی کوشش ومحنت سے حاصل ہونے والی) ہوتی تب بھی والد بیٹے کو نہیں دے سکتا تھا، پھر یہ تو سراسر انتخاب الٰہی سے تعلق رکھتی ہے۔

حضرت یعقوبؑ زندہ تھے۔ اپنے بڑھاپے، تجربے اور حکمت بلکہ نبوت کے ساتھ۔ انہوں نے ایک دن دیکھا تو حضرت یوسفؑ کو نہیں پایا، وہ بالکل کچی عمر میں گم ہو گئے تھے۔ اپنے ماحول کی خرابی کے باوجود حضرت یوسف کا دل پاکیزہ و پرہیزگار تھا جیسے تاریک رات میں کوئی شمع جل رہی ہو، جب ایک عرصہ کے بعد بیٹا باپ سے ملا تو

Marfat.com

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے کو نبی پایا۔

حضرت عبداللہ اپنے بیٹے کو یتیم چھوڑ کر چلے گئے لیکن یہ یتیم بچہ شروع ہی سے کسی بڑی مہم کے لئے تیار کیا جا رہا تھا، اسے تو چنیدہ و برگزیدہ شخصیتوں کا امام ہونا تھا باپ دادا، دور و نزدیک کے لوگ اور زمین و آسمان سب کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو پورا کرنے اور اس کی نعمت مقررہ شخص تک پہنچانے کے لئے ذرائع ہی تو ہوتے ہیں۔

☆☆☆

حضرت آمنہ اپنے بیٹے پر شفقت بھری نگاہوں کے ساتھ دیہات سے آنے والی دائیوں کا انتظار کر رہی تھیں، جو معزز گھرانوں کے بچوں کو اپنے یہاں لے جا کر پرورش کرتی تھیں۔ دیہاتی عورتیں یہ کام آمدنی کے لئے کرتی تھیں۔ حضرت محمدؐ کے والد تو زندہ تھے نہیں کہ ان سے نوازشوں کی توقع کی جاتی، نہ آپؐ کے گھر میں مال و دولت کی فراوانی ہی تھی۔ لہذا دائیاں آپؐ سے بے نیازی دکھا رہی تھیں۔

قبیلہ بنی سعد کی دائی حلیمہ بنت ابو ذویب بھی آمدنی کے لئے کوئی بچہ تلاش کرنے مکہ مکرمہ آئی تھیں۔ پہلے تو ایک یتیم بچہ کی طرف مائل نہیں ہوئیں، لیکن جب کوئی اور بچہ نہیں ملا اور خالی ہاتھ لوٹنے میں شرم آئی تو واپس آ کر حضرت آمنہ سے حضرت محمد کو لے لیا۔ بس پھر کیا تھا، برکتوں کی بارش شروع ہو گئی۔ کئی برس سے خشک سالی چل رہی تھی، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دودھ والے جانوروں کے تھن بھر گئے۔ حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر اور لڑکے نے محسوس کیا کہ مکہ مکرمہ سے ان کی واپسی خیر و برکت کے ساتھ ہوئی ہے، نہ کہ غربت و فقر کے ساتھ، اس چیز نے بچہ سے ان کے تعلق و اعزاز کو مزید بڑھا دیا۔

دیہات کے فطری ماحول میں بچوں کی نشو و نما جسم کی پرورش و پرداخت اور ذہن و شعور کی بالیدگی کے لئے زیادہ معاون ہے۔ یہ تو ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے بچے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ایسے تنگ فلیٹوں میں زندگی گذاریں جو دلوں کی طرح ان میں رہنے والوں کو بند کر لیتے ہوں اور صاف ہوا سے بھرپور گہری سانسیں لینے سے بھی محروم کر دیتے ہوں۔

بلاشبہ جدید تہذیب کے ساتھ اعصاب میں جو کشیدگی پیدا ہوئی ہے اس میں

Marfat.com

دیگر اسباب کے ساتھ فطرت سے دوری اور مصنوعی زندگی بھی ہے۔ یہ بات کتنی اچھی تھی کہ اہل مکہ مکرمہ اپنے بچوں کو کھلے وسیع میدانوں میں نشوونما کے لئے دیہات بھیج دیتے تھے۔ کتنے ماہرین تربیت آرزو کرتے ہیں کہ بچے کی پرورش و پرداخت سب سے پہلے فطرت کی گود ہی میں ہونی چاہئے۔

شق صدر

حضرت محمدؐ بنی سعد میں پانچ برس رہے۔ اس دوران آپؐ کی جسمانی نشوونما بخوبی ہوئی۔ بچپن کی اس عمر میں توقع نہیں کی جاتی کہ کوئی قابل ذکر واقعہ نمودار ہوگا لیکن صحیح حدیثوں میں ایک واقعہ کا ریکارڈ ملتا ہے، جسے شق صدر (سینہ چاک کرنے) کا واقعہ کہتے ہیں۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبرئیل آئے، انہوں نے آپؐ کو پکڑ کر لٹایا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا پھر اس سے ایک (علقہ) نکال دیا اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا۔ پھر دل کو سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا پھر واپس اس کی جگہ رکھ کر سینہ سل کر برابر کر دیا۔ بچے دوڑے ہوئے آپؐ کی ماں (یعنی دائی) کے پاس گئے اور کہا کہ محمدؐ کو قتل کر دیا گیا۔ وہ لوگ جب وہاں پہنچے تو دیکھا آپ کا رنگ زرد تھا (مسلم)

یہ واقعہ جس نے حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر کو خوفزدہ کر دیا تھا، اس وقت ایک بار دہرایا گیا جب حضرت محمدؐ پچاس برس کی عمر پار کر چکے تھے۔ حضرت مالکؓ بن صعصعہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے معراج کی رات کے بارے میں بتایا کہ میں حطیم (یا حجر بتایا) میں لیٹا ہوا خواب و بیداری کی حالت میں تھا کہ کوئی آیا اور میرا سینہ چاک کر کے میرا دل نکال لیا پھر سونے کا طشت ایمان سے بھرا ہوا لایا گیا پھر میرے دل کو دھو کر بھر دیا گیا پھر اسے اپنی جگہ واپس رکھ دیا گیا۔ (بخاری)

ان روایات سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ حضرت محمدؐ جیسے ممتاز شخص کو عنایت الٰہی ان وسوسوں کا نشانہ بننے کے لئے نہیں چھوڑ سکتی تھی، جو سارے لوگوں کو پیش آیا کرتے ہیں جب لوگوں کے دل وسوسوں کی طرف مائل ہوتے ہیں تو انبیائے کرامؑ کے دل ان سے دور رہتے ہیں۔ اس لئے کہ رسولوں کی جدوجہد برائیوں سے عام لوگوں کو پاک

Marfat.com

کرنے پر متوجہ رہتی ہے، نہ کہ خود اپنے آپ کو پاک کرنے، پر کہ اللہ تعالیٰ انہیں پہلے ہی سے پاک رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے فرشتوں میں سے ایک ہمہ وقتی ساتھی اور جنوں میں سے ایک ہمہ وقتی ساتھی نہ دیا گیا ہو۔ لوگوں نے عرض کیا: اور آپ یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا میں بھی اس میں شامل ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور وہ جن مسلمان ہو گیا اور صرف بھلائی کی ہدایت کرتا ہے (مسلم)

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسولؐ اللہ نے ان سے فرمایا کیا تمہیں غیرت آ گئی؟ انہوں نے عرض کیا: میرے جیسا آپ جیسے کے بارے میں غیرت میں کیوں نہ پڑے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس تمہارا شیطان آ گیا ہے انہوں نے عرض کیا: کیا میرے ساتھ کوئی شیطان بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: کوئی ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ شیطان نہ ہو۔ انہوں نے عرض کیا: اور آپ کے ساتھ؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی، مگر اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور وہ اسلام لایا، یعنی مطیع وفرمانبردار ہو گیا، اب برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا (مسلم)

غالباً شق صدر سے متعلق یہ روایتیں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے آپؐ کو انسانی طبیعت اور زندگی کے فتنوں سے محفوظ رکھنے کے انتظامات فرما دیے تھے۔ سنت میں بہت سے الفاظ اس طرح استعمال ہوئے ہیں جن کو سمجھنے کے لئے حقیقت ومجاز کے اسلوبوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو لیجئے کہ آپؐ کی بیگمات میں سے کسی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کون آپ سے سب سے پہلے ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں سے جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا بیگمات اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ پھر جب آپؐ کے بعد سب سے پہلے حضرتؓ سودہؓ کا انتقال ہوا، تب سب نے جانا کہ ہاتھ کی لمبائی کا مطلب صدقہ وخیرات کی کثرت تھی۔ حضرت سودہؓ کثرت سے صدقہ دیا کرتی تھیں (بخاری)

دیہات میں کئی خوشگوار برس گذارنے کے بعد آپ مکہ مکرمہ واپس آ گئے، جہاں مشفق ماں شدت سے آپؐ کا انتظار کر رہی تھیں اور پروقار دادا آپ میں اس بیٹے کا بدل

Marfat.com

تلاش کر رہے تھے، جو عین عالم شباب میں داغ مفارقت دے گئے تھے۔ لیکن زمانہ نے یکے بعد دیگرے ان دونوں مشفق ہستیوں سے بھی آپؐ کو محروم کرنا شروع کر دیا۔

حضرت آمنہؓ نے اپنے مرحوم شوہر کی (یثرب میں واقع) قبر کی زیارت کا فیصلہ کیا اور اپنے پیارے بیٹے (حضرت محمدؐ) اور خادمہ ام ایمن کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک پانچ سو کیلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔ حضرت عبداللہ کا انتقال کسی اجنبی جگہ نہیں ہوا تھا بلکہ اپنے ننھیال (بنی نجار) میں ہوا تھا۔ ابن اثیر کی روایت کے مطابق جناب ہاشم تجارت کے لئے شام جا رہے تھے، راستے میں مدینہ منورہ میں عمرو بن لبید خزرجی کے یہاں رکے، جہاں ان کی لڑکی سلمیٰ سے شادی ہوگئی۔ یہ شادی اس شرط پر ہوئی تھی کہ کوئی بچہ پیدا ہوگا تو ننھیال ہی میں ہوگا۔ پھر ہاشم شام چلے گئے اور واپسی میں اپنی اہلیہ کو لے کر مکہ مکرمہ آگئے پھر جب ولادت کا وقت آنے لگا تو انہیں مدینہ منورہ لے گئے اور وہاں سے شام چلے گئے۔ راستے میں غزہ کے مقام پر ان کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے کچھ عرصہ بعد جناب عبدالمطلب پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں سات برس تک رہے۔

حضرت محمدؐ اپنے ماموؤں کے پاس اپنے والد کے قبر کے نزدیک تقریباً ایک مہینہ تک رہے پھر مکہ مکرمہ واپسی شروع ہوئی۔ راستے میں والدہ محترمہ بیمار پڑ گئیں اور ابواء کے مقام پر اپنے پیارے بیٹے کو خادمہ کے پاس چھوڑ کر انتقال فرما گئیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر پانچ برس کی تھی۔

اس نئی مصیبت نے پرانے زخموں کو تازہ کر دیا اور حضرت عبدالمطلب کے دل میں اپنے عزیز پوتے کے لئے محبت وشفقت اور بڑھ گئی۔ وہ آپؐ کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتے تھے بلکہ اپنی عام مجلسوں میں بھی ساتھ رکھتے تھے۔ کعبہ شریف کے پاس جب آپ کی مجلس لگتی تھی اور مکہ مکرمہ کے بزرگ آپ کے اردگرد بیٹھتے تھے تو حضرت عبدالمطلب آپ کو اپنے قریب کئے رہتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو عمر ایک سو بیس (۱۲۰) برس ہو چکی تھی اور حضرت محمدؐ آٹھ برس کے تھے انتقال سے پہلے انہوں نے آپ کی ذمے داری چچا ابو طالب کے سپرد کر دی۔

حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے کا حق بہترین طریقے سے ادا کیا۔ اپنے

Marfat.com

بیٹوں پر آپ کو ترجیح دیتے تھے اور خاص قدردانی فرماتے تھے۔ چالیس برس تک جناب ابوطالب آپ کی سرپرستی اور حمایت وحفاظت فرماتے رہے اور آپؐ کے لئے دوستی ودشمنی مول لیتے رہے۔

چچا کے گھر میں حضرت محمدؐ کی پرورش ہوتی رہی یہانتک کہ آپؐ میں گہرا شعور پیدا ہو گیا۔ آپ نے ضد فرمائی کہ زندگی کے آلام ومسائل میں چچا کا ہاتھ بٹائیں۔ حضرت ابوطالب کثرت اولاد کے ساتھ کم دولت والے تھے۔ جب انہوں نے باپ دادا کے طریقے کے مطابق تجارتی قافلے میں شام جانے کا فیصلہ کیا تو آپؐ کو بھی ساتھ لے گئے۔ تب آپ کی عمر ۱۲ برس تھی۔

بحیرا راہب

اس سفر کے بارے میں صحیح روایات نہیں ملتیں۔ سفر بلاشبہ جانکاری کے لئے بڑے ذرائع میں سے ہے اور اس کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اور حضرت محمدؐ جیسے شفاف دل ودماغ والا شخص سفر وحضر میں جو کچھ دیکھے گا اس سے عبرت ضرور حاصل کرے گا۔ تاہم یہ بات قطعی ہے کہ آپؐ کسی دین ونظریہ کے مطالعہ کے لئے باہر نہیں نکلے تھے اور نہ آپؐ کو کوئی ایسا ملا تھا جو اس سلسلے میں آپؐ سے گفتگو کرتا۔ تاریخ کی کتابوں میں بعض غیر معمولی باتوں کا ذکر ملتا ہے۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ کی بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی جس نے آپؐ میں نبوت کی علامتیں محسوس کر لی تھیں اور جب جناب ابوطالب سے دریافت کیا کہ یہ لڑکا آپ کا کون ہے اور انہوں نے جواب دیا میرا بیٹا ہے تو اس نے کہا کہ اس کا باپ زندہ نہیں ہونا چاہئے۔ تب انہوں نے کہا کہ اس کے والد اس کی ولادت سے پہلے انتقال کر چکے ہیں۔ بحیرا راہب نے کہا آپ نے سچ کہا، آپ اپنے وطن لوٹ جایئے اور اس کے سلسلے میں یہودیوں سے ہوشیار رہئے۔

ہوسکتا ہے یہ واقعہ صحیح ہو کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ایک نبی کے آنے کی بشارت عیسائیوں کی کتاب مقدس میں موجود ہے۔ اور وہ حضرت محمدؐ کی تکذیب کے بعد سے اس نبی کا انتظار کر رہے ہیں، جو کبھی نہیں آئے گا، کیونکہ وہ تو آہی چکا ہے۔

بہرحال اس واقعہ کا بعد میں کوئی اثر نظر نہیں آتا، نہ حضرت محمدؐ نے نے نبوت کی توقع یا اس کے لئے تیاری شروع کی۔ نہ اہل قافلہ نے بعد میں اس واقعہ کو پھیلایا، اور

Marfat.com

اس طرح بھول گئے جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں تھا۔

پر مشقت زندگی

حضرت محمد ﷺ اس تجارتی سفر سے لوٹے اور اپنے چچا کے ساتھ پر مشقت زندگی پھر شروع کر دی۔ یہ مردوں کی شان نہیں ہے کہ وہ بیٹھ رہیں۔ آپؐ سے پہلے بھی انبیائے کرام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے رہے ہیں اور مختلف پیشے اختیار کرتے رہے ہیں آپؐ نے شروع میں بکریاں چرائیں۔ بخاری میں روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ''میں چند سکوں کے بدلے اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا''۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ بہت سے انبیاء نے بکریاں چرائی ہیں۔ کہیں ایسا اس لئے تو نہیں ہوا کہ انہیں عوام کی رہنمائی، کمزوروں کے ساتھ نرمی اور ان کی حفاظت کے لئے جاگتے رہنے کی عادت ڈالی جائے۔؟

آپؐ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا کائنات وماورائے کائنات سے متعلق علوم وحقائق انبیاء کے دلوں میں بغیر دانشمندانہ تیاری کے اچانک ابل پڑتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ انبیاء نے اگرچہ ان طریقوں سے نہیں سیکھا جن سے ہم جیسے لوگ سیکھتے ہیں، لیکن ان کے فکر ونظر کی سلامتی واستقامت انہیں علماء کی اگلی صف میں پہنچا دیتی ہے

جس علم سے انسان سربلند ہوتا ہے وہ کیا ہے؟ کیا وہ اسباق کو یاد کرنا اور قواعد وقوانین کا احاطہ کر لینا ہے؟ بہت سے طوطے ہوتے ہیں جو جو کچھ بھی سنتے ہیں بغیر سمجھے دہرانے لگتے ہیں۔ آپ نے چھوٹے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ سکھانے سے مشہور ترین رہنماؤں کی دانشمندانہ تقریروں کو ازبر کر لیتے ہیں۔

لیکن ان رہنماؤں کے شہ پارے یاد کر لینے سے بچے مردانِ کار نہیں بن جاتے، نہ طوطے انسان ہو جاتے ہیں۔

آپ کو ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جو بات کو یاد بھی رکھتے ہیں اور سمجھ بھی لیتے ہیں اور بحث ومباحثہ کر کے غالب بھی آجاتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں علم کی حالت ویسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے پتھر کی نامعلوم چٹانوں میں سونے کی رگوں کی ہو، جن سے کوئی نفع نقصان نہیں ہوتا۔

قرآن کریم نے یہودی علماء کو، جو توریت کا علم رکھتے ہوئے اس کے مطابق

Marfat.com

اپنے آپ کو نہیں ڈھالتے، گدھوں کے مشابہ قرار دیا ہے:

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا (الجمعۃ:۵)

جن لوگوں کو توراہ کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا انکی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔

ایسی طبیعتیں علم سیکھ کر بھی سدھرتی نہیں، بلکہ علم کو بھی رسوا کر دیتی ہیں۔

پھر خرافات پسند لوگ حقائق کے سلسلے میں بھی غلطیاں کرتے ہیں، جیسے ان کی عقلوں کا ایک پلڑا بلاوجہ جھک جائے۔ ایسے لوگ محال چیزوں کو پسند وقبول کرتے ہیں اور حقائق کو ناپسند ومسترد کرتے ہیں۔

ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو ایک مسئلہ پر بیس بیس برس تک غور کرتے رہتے ہیں، پھر بھی مسئلہ ان کے ذہن میں صاف نہیں ہوتا، جبکہ وہی مسئلہ کسی سلیم الفطرت اور صاف ذہن کے ان پڑھ آدمی پر پیش کیا جائے تو فوراً ہی سمجھ لیتا ہے۔ گویا ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی ذہنی کجی کو بیس برس کی تعلیم اور بحث ومباحثہ بھی درست نہیں کرسکتا جبکہ ایک سلیم العقل شخص اپنی فطری صلاحیت سے مقصد کو پالیتا ہے۔

حضرت محمدؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یقین ہے کہ آپ فکر کی درستگی اور پختہ نظری میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ بکریاں چرانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور تجارت کا پیشہ اختیار کرنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، آپ غفلت زدہ وبدمست لوگوں کے درمیان بیدار قلب ونظر رکھتے تھے۔

جزیرہ عرب کی فضا بھی ایسی ہے کہ وہ غفلت زدہ کی غفلت اور بیدار کی بیداری کو جلا بخشتی ہے جیسے سورج کی کرنیں پھولوں اور کانٹوں دونوں کی افزائش کرتی ہیں۔

حضرت محمدؐ کم آبادی اور پھیلے ہوئے ریتیلے صحراؤں میں دن رات خاموشی اختیار کر کے زیادہ غور وفکر کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں آپؐ کے قلب ودماغ میں جو بلندی پیدا ہوئی وہ یقیناً علم کو یاد کرنے یا تمیز کے بغیر سمجھنے سے بہتر تھی۔ اوہام پرستوں کے مقابلے میں کائنات اور زندگی کے حقائق کا احترام آپؐ کے یہاں کہیں زیادہ ملتا ہے اور خود قدرت بھی آپؐ کے اسی رخ کی حفاظت کر رہی تھی۔

ابن اثیر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاہلیت میں لوگ جو کچھ کیا

Marfat.com

کرتے تھے میں نے صرف دو بار اس طرح کا ارادہ کیا لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ میرے اور اس چیز کے درمیان حائل ہوگیا، پھر میں نے اس طرح کا ارادہ ہی نہیں کیا، یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت سے معزز فرمایا۔ مکہ کی پہاڑیوں میں جو لڑکا میرے ساتھ بکریاں چراتا تھا، میں نے ایک رات اس سے کہا کہ اگر تم میری بکریاں دیکھتے رہتے تو میں بھی مکہ جاکر اس طرح کی گپ بازی میں شریک ہوآتا جیسی نوجوان کیا کرتے ہیں اس نے کہا: میں کردوں گا۔ تب میں نکلا، جب میں مکہ کے پہلے گھر کے پاس پہنچا تو میں نے باجے کی آواز سنی، میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا: فلاں شخص کی فلاں عورت کی ساتھ شادی ہورہی ہے۔ میں بیٹھ کر سننے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے کان بند کر دیے اور میں سو گیا، یہانتک کہ سورج کی حرارت ہی سے میری آنکھ کھلی اور میں اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آیا۔ اس نے پوچھا تو میں نے پوری بات بتادی۔ پھر ایک دوسری رات میں بھی میں نے اس سے یہی کہا اور مکہ میں داخل ہوا تو پہلی والی رات جیسا معاملہ پھر پیش آیا۔ اس کے بعد میں نے کبھی اس طرح کا ارادہ نہیں کیا (حاکم)

☆☆☆

تعلیم کے مختلف مراحل عقل کو سنوارنے اور اس کی صلاحیتوں کو بڑھانے نیز کائنات، زندگی اور مخلوقات کے تعلق سے اس کے نقطۂ نگاہ کو درست کرنے کی مسلسل جد وجہد کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جو تعلیم بھی یہ مقصد پورا نہ کرے وہ نا قابل لحاظ ہے، چاہے اس سے کتنی ہی ڈگریاں اور سرٹیفکٹ مل جائیں۔ اس سے کہیں زیادہ بہتر اور منزل مقصود تک پہنچانے والی بات یہ ہوگی کہ انسان کو بہترین ذہانت اور خالص فکر ونظر حاصل ہو جس سے وہ مقصد تک پہنچ سکے۔

قرآن کریم ان صفات میں حضرت ابراہیمؑ کے حصہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے

ولقد آتینا ابراهیم رشده من قبل وکنا به عالمین. اذ قال لابیه وقومه ما هٰذه التماثیل التی انتم لها عاکفون (الانبیاء: ٥١۔٥٢)	اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے یاد کرو وہ موقع جبکہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہورہے ہو“

حضرت محمدؐ بھی اس معاملہ میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ ہی کی طرح

Marfat.com

تھے۔آپؐ نے اپنے دور کے کسی راہب، کاہن یا فلسفی سے علم حاصل نہیں کیا تھا، بلکہ اپنی شفاف فطرت اور زرخیز عقل سے سیکھا تھا۔آپؐ نے زندگی کے مسائل، لوگوں کے معاملات اور مختلف گروہوں کے حالات کا مطالعہ کیا تو جو چیزیں اوہام وخرافات لگیں ان سے دوری اختیار کر لی اور پورے شعور واحساس کے ساتھ لوگوں کے ساتھ سلوک کیا۔اگر کوئی چیز اچھی پائی تو ممکن حد تک اس میں حصہ لیا ورنہ اپنے گوشۂ عافیت میں رہ کر آسمان وزمین میں قدرت کے عجائب پر غور وفکر کرتے رہے۔یہ چیز ان علوم سے زیادہ بہتر تھی جو جہل مرکب سے زیادہ مشابہ تھے اور اس معاشرے سے زیادہ بہتر تھی جو صدیوں سے ہدایت دینے والوں سے محروم تھا اور جس کی گمراہیاں دن بدن مزید بڑھتی جا رہی تھیں۔

آپؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ آپ کی قوم جو عام کام کرتی ہے ان میں شریک ہونے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ آپؐ نے اپنے اہل خاندان وقبیلہ کے ساتھ ''حرب الفجار'' اور پھر حلف الفضول میں شرکت فرمائی۔

حرب فجار

فجار کی جنگ، قریش کے تعلق سے، مقدس مہینوں اور حرم شریف کی سرزمین کی حرمت کے دفاع کے لئے تھی۔یہ شعار دین ابراہیمی کے ان بچے کھچے شعاروں میں سے تھا جن کا عرب احترام کرتے تھے اور اس احترام سے انہیں بہت فائدہ بھی پہنچتا تھا اور ان کی مصلحتوں کی تکمیل اور باہمی دشمنی ٹھنڈی پڑنے میں بھی مدد ملتی تھی۔اس مدت کے دوران انسان اپنے باپ کے قاتل کو بھی پا جاتا تھا تو اس سے، مذکورہ چیزوں کے تقدس کے خیال سے، انتقام نہیں لے سکتا تھا۔اسلام آیا تو حضرت ابراہیمؑ کے دین کے ان موروثی اثرات کو باقی رکھا۔

ان عدة الشهور عندالله اثناعشر شهرا فی كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها أربعة حرم ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن انفسكم (التوبہ:٣٦)

حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اللہ کے نوشتے میں بارہ ہی ہے اور ان میں سے چار مہینے حرام ہیں یہی ٹھیک ضابطہ ہے لہٰذا ان چار مہینوں میں تم اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

لیکن اہل جاہلیت میں کچھ لوگ کچھ ہی دنوں کے بعد ان حرمتوں کو پامال کرنے لگے اور ان مہینوں میں جنگ کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے لگے۔فجار کی جنگ اس ظالمانہ

Marfat.com

طرزِ عمل کے آثار میں سے تھی۔ یہ جنگ چار برس تک چلتی رہی۔ حضرت محمدؐ اس جنگ کے دوران پندرہ سے انیس برس کی عمر کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے لڑنے والوں کی مدد کی تھی۔

حلف الفضول

حلف الفضول (یعنی فضائل والا معاہدہ) اس بات کی علامت تھی کہ زندگی کے حالات پر جتنی سیاہی بھی چھا جائے اور برائیاں کتنی ہی پھیل جائیں دنیا ایسے لوگوں سے بالکل خالی نہیں ہو سکتی جن کے دلوں میں شرافت اور نیکی کے جذبات موجیں لے رہے ہوں۔

جاہلیت کے دور میں چند نیک لوگ اٹھے اور انہوں نے باہم یہ معاہدہ کیا کہ انصاف قائم کریں گے، مظالم کی روک تھام کریں گے اور سرزمین حرم میں بھلائی اور انصاف کے مٹے ہوئے اثرات کو زندہ کریں گے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں ''پھر قریش کے کچھ قبیلے اس معاہدے میں دلچسپی لینے لگے چنانچہ ایک بزرگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھا ہو کر انہوں نے معاہدہ کیا۔ اس میں بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد، زہرہ بن کلاب اور تیم بن مرّہ شامل تھے۔ معاہدہ اس بات پر ہوا کہ مکہ مکرمہ میں جو بھی مظلوم ملا، چاہے وہ مقامی ہو یا کہیں باہر سے آیا ہوا، اگر اس پر ظلم ہو رہا ہو گا، تو وہ لوگ ظالم کے خلاف اس کا ساتھ دیں گے، یہانتک کہ ظلم کا ازالہ ہو جائے۔ قریش نے اسے حلف الفضول کا نام دیا۔ بعثت کے بعد بھی رسولؐ اللہ فرماتے تھے کہ میں اپنے چچاؤں کے ساتھ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک معاہدہ میں شریک ہوا تھا، اس کے بدلے میں سرخ اونٹ لینا بھی پسند نہیں کروں گا اور اگر اسلام کے آنے کے بعد بھی اس طرح کے معاہدے کے لئے مجھے بلایا جائے تو میں اسے قبول کروں گا (ابن اسحٰق)

رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سے خوشی اور مسرت صاف جھلک رہی ہے۔ ظالم چاہے جتنا طاقتور ہو اس کی مزاحمت اور مظلوم چاہے جتنا کمزور ہو اس کی حمایت ہی اسلام کی روح ہے۔ جو بھلائی کا حکم دینے، برائی کی روک تھام اور اللہ تعالیٰ کی مقرر حدود پر

Marfat.com

رک جانے کی ہدایت دیتا ہے۔ یہ اسلام کا کردار ہے کہ وہ افراد کے درمیان تعلقات میں اور قوموں کی سیاست میں سرکشی کی مخالفت کرے۔

کہا جاتا ہے کہ اس معاہدہ کا سبب یہ بنا کہ بنی زبید کا ایک شخص کچھ سامان تجارت لے کر آیا اسے عاصی بن وائل سہمی نے خرید لیا پھر قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے قریش کے قبیلوں اور ان کے حلیفوں سے مدد چاہی لیکن کسی نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ تب وہ غریب مظلوم کعبہ کے پاس کھڑا ہو کر اشعار میں فریاد کرنے لگا، جسے سن کر جناب زبیر بن عبدالمطلب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اسے یوں ہی نہیں چھوڑا جا سکتا، پھر چند اور لوگوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد عاصی بن وائل کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا حق دلایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عاصی کی اس طرح کی عادت بن چکی تھی۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت خبابؓ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا، جو ایک غلام تھے۔ انہوں نے عاصی کے لئے ایک تلوار بنائی اور اسے عاصی کے پاس لے گئے۔ عاصی نے کہا میں اس کی قیمت تبھی دوں گا جب تم (حضرت) محمدؐ کا انکار کرو۔ حضرت خبابؓ نے کہا انکار تو میں کر نہیں سکتا یہاںتک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں موت دے کر پھر اٹھا دے۔ عاصی نے کہا: کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: تب چھوڑ دو، یہاںتک کہ میں مر جاؤں پھر دوبارہ اٹھوں اور مال و اولاد ملے، تب تمہیں تلوار کی قیمت دے دوں گا۔ قرآن کی ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

افرأيت الذى كفر بآياتنا وقال لاوتين مالا لو اطلع الغيب ام اتخذ عندالرحمن عهدا. كلا سنكتب مايقول ونمدله من العذاب مدا ونرثه مايقول ويأتينا فردا (مریم: ۷۷۔۸۰)

پھر تو نے دیکھا اس شخص کو جو ہماری آیات کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مال اور اولاد سے نوازا ہی جاتا رہوں گا؟ کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا ہے یا اس نے رحمان سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ہرگز نہیں جو کچھ یہ بکتا ہے اسے ہم لکھ لیں گے اور اس کے لئے سزا میں اور زیادہ اضافہ کریں گے جس سروسامان اور لاؤ لشکر کا یہ ذکر کر رہا ہے وہ سب ہمارے پاس رہ جائے گا اور یہ اکیلا ہمارے سامنے حاضر ہوگا۔

Marfat.com

تجارت وسیاست کے میدان میں عاصی جیسے لوگوں کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں اور حضرت محمد ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی مخالفت کریں اور جو لوگ ان کے خلاف مددگار ہوں اور ان کی مخالفت پر کمر باندھیں وہی لوگوں میں سب سے زیادہ حضرت محمد کی قربت کے حقدار ہیں۔

سرگرمیاں

جب فجار کی جنگ ختم ہوئی اور حلف الفضول نامی معاہدہ ہوا، حضرت محمدؐ اپنی عمر کے تیسرے دور میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ عمر پرجوش نوجوانی، پرزور خواہشات اور بڑے حوصلوں کی ہوتی ہے۔ حضرت محمدؐ بلند مرتبہ، طاقتور بدن اور بلند ہمت والے تھے آپؐ کی زبردست طاقت تو چالیس سال کی عمر کے بعد بھی نمایاں تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا، گویا آپؐ کے چہرے سے سورج جلوے بکھیر رہا ہو۔ نہ آپؐ سے زیادہ کسی کو تیز چلتے پایا، گویا زمین آپؐ کے لئے لپیٹی جا رہی ہو۔ ہم لوگ جب آپؐ کے ساتھ چلتے تھے تو اپنے آپ کو تھکا مارتے تھے، جبکہ آپؐ پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

اس طرح کے شخص پر زندگی خود متوجہ ہوتی ہے۔ لیکن حضرت محمدؐ پر کبھی عارضی طور پر بھی کسی خواہش نفس کا غلبہ نہیں ہوا۔ نہ آپؐ نے جاہ ومنصب یا دولت وثروت کے حصول کے لئے کوئی مہم جوئی کی۔ اس کے برخلاف آپؐ مکہ مکرمہ میں اپنے ہم عمروں کے درمیان اپنے شیریں لب ولہجہ، شریفانہ اخلاق وکردار، سچائی، دیانت داری اور صحیح الخیالی کے لحاظ سے امتیازی شان رکھتے تھے۔

اپنی زبردست جسمانی طاقت وصلاحیت کے باوجود آپؐ کی روحانی قوت اور پاکیزہ باطنی نے ادب واستقامت کی خصوصیات نمایاں کر دی تھیں، اس لئے نہ آپؐ کو ظاہر داری اور ریاکاری کا شوق تھا، نہ عظمت اور بڑائی کا جنون، نہ لوگوں کے جذبات سے کھیل کر سرداری حاصل کرنے کی خواہش۔ آپؐ کی قوم جن اصنام کو پوجتی تھی ان سے بے رغبتی، اوہام وخرافات سے نفرت اور اس شعور نے کہ حق کچھ اور ہی چیز ہے، آپؐ کو تنہائی اور پہاڑوں کی خلوت کی طرف مائل کر دیا تھا۔

Marfat.com

یہ اعلیٰ حقائق میں دل کا لگنا تھا۔ عظیم لوگوں کو سونے چاندی کے خزانے سیر نہیں کر سکتے۔ نہ انہیں اس سے راحت ملتی ہے کہ وہ اپنی قوموں کے بادشاہ بن جائیں۔
اسی مرحلے میں آپ کا تعارف حضرت خدیجہؓ سے ہوا۔

حضرت خدیجہؓ ایسی خاتون کی بہترین مثال ہیں جو کسی عظیم انسان کی زندگی کی تکمیل کرتی ہے۔ جو حضرات نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں وہ انتہائی حساس دل رکھتے ہیں اور جس ماحول کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اس سے انہیں شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ وہ بھلائی کی راہ میں زبردست جدوجہد کرتے ہیں اور انہیں سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ ان کی ذاتی زندگی میں کوئی ایسا ہو جو انہیں انسیت و راحت بلکہ مدد و تعاون فراہم کرے۔ حضرت خدیجہؓ میں یہ صفات اعلیٰ درجہ میں موجود تھیں۔ چنانچہ حضرت محمدؐ کی زندگی میں ان کا زبردست اثر رہا۔

ابن اثیر کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ ایک معزز دولتمند خاتون تھیں اور لوگوں کو اپنا مال دے کر مقرر حصہ پر تجارت کرواتی تھیں۔ جب انہیں حضرت محمدؐ کی سچائی دیانت داری اور بہترین اخلاق و کردار کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے آپؐ کو کہلا بھیجا کہ وہ ان کا مال شام لے کر تجارت کے لئے جائیں۔ آپؐ کی مدد کے لئے ان کا غلام میسر بھی ساتھ رہے گا اور جو معاوضہ وہ دوسروں کو دیتی تھیں اس سے زیادہ آپؐ کو پیش کریں گی۔ حضرت محمد ﷺ نے یہ پیش کش قبول کر لی اور حضرت خدیجہؓ کے مال تجارت کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہو گئے اس سفر میں توفیق الٰہی اس سے زیادہ شامل حال رہی، جتنی حضرت ابو طالب کے ساتھ سفر میں تھی۔ نفع زیادہ ہوا حضرت خدیجہؓ اس نفع سے خوش ہوئیں لیکن خود اپنے منتخب شخص (حضرت محمدؐ) کی پسندیدگی زیادہ گہری ہو گئی۔

حضرت خدیجہؓ کافی دولتمند اور خاندانی خاتون تھیں، ذہانت و تدبر میں بھی انہیں غیر معمولی شہرت حاصل تھی۔ قریش کے سرداروں کی نگاہ انتخاب ان پر پڑتی تھی، لیکن انہیں اکثر لوگوں کی یہ بات ناپسند تھی کہ وہ دولت پرست تھے۔ اور ان کی طرف دولت کے لالچ میں ہی دیکھتے تھے اور اسی لئے شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے حضرت محمدؐ کو پہچانا تو انہیں دوسری ہی قسم کا پایا۔ وہ کسی غرض کے لئے قریب نہیں ہوتے تھے۔ شاید تجارت میں بھی انہوں نے پایا ہو کہ دوسرے لوگ چالاکی سے کام لیتے تھے،

Marfat.com

جبکہ حضرت محمدؐ کی اعلیٰ شرافت نے انہیں نہ حضرت خدیجہؓ کی طرف مال کی وجہ سے مائل ہونے دیا، نہ جمال کی وجہ سے۔ بس اپنی ڈیوٹی ادا کر کے خوش خوش کنارے ہو رہے۔

دوسری طرف حضرت خدیجہ کو جس کی تلاش تھی وہ مل گیا تھا۔ انہوں نے اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ سے اپنے دل کی بات کہی، وہ حضرت محمدؐ کے پاس گئیں کہ کچھ سن گن لیں کہ آپؐ حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنا پسند فرمائیں گے۔ آپؐ نے رضامندی ظاہر کر دی، پھر اپنے چچاؤں سے ذکر فرمایا، چنانچہ حضرت ابو طالب اور حضرت حمزہؓ وغیرہ حضرت خدیجہؓ کے چچا جناب عمرو بن اسد کے پاس گئے۔ (حضرت خدیجہ کے والد فجار کی جنگ میں انتقال فرما چکے تھے) اور ان کی بھتیجی کے لئے پیغام دیا۔ ساتھ ہی بیس نئی اونٹنیاں مہر کے طور پر پیش کیں۔ حضرت ابو طالب نے شادی کی تقریب میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ قریش کے جس نوجوان سے بھی (حضرت) محمدؐ کا موازنہ کیا جائے گا آپؐ اس سے برتر نکلیں گے۔ شرافت، فضیلت اور عقل و دانشمندی کے لحاظ سے۔ اگرچہ آپ کے پاس دولت کم ہے لیکن دولت تو چلتی پھرتی چھاؤں ہوتی ہے۔ جناب عمرو نے جواباً کہا کہ اس طرح کے جوانمرد کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ شادی ہوگئی۔

یہی الفاظ حضرت ابوسفیانؓ کی زبان پر بھی جاری ہوئے تھے۔ جب آپؐ نے ان کی صاحبزادی حضرت حبیبہؓ سے شادی فرمائی تھی، تب دونوں کے درمیان معرکہ آرائی شدت پر تھی، حضرت ابوسفیانؓ نے یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سے معذرت کی تھی کہ (حضرت) محمد کفائت کے اس مرتبہ پر ہیں کہ ان سے شادی عزت کی چیز ہے۔ دونوں کے درمیان دشمنی نے حضرت محمدؐ کی قدر و منزلت نہیں گھٹائی تھی، نہ حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی سے آپؐ کی شادی ان کے لئے باعث ذلت تھی، اگرچہ وہ اس وقت آپؐ کے سب سے بڑے دشمن تھے۔

جب حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی تو حضرت محمد ﷺ کی عمر ۲۵ برس تھی، جبکہ حضرت خدیجہؓ چالیس برس پار کر رہی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کا انتقال ۶۵ برس کی عمر میں ہوا تب تک یہ شادی انتہائی باعزت طور پر برقرار رہی۔ حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ آپؐ کی ساری اولاد بھی حضرت خدیجہؓ ہی سے ہوئی۔

پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے، انہی کے نام سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم قرار

Marfat.com

پائی۔ پھر حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت عبداللہ (جن کا لقب طیب اور طاہر تھا) پیدا ہوئے۔ حضرت قاسم کا انتقال اس وقت ہوا، جب آپ سواری پر چڑھنے کے لائق ہو گئے تھے حضرت عبداللہ بالکل بچپن ہی میں انتقال کر گئے، آپؐ کی ساری بیٹیاں بھی آپؐ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئیں، سوائے حضرت فاطمہؓ کے، جو آپؐ کی وفات کے چھ مہینے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

حضرت خدیجہؓ سے آپ کی شادی سراپا خیر و برکت تھی۔ یہ نیا گھرانہ گھر کے مالک کے رنگ میں رنگا ہوا اور جاہلیت کی تمام آلائشوں سے پاک تھا۔

شادی کے بعد بھی آپؐ عربوں کی پرشور محفلوں سے دور رہے، جن میں شراب نوشی اور جوئے بازی وغیرہ ہوتی تھی۔ آپؐ نے تجارت اور روزی کے لئے دوڑ دھوپ کا سلسلہ منقطع نہیں کیا، لیکن غور و فکر اور عزلت نشینی کی طرف مائل رہے۔

بیٹوں کی وفات سے حضرت خدیجہؓ بھی ملول رہا کرتی تھیں اور آپؐ کو بھی رنج رہتا تھا۔ عربوں کے معاشرے میں ویسے بھی مردوں کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ تو لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے لوگ تھے۔ قریش کے لوگ اس پر خوشی بھی منایا کرتے تھے کہ آپ کی نسل آگے نہیں چلے گی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اشارہ ہے:

ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون	کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے جس کے حق
قل تربصوا فانی معکم من المتربصین	میں ہم گردش ایام کا انتظار کر رہے ہیں ان سے کہو اچھا
(الطور: ۳۰۔۳۱)	انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

حضرت محمدؐ اور آپؐ کی رسالت ان چھوٹی تمناؤں سے کہیں بالاتر تھے، غالباً غمزدہ اور شکستہ دل لوگوں کی ہمدردی کے جذبات غمزدہ دلوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے جو آثار دور جاہلیت میں باقی رہ گئے تھے اور جن کے احترام پر عرب متفق تھے ان میں سب سے اہم کعبہ شریف تھا۔ یہ ایک بڑے کمرے جیسا ہے جس کی تعمیر ٹھوس پتھروں سے ہوئی ہے اور اندر سے اس کی چھت قیمتی لکڑی کے ستونوں پر قائم ہے۔ سب سے پہلے اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیلؑ نے اس غرض سے فرمائی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہ بنے، جس میں صرف اس کا نام لیا جائے۔ اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ اصنام کی جنگ میں کافی مشقتیں جھیل

Marfat.com

چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو ہدایت فرمائی کہ یہ گھر تعمیر کریں، جو توحید کی بنیاد بنے اور جہاں لوگوں کو پناہ مل سکے۔ ظاہر ہے وہاں پہنچنے والے سارے لوگ اس گھر کے اندر نہیں آسکتے تھے اس لئے اس کے آس پاس کے علاقہ کو مقدس حرم بنا دیا گیا۔

کعبہ شریف بجائے خود پتھر ہے، نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اسے جو بھی تقدس حاصل ہے وہ اس سے وابستہ یادوں اور روحانیات سے ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آبرو اور جان و مال کی ضمانت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ شریف سے زیادہ مقدس اور اہم ہے۔

اسلام اسے بت پرستی قرار دے گا اگر کوئی یہ گمان کرے کہ کعبہ شریف نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب سربراہان مملکت اور کمانڈر اپنے ملکوں کے جھنڈوں کو سلامی دیتے ہیں اور اس کے لئے جان نچھاور کرتے ہیں تو اس کا مطلب کپڑے کے ایک ٹکڑے کی پوجا نہیں ہوتا بلکہ اس سے وابستہ مخصوص معنوں کا احترام ہوتا ہے۔

یہ بات کتنی آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ دنیا کی پہلی مسجد کو خاص تاریخی اہمیت حاصل ہو اور اسے بعد کی مسجدوں کے لئے قبلہ قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے ہر نماز میں اصلی رخ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوتا ہے۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کی سب سے پہلی مسجد کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے دریافت کیا: پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے عرض کیا: دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فرق ہے؟ آپؐ نے فرمایا چالیس برس کا۔ پھر یہ کہ پوری زمین تمہارے لئے سجدہ گاہ ہے، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے، وہیں نماز پڑھ لو، اسی میں فضیلت ہے (بخاری)

اتنی قدیم عمارت کی حیثیت سے کعبہ شریف کو بھی نقصانات پہنچے جن سے اس کی بنیادیں کمزور ہوئیں اور دیواروں میں شگاف پڑے۔ بعثت نبوی سے چند برس پہلے مکہ مکرمہ میں زبردست سیلاب آیا جو کعبہ شریف میں بھی داخل ہو گیا اور وہ گرنے کے نزدیک پہنچ گیا۔ تب قریش نے اس عمارت کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تعمیر نو کا فیصلہ

Marfat.com

کیا۔

چنانچہ کمزور حصے ڈھا دیئے گئے اور تعمیر نو کا کام شروع ہوا قریش کے سرداروں اور بڑے لوگوں نے بھی عمارت کی عظمت کے پیش نظر پتھر ڈھونے اور دیگر تعمیری کاموں میں حصہ لیا۔ ان میں حضرت محمدؐ اور آپ کے چچا حضرات بھی شامل تھے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جب کعبہ شریف کی تعمیر نو ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت عباسؓ بھی پتھر اٹھانے لگے۔ حضرت عباسؓ نے کہا۔ اپنا تہہ بند اتار کر کندھے پر رکھ لو تو پتھر سے تکلیف نہیں پہنچے گی۔ آپؐ نے ایسا کیا تو بیہوش ہو کر گر پڑے اور آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور ''میرا تہہ بند، میرا تہہ بند'' کی صدا نکالنے لگے۔ چنانچہ تہہ بند باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد کبھی آپؐ کو بے لباس نہیں دیکھا گیا (بخاری)

اس معاملہ میں مختلف قبیلوں کے درمیان مسابقت شروع ہوگئی۔ ہر قبیلہ سب سے آگے رہنا چاہتا تھا۔ یہ کشمکش اتنی بڑھی کہ لگتا تھا کہ مقدس سرزمین میں خونریز جنگ شروع ہو جائے گی، خاص طور پر جب معاملہ حجر اسود کو اس کی جگہ نصب کرنے تک پہنچا ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی نے یہ تجویز پیش کی کہ باب الصفا سے جو پہلا شخص اندر آئے اس کے ذمہ یہ کام سپرد کیا جائے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ داخل ہونے والے حضرت محمدؐ نکلے جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو بے اختیار چیخ پڑے کہ یہ دیانت دار شخص ہیں ہم ان پر راضی ہیں۔

حضرت محمدؐ نے ایک چادر طلب کی، حجر اسود اس کے درمیان رکھا پھر قبائل کے سرداروں کو بلایا کہ وہ چاروں طرف سے چادر کو پکڑ کر کعبہ شریف تک چلیں۔ جب وہاں پہنچ گئے تو حضرت محمدؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی پرانی جگہ نصب کر دیا (احمد)

اس سے پہلے بھی جب اہل مکہ حضرت محمدؐ کو دیکھتے تھے تو اسے بابرکت سمجھتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کو ان کے یہاں کتنا بلند مرتبہ حاصل تھا۔

قریش کے لوگ کوشش کے باوجود کعبہ شریف کو (سامان کی کمی کی وجہ سے) حضرت ابراہیمؑ والی بنیادوں پر نہیں اٹھا سکے۔ لیکن آپؐ نے بعد میں استحکام حاصل ہونے کے بعد بھی اسے پھر سے گرا کر اٹھانا ضروری نہیں سمجھا۔

Marfat.com

حق کے متلاشی

صنم پرستی اپنے باطل پر حق کا ملمع چڑھاتی ہے تاکہ لوگوں میں آسانی سے جگہ بنا سکے۔اسی لئے وہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے اللہ پر ایمان کا دعوی بھی کرتی ہے ساتھ ہی اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو بھی شریک ٹھہرا دیتی ہے۔اور انہیں وسیلہ ظاہر کرتی ہے، دھیرے دھیرے ان معبودوں کے ساتھ تعلق زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔

ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله فانى يوفكون وقيله يرب ان هؤلاء قوم لا يومنون فاصفح عنهم وقل سلم فسوف تعلمون (الزخرف ۸۷۔۸۹)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے اللہ نے پھر کہاں سے یہ دھوکہ کھا رہے ہیں قسم ہے رسولؐ کے اس قول کی کہ اے رب یہ وہ لوگ ہیں جو مان کر نہیں دیتے اچھا اے نبیؐ ان سے درگذر کرو اور کہدو کہ سلام ہے تمہیں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

لیکن تعصب ہر حد پار کر جاتا ہے۔عوام تو آزادانہ غور و فکر کی صلاحیت ہی سے محروم ہوتے ہیں اور جو کچھ انہیں وراثت میں ملتا ہے اسی کے غلام بنے رہتے ہیں، جس چیز کو وہ پہلے سے نہیں جانتے اس کے دشمن ہی ہوتے ہیں۔اور جن لوگوں کو سوچنے سمجھنے کی کچھ صلاحیت ملی ہوتی ہے وہ اپنی خواہشات نفس سے آگے نہیں بڑھتے، بلکہ کبھی جو کچھ جان لیتے ہیں اسے بھی چھپاتے ہیں بلکہ بسا اوقات اس کی شدید مخالفت کرتے ہیں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو پرانی روایات کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی جرأت کرتے ہیں اور حق کی آواز بلند کرتے ہیں۔

رسولؐ اللہ کی بعثت سے پہلے کچھ لوگ ایسے پائے جاتے تھے جو عربوں کی صنم پرستی کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ان کی قوم خرافات میں مبتلا ہے لیکن اس سے باز رکھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے، نہ اس کا کوئی راستہ پاتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی بلدح کے مقام پر زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی، آپؐ نے انہیں کھانا پیش کیا جس میں گوشت بھی تھا، زید نے کھانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا: میں آپ لوگوں کا ذبیحہ نہیں کھاتا۔بس وہی گوشت کھاتا ہوں، جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔زید قریش کو ملامت کرتے تھے کہ

Marfat.com

بکری پیدا اللہ کرتا ہے، اس کے لے پانی وہ آسمان سے نازل کرتا ہے۔ اور اس کے لئے زمین سے گھاس وہ اگاتا ہے پھر تم لوگ اسے دوسرے کے نام پر ذبح کرتے ہو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ زید بن عمر بن نفیل دین کی تلاش میں شام پہنچے تو ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ آپ، لوگوں کا دین کیا ہے، شاید میں بھی وہی اختیار کرلوں۔ یہودی عالم نے کہا تم ہمارے دین پر اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کے غضب میں حصہ دار نہ بن جاؤ۔ زید نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے غضب ہی سے تو بھاگ رہا ہوں اور جہاں تک ممکن ہو گا کبھی اس کے غضب کو دعوت نہیں دوں گا، تب کیا آپ کسی اور طرف میری رہنمائی کریں گے۔ انہوں نے کہا میرے علم کے مطابق تو ایک ہی راستہ ہے کہ آپ حنیف بن جائیں۔ زید نے پوچھا حنیف کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا حضرت ابراہیمؑ کا دین، وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی، نہ اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش کرتے تھے۔

زید وہاں سے چل پڑے پھر ان کی ملاقات ایک عیسائی عالم سے ہوئی انہوں نے ان سے بھی وہی دریافت کیا۔ عیسائی عالم نے کہا کہ آپ ہمارے دین پر اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کی لعنت میں حصہ دار نہ بن جائیں۔ زید نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہی سے تو بھاگ رہا ہوں اور جہاں تک ممکن ہو گا اس کی دعوت نہیں دوں گا تب کیا آپ کسی اور طرف میری رہنمائی کریں گے؟ انہوں نے کہا میرے علم کے مطابق تو ایک ہی راستہ ہے کہ آپ حنیف بن جائیں انہوں نے پوچھا: حنیف کیا ہوتا ہے؟ عیسائی عالم نے کہا: حضرت ابراہیمؑ کا دین۔ وہ نہ یہودی تھے، نہ عیسائی اور خدا کے سوا کسی اور کی پرستش نہیں کیا کرتے تھے۔ زید یہ سن کر وہاں سے نکلے پھر آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: اے اللہ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیمؑ کے دین پر ہوں۔

یہ حدیث اس پراگندہ خیالی کو واضح کرتی ہے جو اس وقت دنیا میں چھائی ہوئی تھی۔ یہودی یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ دنیا میں اچھوت ہو گئے ہیں اور ہر طرف سے بھگائے جا رہے ہیں، چنانچہ جو ان کے دین میں داخل ہو گا اسے اس غضب خداوندی میں شریک ہونا پڑے گا اور عیسائیوں کے درمیان حضرت عیسیٰؑ کی حیثیت کے تعلق سے شدید اختلافات تھے، جن کے نتیجے میں خونریز جنگیں ہو چکی تھیں اور کئی فرقے بن چکے

Marfat.com

تھے، جو ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے رہتے تھے۔

شام کے عیسائی یعقوبی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، جو کلیسائے روم کے سرکاری مسلک سے اختلاف رکھتا تھا۔ اس لئے تعجب کی بات نہیں کہ انہوں نے زید پر واضح کر دیا کہ ان کے دین میں شامل ہونے سے کتنی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور یہ کہ یہ لعنت اس گناہ کے اثرات میں سے ہے جو حضرت آدمؑ سے سرزد ہوا تھا اور آدمؑ کی نسل برابر اس لعنت کی مستحق رہے گی اور یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو اسی گناہ کے کفارہ میں صلیب دی گئی تھی۔ تب زید کے لئے مناسب یہی تھا کہ وہ ان سب کو چھوڑ کر حضرت ابراہیمؑ کے دین کی طرف لوٹیں اور اس کی جڑیں تلاش کریں۔

بخاری میں حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ شریف سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا، وہ کہہ رہے تھے: اے قریش کے لوگو! خدا کی قسم میرے علاوہ تم میں سے کوئی حضرت ابراہیمؑ کے دین پر نہیں ہے۔ زید زندہ درگور کی جانے والی لڑکیوں کو بچایا کرتے تھے۔ کوئی اگر اپنی بیٹی کو دفن کرنا چاہتا تو وہ یہ کہہ کر اس سے لے لیتے کہ میں اس کی کفالت کروں گا۔ جب وہ بڑی ہو جاتی تھی، تو اس کے باپ سے کہتے تھے اگر تم چاہو تو میں تمہارے حوالے کر دوں ورنہ میں اس کی کفالت کرتا رہوں گا۔

زید غور و فکر کرنے والے ان چند لوگوں میں سے تھے جو جاہلیت کی برائیوں پر اظہار ناراضگی کرتے تھے لیکن یہ حق پسندی انہیں نبوت کا حقدار نہیں بنا سکتی تھی۔ قدرت اس کے لئے ایک ایسے شخص کو تیار کر رہی تھی جو حق کو پوری طرح واضح کر سکے اور اتنی طاقت رکھتا ہو کہ گمراہی و باطل کی جان توڑ مزاحمت کا سامنا کر سکے۔

قدرت اس عظیم رسالت کے لئے ایک عظیم شخصیت کو تیار کر رہی تھی اور عظیم مہمات کو تو عظیم شخصیات ہی سر کر سکتی ہیں۔

غار حرا

اب حضرت محمدؐ کی عمر چالیس برس کے قریب پہنچ رہی تھی۔ ماضی کا غور و فکر آپؐ کے اور آپؐ کی قوم کے درمیان ذہنی خلیج کافی وسیع کر چکا تھا، جیسا فرق آج کسی ماہر فلکیات اور ان لوگوں کے درمیان ہو سکتا ہے جو یہ مانتے ہوں کہ زمین گائے کے سینگ

Marfat.com

پر رکی ہوئی ہے، یا کسی ایٹمی سائنسداں اور ان لوگوں کے درمیان، جو پتھروں سے لڑتے ہوں اور مویشیوں پر سواری کرتے ہوں۔

یہ تو نظریاتی رخ سے تھا، نفسیاتی اعتبار سے دور جاہلیت میں غالب الحاد نے لوگوں کو پختہ یقین دلا رکھا تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے۔ ذہنی پراگندگی اپنے عروج پر تھی۔

اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں روشنی کی کوئی کرن بھی تھی؟

رسول اللہ ﷺ ہر سال رمضان کا مہینہ مکہ مکرمہ کے شور وشغب سے چند میل دور غار حرا میں گذارتے تھے، جو ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ کئی کئی دن کے لئے کھانے پینے کا کچھ سامان ساتھ ہوتا تھا اور آپؐ دنیا سے منقطع ہو کر اپنے مشتاق دل کے ساتھ پروردگار عالم کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اس پر ہیبت اور دنیا سے الگ تھلگ غار میں آپ حسرت وحیرت کے ساتھ دنیا کی حالت زار پر غور فرماتے تھے کہ اس سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟۔ پرانے ہادیوں کی تعلیمات وہدایات گرد وغبار میں دب کر اپنا رنگ روپ کھو چکی تھیں۔ سونا بھی اگر مٹی میں دب جائے تو اپنی آب وتاب کیسے رکھ سکتا ہے؟

غار حرا میں آپؐ عبادت کرتے تھے اور اپنے قلب وروح کو حتی المقدور زیادہ سے زیادہ صیقل کرتے تھے، یہانتک کہ آپ کا دل اتنا صاف شفاف ہو گیا کہ خواب بھی دیکھتے تھے تو وہ حقیقت بن کر سامنے آجاتا تھا۔ ملأ اعلیٰ سے آپؐ کا تعلق مستحکم ہو چکا تھا اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ جب عالم وحشت میں مصر سے نکل آئے تھے اور پھر جب اپنے اہل خاندان کے ساتھ دشت وصحرا طے کرتے ہوئے اپنے اور اپنی قوم کے لئے سکون وہدایت تلاش کر رہے تھے تو وادیٔ ایمن سے ایک شرارہ چمکا تھا اور جب آپ وہاں پہنچے تو مقدس آواز آپ کے کانوں میں رس گھول رہی تھی:

اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوۃ لذکری (طٰہٰ:۱۴) میرے سوا کوئی خدا نہیں بس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔

یہ شرارہ کئی صدیوں کے بعد پھر غار حرا کے پاس چمکا، یہ شعلہ اس نور کا تھا جو جاہلیت کی گندگیوں اور برائیوں سے دور بھاگنے والے اور پاکیزگی وبندگی اختیار کرنے والے شخص کا احاطہ کر رہا تھا۔ وحی الٰہی کا یہ نور جب آپؐ کے دل پر جلوہ فگن ہوا تو آپؐ

Marfat.com

حیرت ودہشت کے ساتھ فرشتے کی آواز سن رہے تھے:

اقرأ پڑھو

آپؐ نے جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔

پھر بار بار وہی مطالبہ تھا:

اقرأ باسم ربك الذی خلق.خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (العلق:۱۔۵)

پڑھو(اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

ورقہ بن نوفل

بلا شبہ حضرت محمدؐ ہمارے ہی جیسے انسان تھے لیکن نوع انسانی کے افراد کے درمیان زبردست فرق پایا جاتا ہے۔کوئی تو آسمان سے بھی زیادہ بلند ہوتا ہے اور کوئی اتنا پست ہوتا ہے کہ ایک کنکری کے برابر حیثیت نہیں رکھتا۔اگرچہ دونوں ہی انسان ہوتے ہیں۔پھر یہ فرق تو ان لوگوں کے درمیان ہوتا ہے جو خدا کے چنیدہ بزرگ نہیں ہوتے اور جب کسی کو خدا نے منتخب کرلیا ہو اور اسے نور وحی سے نواز دیا ہو تب اس کی بلندی کے کیا کہنے!

ینزل الملئکة بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ أن أنذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون (النحل:۲)

وہ اس روح کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے ملائکہ کے ذریعہ نازل فرمادیتا ہے (اس ہدایت کے ساتھ کہ لوگوں کو) آگاہ کردو میرے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے لہذا تم مجھی سے ڈرو؟؟

جس طرح روح پھونکے جانے کے بعد جنین کو اللہ تعالیٰ دوسری مخلوق بنادیتا ہے، جو ابتدائی مرحلوں، نطفہ، خون کے لوتھڑے اور گوشت وغیرہ سے ممتاز ہوجاتا ہے، اسی طرح انبیائے کرامؑ بھی وحی سے سرفراز کیے جانے کے بعد کچھ دوسرے ہی انسان ہوجاتے ہیں، جن کی بلندی وشرف کے قریب بھی کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں حضرت محمدؐ کو اپنی اسی قدرت کی یاد دلا رہا ہے:

Marfat.com

وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلنه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا وانک لتهدی الی صراط مستقیم ۔صراط الله الذی له ما فی السموات وما فی الارض (الشوریٰ:۵۲۔۵۳)	اور اسی طرح (اے نبیؐ) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر رہے ہو اس خدا کے راستے کی طرف جو زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا سلسلہ رویائے صالحہ (نیک خوابوں) سے شروع ہوا۔ آپؐ جب کوئی خواب دیکھتے تھے تو وہ صبح کی پو پھٹنے کی طرح سامنے آجاتا تھا۔ پھر آپ کو تنہائی محبوب کرادی گئی۔ آپ غار حرا میں جاکر کئی کئی دن تک تنہا عبادت کرتے رہتے تھے، پھر گھر آکر کچھ کھانے پینے کا سامان لیتے تھے اور واپس چلے جاتے تھے، یہانتک کہ آپ غار حراہی میں تھے کہ فرشتہ آیا اور کہنے لگا: ''پڑھیے'' آپؐ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے زور سے بھینچ لیا پھر چھوڑ کر دوبارہ کہا ''پڑھیے'' آپؐ نے کہا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے تیسری بار زور سے بھینچا، یہانتک کہ آپؐ تکان محسوس کرنے لگے، فرشتے نے چھوڑ کر کہا:

اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق (العلق:۱۔۲)	پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔

اس کے بعد آپؐ گھر واپس آئے، آپؐ پر خوف کا اثر محسوس ہو رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے تو فرمایا مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ چنانچہ آپؐ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ جب کپکپی دور ہوئی تو آپؐ نے حضرت خدیجہ کو پورا واقعہ بتایا اور فرمایا کہ مجھے اپنے بارے میں ڈر محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے کہا: ہرگز نہیں۔ آپ مطمئن رہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی نامراد و برباد نہیں کرسکتا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ذمے داری اٹھاتے ہیں محروم کو نوازتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

Marfat.com

پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو ان کے چچازاد بھائی تھے اور دور جاہلیت میں عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے۔ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے، ورقہ کافی معمر اور اندھے ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کی بات سنئے۔ انہوں نے دریافت کیا: بھتیجے کیا دیکھا؟ آپؐ نے جو کچھ دیکھا تھا، بتایا تو ورقہ نے کہا: یہ وہی ناموس تھا جو حضرت موسیٰؑ پر نزل ہوا تھا۔ اے کاش میں طاقتور ہوتا، اے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی آپؐ نے فرمایا کہ کیا وہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں، جو شخص بھی آپ جیسا پیغام لے کر آیا اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کی زبردست مدد کروں گا۔ ورقہ بہت جلد انتقال کر گئے (بخاری)

اب گویا گزشتہ چالیس برس ایک دن کی طرح گذر چکے تھے اور وحی نئے دن کی صبح بن کر طلوع ہوئی تھی۔ حق کی متلاشی عقل حق کے آثار محسوس کرنے لگی، جو دل شک و مایوسی سے بوجھل تھا اسے یقین و امید کی جھلکیاں نظر آنے لگیں۔

یہ کتنی دور رس تبدیلی تھی! بلاشبہ یہ نبوت تھی۔

جلد ہی آپ کی دلجمعی بحال ہوگئی۔ اس سلسلے میں حضرت خدیجہؓ کا موقف انتہائی بلند و معزز تھا۔ انہوں نے کشیدہ ذہنی میں آپؐ کو اطمئنان دلایا۔ تکلیف میں راحت پہنچائی آپؐ کے فضائل کو یاد دلا کر یہ ذہن نشین کرایا کہ آپؐ جیسے نیک لوگوں کو کبھی نامرادی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو بلند صفات و عادات سے نوازتا ہے تو اسے عزت و شرف عطا کرنا چاہتا ہے۔ اسی نیک دلی اور پختہ رائے کی بنا پر حضرت خدیجہؓ دنیا کی تمام عورتوں میں اس کی حقدار ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ سلام بھیجے (بخاری)

☆☆☆

Marfat.com

باب ۔۳

دعوت کا آغاز

حیرت واستعجاب کے بادل چھٹ گئے، حقیقت کی نشانیاں بالکل واضح ہو گئیں اور حضرت محمد ﷺ نے یقینی طور پر جان لیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بنادیئے گئے ہیں اور وحی لانے والا سفیر آپؐ کے پاس آسمان کی خبریں لا رہا ہے۔ تاہم ایک فرشتے اور ایک انسان کے درمیان قائم ہونے والے اس تعلق نے آپؐ کے دل میں جو دہشت پیدا کی تھی اس نے مشقت اور تکان کے اثرات چھوڑے تھے، گویا آپ کوئی سخت اور تھکا دینے والا کام انجام دے رہے ہوں۔

اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کہ آپؐ وحی کے نزول کے تعلق سے کافی طویل عرصہ تک شدت سے دوچار رہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ شروعات کے بعد وحی کا سلسلہ کچھ دنوں کے لئے روک دیا جائے، تاکہ آپؐ اس بار کو اٹھانے کے لئے ذہنی طور پر تیار اور ثابت قدم ہو جائیں۔ نیز آپؐ میں اس سلسلے میں شوق بھی پیدا ہو جائے تاہم وحی کے بوجھ کے آگے انسانی طاقت اپنے آپ کو بوجھل محسوس کرتی تھی۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وحی کے وقفہ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں ایک بار کہیں پیدل جا رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے کوئی آواز سنی، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا نظر آیا، میں گھبرا کر زمین پر گر گیا۔ پھر میں اپنے گھر آیا اور کہا کہ مجھے کچھ اوڑھا دو چنانچہ مجھے چادر اوڑھا دی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

یاأیھا المدثر قم فانذر وربك فكبر وثيابك فطهر والرجز فاهجر (المدثر:۱۔۵)

اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو۔

Marfat.com

یہ واضح احکام نبی اکرمؐ کو یہ بتا رہے تھے کہ ماضی کا دور اپنے سکون وامن کے ساتھ گذر چکا۔ اب آپؐ کے سامنے نئی مہم ہے جو پوری جدوجہد اور بیدار مغزی وثابت قدمی چاہتی ہے، اس لئے آپؐ پیغام کی ذمہ داری اٹھائیں اور لوگوں کو ہدایت فرمائیں، وحی سے مانوس ہو کر آگے درپیش محنت ومشقت کا سامنا کرنے کی طاقت حاصل کریں کیونکہ وحی ہی آپ کی رسالت کا سرچشمہ اور آپ کی دعوت کی طاقت کا ذریعہ ہے۔

وحی کیا ہے؟ یہ وہ الہام ہے جو ایسی واضح شکل میں دل میں جم جائے کہ کس شک وشبہ کی گنجائش نہ رہ جائے۔ یہ مختلف صورتوں میں نازل ہوتی تھی، جن میں بعض نسبتاً آسان ہوتی تھیں۔ کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی تھی، جو آپ پر سب سے زیادہ سخت گذرتی تھی یہانتک کہ سخت ٹھنڈک کے دن میں بھی آپ کی پیشانی سے پسینہ چھوٹ جاتا تھا (بخاری) اور یہانتک کہ اگر آپ کسی سواری پر سوار ہوتے تھے تو وہ وحی کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتی تھی (احمد) ایک مرتبہ آپؐ پر وحی اس حال میں نازل ہوئی کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور ران حضرت زیدؓ بن ثابت کی ران سے ملی ہوئی تھی تو حضرت زید کو اتنا بوجھ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ان کی ران کی ہڈی چیخ جائے گی (بخاری) اور کبھی اس سے آسان اور ہلکی صورت ہوتی تھی۔

کہا جاسکتا ہے کہ شروع میں وحی اتنی بوجھل اور شدید کیوں تھی۔ نیند میں الہام کی صورت میں قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ یا بیداری کی حالت میں الہام جیسی صورت کیوں اختیار نہیں کی گئی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روح القدس (حضرت جبریلؑ) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک موت سے دوچار نہیں ہوگا، جب تک اپنی روزی مکمل نہ کرلے، اس لئے روزی کے حصول کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھا طریقہ اختیار کرو (حاکم)

کیا یہ طریقہ دہشت زدگی اور تھکن سے دوچار کرنے سے زیادہ دور نہ ہوتا؟

نزول قرآن کے لئے شروع میں یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا کہ کسی طرح کے شبہ کی گنجائش باقی نہ رہ جائے کہ اس کے الفاظ اور معانی سب اللہ کی طرف سے ہیں اور حضرت محمد ﷺ نے رسالت کے لئے منتخب کئے جانے کے بعد اس بار کو اٹھایا ہے۔ یہ

Marfat.com

کسی ایسے عبادت گذار کا وہم وتخیل نہیں، جو دنیا سے الگ تھلگ کسی گوشۂ تنہائی میں غور وفکر کر رہا ہو، نہ کسی ایسے فلسفی کی بات ہے، جو دلیلیں قائم کرنے اور اپنی بات کو سلیقہ سے پیش کرنے کا ہنر جانتا ہو، بلکہ یہ تو خالق کائنات کا کلام ہے:

ان هو الا وحی یوحیٰ علمه شدید القوی ذومرة فاستوی وهو بالافق الاعلیٰ ثم دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الی عبده ما اوحیٰ ماکذب الفؤاد مارأی أفتمرونه علی مایری (النجم: ۴۔۱۲)

یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دیا ہے جو بڑا صاحب حکمت ہے وہ سامنے آ کھڑا ہوا جبکہ وہ بالا افق پر تھا پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

دعوت کس چیز کی طرف؟

حضرت محمد ﷺ نے لوگوں سے اسلام کے بارے میں گفتگو شروع کی اور خدا کے نازل کردہ اس دین کو اختیار کرنے کی دعوت دینے لگے۔

مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں ان عقائد واعمال کو واضح کیا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا ہے اور اپنے رسول کو ہدایت فرمائی کہ انہیں فروغ دیں:

۱۔ مطلق وحدانیت: انسان زمین وآسمان کے کسی اور وجود کا بندہ نہیں، کیونکہ زمین وآسمان کی ہر چیز خود اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتی ہے، اس کی عظمت وجلال کے آگے سر جھکاتی ہے، اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ اس کے لئے کسی سفارشی اور بچولئے کی ضرورت ہے۔ ہر انسان براہ راست اور تنہا ہی اپنے پروردگار سے رجوع کر سکتا ہے اور یہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام لوگوں اور چیزوں کو مسترد کر دے، جنہوں نے اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو بچولیا بنا لیا ہے اور انہیں

Marfat.com

ان کے محدود مرتبہ و مقام کے مطابق جگہ دے۔ نیز تمام انفرادی و اجتماعی تعلقات کی بنیاد اس پر رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پوری کائنات کا تنہا مالک و مختار ہے۔

اس عقیدہ کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ عرب جن پتھروں کو پوجتے تھے، ان کی حیثیت دیگر پتھروں سے زیادہ نہیں رہ گئی۔ اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے بھی یہ جان لیا کہ وہ اسی کے بندے ہیں جس نے انہیں پیدا کیا اور جو روزی دیتا ہے۔ انہیں خود نہ تخلیق میں کوئی ادنیٰ دخل ہے، نہ روزی دینے میں۔ اور یہ کہ وہ صرف اطاعت کے ذریعہ اپنے معبود سے قریب ہو سکتے ہیں اور نافرمانی انہیں اس سے دور ہی کرے گی۔

۲۔ آخرت: یقیناً ایک ایسا دن آئے گا جس میں لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے اور وہ ان کی زندگی کا باریک بینی کے ساتھ محاسبہ کرے گا۔

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره (الزلزال:۷۔۸)

پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا

تب یا تو جنت کی نعمت ملے گی جس میں نیکوکار چین سے رہیں گے، یا پھر جہنم کی نحوست و اذیت ملے گی جس میں بدکار سزا بھگتیں گے۔

اپنے ہر کام میں آخرت پر نظر رکھنا اسلام میں صحیح طرز عمل کے اصولوں میں سے ہے۔ جس طرح ٹرین پر سوار مسافر کو یقین ہوتا ہے کہ اگلا اسٹیشن آئے گا، اسی طرح مسلمان یہ جانتا ہے کہ موجودہ ایام ایک دن ختم ہو جائیں گے اور ایک دن اس کو واپس جا کر اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونا اور اپنی عمر بھر کی کمائی کا پھل کھانا ہوگا۔

۳۔ تزکیۂ نفس: اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں مقرر کی ہیں ان کی پابندی اور جن چیزوں سے منع کیا ہے، انہیں ترک کر کے اپنے نفس کو پاک کرنا۔

قل تعالوا اتل ماحرم ربكم عليكم الا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا ولا تقتلوا اولادكم من املاق نحن نرزقكم واياهم ولا تقربوا الفواحش ماظهر منها ومابطن ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ذلكم وصكم به لعلكم تعقلون ولا

اے نبیؐ ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں: یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی اور کسی جان

Marfat.com

تقربوا مال اليتم الا بالتي هي احسن حتى
يبلغ اشده واوفوا الكيل والميزان بالقسط
لا نكلف نفسا الا وسعها واذا قلتم فاعدلوا
ولوكان ذا قربى وبعهد الله اوفوا ذلكم
وصّكم به لعلكم تذكرون وان هذا صراطي
مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق
بكم عن سبيله ذلكم وصّكم به لعلكم
تتقون (الانعام: ۱۵۱۔۱۵۳)

کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ، یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو اور یہ کہ مال یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہے اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم نصیحت قبول کرو نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو۔

حضرت اکثمؓ بن صیفی کہتے ہیں کہ ”حضرت محمد ﷺ جو تعلیمات لے کر آئے اگر وہ دین کا حصہ نہ ہوتیں تب بھی لوگوں کے اخلاق کے لئے بہترین ہوتیں“

۴۔ اسلامی جماعت کے وجود کا تحفظ، بھائی چارہ اور تعاون کی بنیاد پر قائم ایک ہم آہنگ وحدت کے اعتبار سے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ مظلوم کی مدد کی جائے، محروم کو نوازا جائے اور کمزور کو طاقت پہنچائی جائے۔ سورہ مدثر میں آتا ہے:

كل نفس بما كسبت رهينة الا اصحب
اليمين في جنّت يتساء لون عن المجرمين
ماسلككم في سقر قالوالم نك من المصلين
ولم نك نطعم المسكين وكنا نخوض مع
الخائضين وكنا نكذب بيوم الدين حتى
اتانا اليقين فما تنفعهم شفاعة الشافعين
(المدثر: ۳۸۔۴۸)

ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے دائیں بازو والوں کے سوا جو جنتوں میں ہوں گے وہ مجرموں سے پوچھیں گے ”تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے ”ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے اور روز جزاء کو جھوٹ قرار دیتے تھے یہاں تک کہ ہمارے پاس یقینی چیز آ گئی اس وقت سفارش کرنے والوں کی کوئی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔

Marfat.com

حضرت ابو بکرؓ کسی کمزور مسلمان کو اذیت کا شکار دیکھتے تھے تو کوشش کر کے اور اپنی دولت خرچ کر کے اسے آزاد کراتے اور بچاتے تھے۔ اور یہ جماعت پر فرد کا حق ہے

سبقت کرنے والے لوگ

اسلام کی آواز مکہ مکرمہ میں پھیلنے لگی اور بڑے دلوں میں اپنا اثر دکھانے لگی ایسے لوگ جلد ہی اپنی پرانی جاہلیت سے کنارہ کشی کر کے نیا دین قبول کرنے کی طرف مائل ہونے لگے۔ دلوں میں ایمان کے بیج پڑ رہے تھے اور قرآنی آیات دلوں پر اس طرح نازل ہو رہی تھیں جیسے زرخیز زمین پر بارش ہو رہی ہو۔

فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج (الحج:۵) پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دی۔

مختلف لوگ اپنے عقائد کے بارے میں ٹھنڈے دل و دماغ سے غور وفکر کر رہے تھے، احتیاط کے ساتھ اپنے خیالات ونظریات کا جائزہ لے رہے تھے اور پسندیدگی کی نگاہوں سے نئے دین کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایمان بجائے خود ایک سحر انگیز طاقت ہے، جو دلوں کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو جائے تو محال کو بھی ممکن بنا دے۔

ہم نے کتنے جوانوں اور بوڑھوں کو دیکھا ہے کہ وہ کسی نظریہ کو ماننے لگے تو اسے پختہ عقیدہ کی جگہ دے دی۔ اور اگر چہ وہ محض ایک مادی نظریہ تھا، لیکن انہوں نے اسے اپنی زندگیوں کو حرکت میں لانے والا ایندھن بنالیا اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے شدید ترین اذیتیں بھی برداشت کرنے لگے۔

آج کتنے ایسے لوگ ہیں جو یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہونے کے باوجود اپنی عمروں کا ایک حصہ جیلوں میں قاتلوں اور منشیات کے کاروباریوں کے ساتھ گذرانے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن اپنے اصول ونظریات کو کامیاب بنانے کے سلسلے میں اس مشقت کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

تب ان لوگوں کی حالت کا اندازہ لگایئے جو اسلام کے آغاز میں آسمان وزمین کے مالک اللہ تعالیٰ اور اس یوم آخرت پر ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے، جہاں

Marfat.com

انسان اس دنیا سے منتقل ہو کر پہنچے گا اور اپنے ایمان اور اس کے مطابق نیک عمل کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمتوں سے نوازے گا۔

یہ اولین گروہ وقت گذرنے کے ساتھ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

یہ بات فطری تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اسلام ان لوگوں کے سامنے پیش کریں جو آپؐ سے سب سے زیادہ تعلق رکھتے تھے، یعنی گھر والے اور دوست احباب۔ ان لوگوں کے دلوں میں حضرت محمدؐ کی عظمت و منزلت اور سچائی کے بارے میں کبھی معمولی شک و شبہ بھی پیدا نہیں ہوا تھا، اس لئے انہی لوگوں نے سب سے آگے بڑھ کر آپؐ کی تائید و پیروی کی۔

سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں آپؐ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ، آپؐ کے غلام حضرت زیدؓ بن ثابت، آپ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ بن ابو طالب، جو ابھی بچے تھے اور آپؐ ہی کی کفالت میں تھے، اور آپ کے مخلص دوست حضرت ابوبکرؓ تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کی طرف دعوت دینے میں سرگرمی دکھانی شروع کی اور ان کے قابل اعتماد دوست حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت طلحہؓ بن عبداللہ اور حضرت سعدؓ بن وقاص ایمان لے آئے۔ اسی دوران حضرت ورقہؓ بن نوفل ایمان لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقال کے بعد انہیں خواب میں اچھی حالت میں دیکھا جو اللہ کے نزدیک ان کی قدر و منزلت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی طرح حضرات زبیرؓ بن عوام، ابوذر غفاریؓ، عمرؓ بن عنبسہ اور سعیدؓ بن عاص اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے گویا مکہ مکرمہ میں اسلام ان لوگوں میں پھیلنے لگا جن کے دلوں کو اللہ نے منور کر دیا تھا۔ اگرچہ اسلام کی دعوت خاموشی سے دی جا رہی تھی اور کھل کر اس کا مظاہرہ نہیں کیا جا رہا تھا۔

قریش کے لوگوں تک یہ خبریں پہنچیں تو انہوں نے زیادہ توجہ نہیں دی، شاید انہوں نے حضرت محمدؐ کو ان دینداروں میں سمجھا ہوگا، جو الوہیت کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے جیسے امیہ بن صلت، قس بن ساعدہ اور عمرو بن نوفل وغیرہ، تاہم انہیں خوف محسوس ہونے لگا اور وہ اسلام کی اشاعت کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

پوشیدہ طور پر دعوت دینے کا سلسلہ تین برسوں تک چلتا رہا پھر وحی نازل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوت کا اعلان کریں اور اپنی قوم کے باطل عقائد کی کھل کر مخالفت

Marfat.com

کریں۔

دعوت کا اعلان

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

وانذر عشیرتك الاقربین (الشعراء:٢١٤) اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

تو رسول اللہ ﷺ صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور اے بنی فہر! اے بنی عدی! وغیرہ نام لے لے کر قریش کے قبیلوں کو پکارا۔ جب لوگ آ گئے (اور جو نہیں آسکا اس نے اپنا کوئی نمائندہ بھیجا کہ دیکھیں کیا بات ہے، آنے والوں میں ابولہب بھی شامل تھا) تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں یہ بتاؤں (اس پہاڑی کے پیچھے) وادی میں کچھ شہ سوار ہیں جو تم پر حملہ کرنے والے ہیں تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ انہوں نے کہا: ہم نے کبھی آپ سے جھوٹ نہیں سنا ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں ایک شدید عذاب کے بارے میں خبردار کرنے والا ہوں، ابولہب نے کہا: پورے دن تمہاری نامرادی ہو۔ کیا اسی کے لئے تم نے ہمیں اکٹھا کیا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تبت یدا ابی لهب وتب. (المسد:١) ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وانذر عشیرتك الاقربین (الشعراء:٢١٤) اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے اہل قریش! اپنے آپ کو بچا لو۔ میں اللہ تعالیٰ سے تمہیں کچھ بھی بے نیاز نہیں کرسکتا۔ اے بنی عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرسکتا۔ اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرسکتا۔ اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! میرے مال میں جو چاہو مانگ لو، میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرسکتا۔

یہ انتہائی واضح پکار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کے سامنے دوٹوک انداز میں واضح کر دیا کہ اس رسالت کی تصدیق ہی اب آپؐ کے اور آپؐ کے رشتہ دارں کے درمیان ربط و تعلق کا ذریعہ ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی اس آگاہی کی آنچ میں رشتہ ناطہ کی وہ عصبیت گھل کر زائل ہو گئی جس پر عربوں کی بنیاد تھی۔

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کو اپنے شہر میں بلند مقام حاصل تھا اور لوگ آپؐ سے محبت اور آپؐ پر اعتماد کرتے تھے۔ اب اچانک آپؐ کو نفرت کا نشانہ بننا پڑا، مغرور و احمق لوگ آپؐ سے دشمنی کرنے لگے، انتہائی قریبی اہل خاندان بھی مخالفت پر اتر آئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ جس حق کے لئے کھول دیا تھا اس کی راہ میں یہ ساری تکلیفیں معمولی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس آگاہی کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں اس طرح رات کاٹیں کہ شہر میں نفرت وعداوت کی موجیں لہریں لے رہی ہوں اور پورا مکہ اس انقلاب کا گلا گھونٹنے کے لئے تیار ہو رہا ہو جس نے اچانک سامنے آکر ان کی موروثی رسوم وروایات کے استیصال کا خطرہ پیدا کر دیا تھا۔

قریش کے لوگ حق سے کنارہ کشی کی اپنی معاندانہ راہ پر چلنے لگے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کے اپنے راستے پر گامزن رہے۔ آپؐ اسلام کو نرمی کے ساتھ پیش کرتے رہے اور بت پرستی کی نامرادیوں کو واضح کرتے رہے۔ اپنے قریبی اہل خاندان کو ہدایت کی راہ پر لگانے کی شدید خواہش نے آپؐ کو ان کے سامنے دوبارہ دعوت پیش کرنے پر آمادہ کیا کیونکہ آپؐ کے خاندان کو عربوں میں جو بلند مقام حاصل تھا اس سے بہت اہم نتائج نکل سکتے تھے۔ پھر یہ کہ وہ لوگ آپؐ کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جن کے لئے بھلائی چاہنا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچانا آپؐ کی دلی خواہش تھی۔

ابن اثیر کی ایک روایت میں ہے کہ جب اقرباء کو آگاہ کرنے کے سلسلے میں آیت نازل ہوئی تو آپؐ پر بھاری بوجھ پڑا جس سے آپ مریض کی طرف گھر میں پڑ گئے۔ آپؐ کی پھوپھیاں عیادت کے لئے آئیں۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاندان کو آگاہی دینے کا حکم فرمایا ہے۔ پھوپھیوں نے کہا: آپ خاندان والوں کو دعوت دیجئے، بس ابولہب کو نہ بلایئے کیونکہ وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں دعوت دی، بنی عبدالمطلب میں سے ۴۵ شخص آکر جمع ہوئے، ابولہب پہلے ہی بول پڑا کہ یہ سب تمہارے چچا اور چچازاد بھائی ہیں، ان سے بات کرو اور اپنی گمراہی (نعوذ باللہ) چھوڑ دو اور جان لو کہ تمام عربوں کے مقابلہ میں تمہارے خاندان والے کچھ طاقت نہیں رکھتے۔ اگر تم اپنی بات پر قائم رہتے ہو تو ایسا نہ ہو کہ قریش کے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں اور تم اپنے خاندان والوں کے لئے بدترین مصیبت

Marfat.com

کا ذریعہ بن جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے اس مجلس میں سکوت فرمایا اور بات نہیں کی پھر دوسری مرتبہ دعوت دی پھر حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ پیش رو اپنے لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں تم لوگوں کی طرف خاص طور پر، سارے لوگوں کی طرف عام طور پر، پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ خدا کی قسم! تم اسی طرح موت سے دوچار ہو گے جیسے تمہیں نیند آتی ہے، پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے بیدار ہوتے ہو اور جو کچھ کر رہے ہو اس کا تم سے محاسبہ کیا جائے گا پھر یا تو ہمیشہ کے لئے جنت ہو گی یا ہمیشہ کے لئے جہنم۔

حضرت ابو طالب نے کہا: تمہاری مدد ہمیں کس قدر پسند اور تمہاری نصیحت کس قدر قابل قبول ہے اور ہم کس قدر تمہاری بات کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ یہ تمہارے خاندان کے لوگ اکٹھا ہیں۔ میں بھی انہی میں سے ہوں، البتہ جو کچھ تم چاہتے ہو اس کی طرف سب سے پہلے لپکنے والا ہوں اب جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے پورا کرو، خدا کی قسم میں برابر تمہارا تحفظ کرتا رہوں گا۔ البتہ میرا دل حضرت عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

ابولہب نے کہا: خدا کی قسم یہی تو برائی ہے۔ اس سے پہلے کہ دوسرے لوگ تمہیں پکڑیں، تم لوگ ان کا ہاتھ پکڑ لو۔

حضرت ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم ہم جب تک زندہ رہیں گے ان کا تحفظ کریں گے۔

ابو طالب

شرک اور آبائی دین پر برقرار رہنے کے باوجود حضرت ابو طالب اپنے بھتیجے کے لئے گرمجوشانہ جذبات رکھتے رہے۔ انہیں پوری طرح احساس تھا کہ یہ دعوت ان کے اور ان کے خاندان کے لئے کتنے مسائل کھڑے کرے گی۔ لیکن حضرت محمدؐ سے محبت، دل میں ان کی عزت اور آپ کو ہر ناپسندیدہ چیز سے دور رکھنے کی دلی خواہش نے انہیں آمادہ کیا کہ وہ آپ کی حمایت اور آزادانہ سرگرمیوں کے تحفظ کی ضمانت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

Marfat.com

حضرت ابو طالب مکہ مکرمہ کی ان چند شخصیات میں تھے جن کو خاندان اور دیگر لوگوں میں انتہائی عزت حاصل تھی ۔کوئی شخص ان کی ذمے داری کو توڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری طرف ابولہب ان لوگوں میں سے تھا جو حق و باطل کی پرواہ کیے بغیر بس اپنے مفادات اور ساکھ سے غرض رکھتے ہیں جس چیز سے بھی ان کے مفادات کو نقصان پہنچے یا ان کی ساکھ مجروح ہو، وہ اس پر بھڑک کر حماقت کی حد تک پہنچ جاتے ہیں ۔ابولہب کے مزاج میں ایسی درشتگی تھی جو اسے گھٹیا چیزوں میں مبتلا کر دیتی تھی ۔اس کے دو بیٹوں کی شادیاں حضرت محمد ﷺ کی بیٹیوں سے ہوئی تھیں اس نے انہیں چھوڑنے کا حکم دے دیا چنانچہ عتبہ اور عتیبہ نے حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دے دی۔

غالباً ابولہب اس کینہ پروری میں اپنی بیوی ام جمیل بنت حرب (ابوسفیان کی بہن) سے متاثر تھا جو مختلف نامعقول اسباب کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے دین سے نفرت کرتی تھی اور آپؐ کے خلاف زبان درازی والزام تراشی بھی کرتی تھی۔

جب جاہلانہ خواہشات نے حضرت محمد ﷺ کے چچا (ابولہب) کو اس گھٹیا طریقہ سے آپ کے ساتھ سختی برتنے پر آمادہ کر رکھا تھا تو دور کے لوگوں کے رویہ کو کیا کہا جائے، جو ایک بے گناہ میں عیب جوئی کے خواستگار تھے۔

☆☆☆

لیکن اس شخص کے سامنے کیا ابولہب؟ اور کیا قریش؟ اور کیا عرب؟ اور کیا پوری دنیا؟ جس نے اس خدا کے پیغام کا بوجھ اٹھا رکھا تھا جو آسمان وزمین کا مالک ہے اور جو گمراہ دنیا کو پھر سے سیدھا راستہ دکھانا اور اوہام وخرافات کے بادل چھانٹنا چاہتا تھا۔اس عظیم رسالت کو اپنی دور کی منزل تک پہنچنے سے کسی جاہل یا فریب خوردہ شخص کا غصہ یا رکاوٹ کیسے روک سکتی تھی؟

تند و تیز موجیں بھی مضبوط جہازوں کو نہیں روک سکتیں۔اگر جاہل لوگوں نے اس دعوت کے ذریعہ اپنی قوم سے انحراف پر نکیر کی یہاںتک کہ انہیں صابی (بے دین) قرار دیا تو مسلمان تو ان پر اس سے زیادہ سخت نکیر کرنے والے تھے کہ انہیں نادان اور بے بنیاد اوہام وخرافات کا پیرو کار قرار دے رہے تھے۔

Marfat.com

حضرت محمدؐ نے مکہ مکرمہ سے جس دعوت کا آغاز کیا وہ کسی چھوٹے سے وطن کی تعمیر وتشکیل کے لئے نہیں تھی، بلکہ اس کا مقصد ایسی نسلوں کی تشکیل جدید تھی جو حق کی وارث بنیں اور جب تک روئے ارض پر زندگی کا سلسلہ برقرار رہتا ہے، اسے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلاتی رہیں۔

جس پیغام کی حال و مستقبل میں یہ شان ہو، کسی فرد یا قبیلہ کی دشمنی اس کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ پھر یہ دشمن کون تھے؟

ایسے متعصب لوگ جن کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے تھے اور جو اپنے مخالفین کو کچل دینا چاہتے تھے:

واذا تتلیٰ علیهم آیاتنا بینٰت تعرف فی وجوه الذین کفروا المنکر یکادون یسطون بالذین یتلون علیهم آیاتنا (الحج:۷۲)

اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی ان لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے جو انہیں ہماری آیات سناتے ہیں۔

یا ایسے دولت میں بدمست لوگ جو باطل کو پسند کرتے تھے کہ وہ انہیں بدمستیوں کی چھوٹ دیتا تھا اور حق کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ ان کی راہوں میں حائل ہوتا تھا:

واذا تتلی علیهم آیاتنا بینٰت قال الذین کفروا للذین آمنوا ای الفریقین خیر مقاما واحسن ندیا (مریم:۷۳)

ان لوگوں کو جب ہماری کھلی کھلی آیات سنائی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں "بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں زیادہ شاندار ہیں۔

یا ایسے خردماغ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو بچوں کا کھلواڑ سمجھتے تھے۔!

واذا تتلی علیهم آیاتنا بینٰت قال الذین لا یرجون لقاء نا ائت قرآنا غیر هذا اوبدله (یونس:۱۵)

جب انہیں ہماری صاف صاف باتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ "اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔

یا ایسے کج فہم لوگ جو آیات کی تلاوت کے وقت باہم طے کر کے شور وشغب کرتے تھے، تا کہ آیات کو سنا نہ جا سکے اور کسی دل و دماغ پر اس کا اثر نہ پڑ سکے۔

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوافیه لعلکم تغلبون (فصلت:۲۶)

یہ منکرین حق کہتے ہیں "اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید کہ اسی طرح تم غالب آجاؤ۔

Marfat.com

اگر اہل مکہ اس وقت تک حضرت محمد ﷺ کی تصدیق میں تذبذب سے کام لیتے جب تک ان پر معاملہ بالکل واضح نہ ہو جاتا اور وہ اپنے موروثی خیالات اور آپ کی دعوت کے درمیان موازنہ کرتے تو کوئی بھی ذی ہوش ان پر نکتہ چینی نہ کرتا، لیکن وہ تو اسلام سے اس طرح دور بھاگے جیسے کوئی مجرم اپنا جرم ثابت ہونے کے بعد عدالت سے بھاگ جائے۔

جھٹلانے اور چیلنج کرنے کے ساتھ اس پہلوتہی سے رسول اللہ ﷺ کو رنج ہوا اور ہر سچے شریف آدمی کو اس پر رنج اور تکلیف ہوتی ہے کہ اسے جھٹلایا جائے اور اس سے کنارہ کشی کی جائے۔

تب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ڈھارس بندھائی اور جھٹلانے والوں کی دلی حالت سے آگاہ فرمایا:

قد نعلم انه ليحزنك الذي يقولون فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون (الانعام:۳۳)

اے نبی ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے لیکن یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔

اگر کوئی پاگل شخص آپ کے راستے میں آجائے اور آپ کو برا بھلا کہنے لگے تو اگر کوئی یہ کہے تو آپ مان لیں گے کہ یہ محض اپنی دماغی شورش میں اول فول بک رہا ہے اس کا مقصد نقصان پہنچانا نہیں۔ یہی حال ان مشرکین کا تھا ان کا انکار اور مخالفت آپ کی ذاتی مخالفت سے پہلے ان کی فطرت میں موجود غلط جذبوں کا نتیجہ تھی۔ کیونکہ وہ آپ کی تکذیب نہیں کر رہے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر رہے تھے۔ لہذا حضرت محمد ﷺ کے لئے یہی مناسب تھا کہ آپ دعوت کی راہ میں آگے بڑھتے رہیں اور جو بھی رکاوٹیں اور دشواریاں سامنے آئیں، ان کی پرواہ نہ کریں۔ اسی طرح جو لوگ آپ کی رسالت پر ایمان لائیں وہ ثابت قدم رہیں، کیونکہ ثابت قدمی محض ان کے ذاتی فائدے کے لئے نہیں تھی، نہ محض ایمان کا ان پر ایسا حق تھا، بلکہ ایسا کرنا تو تمام آنے والی نسلوں کے مفاد میں تھا۔ عالیشان عمارت زمین کے اوپر نہیں کھڑی ہوتی، بلکہ ان ستونوں پر کھڑی ہوتی ہے جن کی جڑیں زمین کے اندر گہرائی تک جمی ہوتی ہیں، کیونکہ ایسے ہی ستون اس کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کے اولین ساتھی ۔۔۔ اپنے ٹھوس ایمان ویقین اور بہترین

Marfat.com

ثابت قدمی کی بدولت۔۔۔آپ کی رسالت کی عظیم الشان عمارت کے ستون تھے جو مشرق ومغرب تک پھیلنے والی تھی۔

جبر وظلم

مشرکین نے طے کیا کہ وہ اسلام کی مزاحمت اور اسے قبول کرنے والوں کو طرح طرح سے اذیتیں دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھیں گے۔رسول اللہ ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت اور اپنی قوم کی گمراہی کا باقاعدہ اعلان واظہار کیا تو مکہ غیظ وغضب سے پھٹ پڑا، گویا کوئی زلزلہ آ گیا ہو۔دس برس تک وہ مسلمانوں کو باغی ونافرمان قرار دیتا رہا اور حرم میں بھی ان کی جان ومال وآبرو کو پامال کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔یہانتک کہ ان کا جینا دوبھر کر دیا۔اس کے ساتھ ہی تحقیر وتمسخر کی جنگ بھی شروع کر دی جس کا مقصد مسلمانوں کو رسوا کرنا اور ان کے حوصلے توڑ دینا تھا۔خود رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں پر احمقانہ الزامات لگائے گئے، اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑانے کے لئے ایک گروپ تشکیل دیا گیا، جیسے آج صحافت کو عوام میں مخالفین کو رسوا کرنے کے لئے ان کی مضحکہ خیز تصویر پیش کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

گویا دشمنی کی یہ دونوں قسمیں چکی کے دوپاٹ تھے، جن میں مسلمان پسنے لگے

ان کے پیغمبر کو مجنون کہا جا رہا تھا:

وقالوا یا ایها الذی نزل علیه الذکر انك لمجنون (الحجر:٦)	یہ لوگ کہتے ہیں ”اے وہ شخص جس پر یہ ذکر نازل ہوا ہے تو یقیناً دیوانہ ہے۔

اور جادو اور جھوٹ کی تہمت لگائی جا رہی تھی:

وعجبوا ان جاء هم منذر منهم وقال الکافرون هذا سحر کذاب (ص:٤)	ان لوگوں کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ ایک ڈرانے والا خود انہی میں سے آ گیا منکرین کہنے لگے کہ ”یہ ساحر ہے سخت جھوٹا ہے۔

آپ کے خلاف ہر طرح کا مخالفانہ پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا:

وان یکاد الذین کفروا لیزلقونك بابصارهم لما سمعوا الذکر ویقولون انه لمجنون (القلم:٥١)	جب یہ کافر لوگ کلام نصیحت (قرآن) سنتے ہیں تو تمہیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمہارے قدم اکھاڑ دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔

Marfat.com

آپؐ کے ماننے والے مسلمانوں پر بھی طرح طرح کی پھبتیاں کسی جا رہی تھیں:

ان الذین اجرموا کانوا من الذین آمنوا یضحکون واذامروا بھم یتغامزون واذا انقلبوا الی اھلھم انقلبوا فکھین واذا رأوھم قالوا ان ھؤلاء لضالون وما ارسلوا علیھم حافظین (المطففین:۲۹۔۳۳)

مجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے جب ان کے پاس سے گذرتے تو آنکھیں مار مار ان کی طرح اشارے کرتے تھے اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں حالانکہ وہ ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

پھر یہ جنگ کمزور اور بے سہارا مسلمانوں کی انتہائی اذیت رسانی بلکہ خونریزی تک پہنچ گئی، جن کی حمایت میں کوئی گروہ نہیں تھا۔ انہیں ذلت وعذاب سے کوئی بچانے والا نہیں تھا۔ وہ یا تو ایمان سے دستبردار ہوں، اذیتیں جھیلتے رہیں، یا موت کا پیالہ منہ سے لگالیں:

عمارؓ بن یاسرؓ

جن لوگوں کو غیر معمولی قہر وظلم کا سامنا کرنا پڑا ان میں حضرت عمارؓ بن یاسر بھی تھے جو بنی مخزوم قبیلہ کے غلام تھے اور اپنے والد اور والدہ کے ساتھ شروع ہی میں ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ جب دوپہر میں دھوپ چلچلانے لگتی تھی تو انہیں تپتی ہوئی کنکریوں والے راستوں پر گھسیٹا جاتا۔ ایک بار اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا وہاں سے گذر ہوا تو آپؐ نے ان لوگوں کو صبر کی تلقین فرمائی اور جنت کی بشارت دی، حضرت یاسرؓ تو اذیت رسانی کی تاب نہ لا کر انتقال فرما گئے، آپ کی بیوی حضرت سمیہؓ نے ابوجہل کو برا بھلا کہا تو اس نے سامنے سے نیزہ بھونک دیا جس سے وہ بھی انتقال کر گئیں اسلام کی راہ میں جام شہادت پینے والی یہ پہلی خاتون ہیں۔ حضرت عمارؓ پر سختیاں مزید بڑھادی گئیں۔ کبھی ان کے سینے پر جلتا ہوا بھاری پتھر رکھا جاتا، کبھی ڈبو یا جاتا، ان سے کہا جاتا کہ صرف اس شرط پر انہیں چھوڑا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت محمدؐ کو برا بھلا کہیں یا لات وعزّیٰ کے بارے میں کلمۂ خیر کہیں۔ ایک بار مجبور ہو کر انہوں نے ایسا کر لیا تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔ تب وہ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپؐ نے دریافت

Marfat.com

فرمایا: کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! برا ہوا، ایسی ایسی بات ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا: تم اپنے دل کی حالت کیسی پاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: دل تو ایمان پر مطمئن ہے۔ آپؐ نے فرمایا: عمار! اگر وہ دوبارہ مجبور کریں تو پھر ایسا ہی کر لینا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (النحل:۱۰۶) سوائے اس کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

حضرت عمارؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام معرکوں میں شامل رہے۔

حضرت بلالؓ و حضرت خبابؓ

ایسے ہی لوگوں میں حضرت بلالؓ بن رباح بھی تھے، ان کا آقا امیہ بن خلف تھا جب دوپہر میں دھوپ انتہائی شدید ہو جاتی تو وہ انہیں تپتی ہوئی ریت پر الٹا پلٹتا اور بھاری چٹان ان کے سینے پر رکھواتا، پھر کہتا: تم اسی حالت میں رکھے جاؤ گے یہاں تک کہ مر جاؤ یا (حضرت) محمدؐ کا انکار کرو اور لات و عزیٰ کی پوجا کرو۔

حضرت بلالؓ برابر ''احد، احد'' دہراتے رہتے۔

جب کمزوروں پر قریش کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا تو حضرت خبابؓ بن ارت رسول اللہ ﷺ کے پاس مدد طلب کرنے کے لئے گئے، آپؐ کعبہ کے زیر سایہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: کیا آپ ہمارے لئے دعا نہیں فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں کریں گے؟ آپؐ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور فرمایا کہ تم سے پہلے کے زمانے میں آدمی کو پکڑا جاتا تھا پھر زمین میں گڑھا کھود کر اسے کھڑا کیا جاتا تھا پھر آری لا کر اس پر رکھی جاتی تھی اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔ اسی طرح لوہے کے کنگھے اس کی پشت اور ہڈیوں سے گذارے جاتے تھے لیکن تب بھی وہ اپنے دین سے باز نہیں آتا تھا، خدا کی قسم! خدا اس معاملہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کر جائے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا ہاں صرف اپنی بھیڑ بکریوں کے لئے بھیڑئیے کا اندیشہ رہے گا۔ لیکن تم لوگ جلد بازی کر رہے ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

ان بے چاروں کے لئے حضرت محمد ﷺ کرتے بھی کیا؟ آپؐ کسی کی مدد کیسے کر سکتے تھے جبکہ خود اپنے آپ کو اذیتوں سے بچانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ آپ پر سجدہ کی حالت میں ذبح کئے ہوئے جانور کی اوجھ تک لا کر ڈال دی جاتی تھی۔ آپؐ کے گھر کے آگے گندگیاں پھینک دی جاتی تھیں۔ لیکن صبر کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

حضرت محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو کسی دیر سویر کے فائدے پر اکھٹا نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے تو بس نگاہوں کے سامنے سے پردہ چاک کر دیا تھا اور اس حق کو سامنے کر دیا تھا جو ایک زمانہ سے چھپا ہوا تھا۔ آپؐ نے دلوں سے زنگ دور کیا تھا، جس سے فطری ایمان ویقین کی پہچان پیدا ہوگئی تھی، جس سے جاہلیت نے انہیں محروم کر رکھا تھا۔ آپؐ نے انسانوں کا ان کے پروردگار کے ساتھ قدیمی اور ٹھوس ربط وتعلق جوڑ دیا تھا اور لوگوں کی پراگندہ فکری دور کر دی تھی۔ آپؐ نے لوگوں کے سامنے ابدی زندگی اور فنا کے درمیان موازنہ کر کے فرق واضح کر دیا تو لوگوں نے عارضی دنیا پر دار آخرت کو ترجیح دی اور عظیم خدا اور گھڑے ہوئے اصنام کے درمیان فرق نمایاں کر دیا تو لوگوں نے اصنام کو چھوڑ کر اس ذات کو اختیار کر لیا جو آسمان وزمین کی خالق ہے۔

کیا یہ کم تھا کہ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو اس عظیم بھلائی سے بہرہ مند کر دیا تھا اور آپؐ کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی عنایت کے سزاوار ہو گئے تھے۔ اب اگر اذیتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو انہیں جزائے آخرت کے یقین کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے، اور جو کچھ ایمان کی دولت انہیں مل چکی ہے، اس پر ثابت قدمی سے جمے رہنا چاہئے۔ ایک دن کفر وایمان کے درمیان جنگ ختم ہوگی اور جام شہادت پینے والے مومنین اور نامراد ہونے والے منکرین کے درمیان فرق واشگاف ہو جائے گا:

وقل للذين لا يومنون اعملوا على مكانتكم انا عاملون وانتظروا انا منتظرون ولله غيب السموات والارض واليه يرجع الا مر كله فاعبده وتوكل عليه وما ربك بغافل عما تعملون (هود: ۱۲۱۔۱۲۳)

جو لوگ جو ایمان نہیں لاتے تم ان سے کہدو کہ تم اپنے طریقے پر کام کرتے رہو اور ہم اپنے طریقے پر کئے جاتے ہیں انجام کار کا تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی چھپا ہوا ہے سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے اور سارا معاملہ اسی کی طرف لوٹتا ہے پس اے نبی تم اس کی بندگی کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو تمہارا رب اس سے بے خبر نہیں ہے

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ اپنے لوگوں کے دلوں میں اعتماد پیدا کرتے تھے اور اسلام کی سربلندی واشاعت نیز سرکشوں کے زوال کے تعلق سے زبردست امید اور توقع کی آبیاری فرماتے تھے۔ اس اعتماد ویقین کو مخالفین نے تمسخر کا ذریعہ بنالیا تھا۔ مثلاً اسود بن مطلب اور اس کے ساتھی جب آپؐ کے ساتھیوں کو دیکھتے تھے یہ کہہ کر مذاق اڑاتے تھے کہ یہ لو دنیا کے بادشاہ آرہے ہیں۔ کل یہی قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر قابض ہوں گے۔ پھر تالیاں بجاتے تھے۔

☆☆☆

اس انداز میں دعوت کی مخالفت کے ساتھ مشرکین نے باہم یہ بھی طے کرلیا کہ جو لوگ باہر سے مکہ مکرمہ میں آتے ہیں انہیں رسول اللہ ﷺ کی بات سننے سے روکا جائے مغیرہ بن شعبہ نے قریش کے لوگوں سے کہا۔ حج کے دنوں میں لوگ تمہارے پاس آئیں گے اور (حضرت) محمد (ﷺ) کے بارے میں پوچھیں گے تو تم مختلف باتیں کہو گے۔ کوئی جادوگر کہے گا، کوئی کاہن، کوئی شاعر اور کوئی مجنون۔ اس سے بہتر ہے کہ سب ایک ہی بات کہو کہ وہ جادوگر ہیں، جو بھائی بھائی اور میاں بیوی کے درمیان پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔ یہ لوگ حج کے موسم میں مکہ مکرمہ کے تمام راستوں پر پھیل جاتے اور لوگوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ حاجیوں کے گروپوں کے پاس جاتے رہے اور انہیں اسلام کے بارے میں بتاتے رہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس جاتے اور ان سے کلام الٰہی پھیلانے کے سلسلے میں مدد طلب کرتے تھے۔

بات چیت

مشرکین سمجھ رہے تھے کہ کمزور اور بے سہارا لوگوں کی دھر پکڑ اور دیگر لوگوں کی شدید مخالفت لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روک دے گی اور انہوں نے تمسخر و تذلیل کے جو ذرائع اختیار کر رکھے ہیں، ان سے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور وہ اپنے دین سے شرمانے لگیں گے، پھر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔ لیکن یہ سارے گمان باطل ٹھہرے۔ ایک بھی مسلمان اس حق سے نہیں پھرا جس سے اسے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا۔ بلکہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہی جارہی تھی۔ تذلیل و تمسخر کے حربے

Marfat.com

اسلام کی تصویر بگاڑنے کے بجائے مسلمانوں کے شعور میں مشرکین کی گمراہیوں کا احساس شدید تر کرتے گئے۔

ایک ناواقف و جاہل کا تمسخر کسی واقف اور جانکار پر کیا اثر ڈال سکتا ہے؟

ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه ویحل علیه عذاب مقیم (ہود:۳۸،۳۹)

تو ہم بھی تم پر اسی طرح ہنس رہے ہیں جیسے تم ہنس رہے ہو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر وہ بلا ٹوٹ پڑتی ہے جو ٹالے نہ ٹلے گی۔

تب قریش نے دوسرا حربہ آزمانے کا فیصلہ کیا، یعنی ترغیب و ترہیب کا۔ انہوں نے حضرت محمد ﷺ کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا اور یہ پیش کش کی کہ آپؐ دنیا کی جس چیز کی خواہش کریں وہ آپؐ کے قدموں میں ڈال دی جائے گی۔ آپؐ کی حمایت کرنے والے چچا کے پاس نمائندہ بھیجا اور انہیں آپؐ کی تائید کے انجام سے ڈرانے کی کوشش کی تاکہ وہ بھی آپؐ سے بات کر کے آپؐ کو چپ کرائیں۔

☆☆☆

قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو جو ایک سلجھا ہوا آدمی تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، اس نے جا کر کہا کہ: بھتیجے! حسب نسب کے اعتبار سے تمہارا جو بلند مقام ہے، تم اس سے آگاہ ہو۔ تم اپنی قوم کے پاس ایسا عظیم معاملہ لے کر آئے ہو، جس سے تم نے ان کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ میری بات سنو، میں چند چیزیں پیش کرتا ہوں، شاید تم ان میں سے کوئی مان سکو:

اگر تم دولت چاہتے ہو تو ہم اپنی دولت میں سے تمہارے لئے اتنی دولت اکٹھا کر دیں گے کہ تم ہم میں سب سے زیادہ دولتمند ہو جاؤ۔

اور اگر تم جاہ و شرف چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیں گے اور بغیر تمہارے کوئی معاملہ طے نہیں کریں گے۔

اور اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیں گے۔

اور اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ کوئی آسیبی معاملہ ہے، جسے تم دور نہیں کر سکتے، تو ہم تمہارا علاج کرائیں گے اور جب تک تندرست نہ ہو جاؤ، اپنا مال خرچ کرتے رہیں گے۔

جب عتبہ اپنی بات سے فارغ ہو گیا تو آپؐ نے سورۃ السجدہ کی شروع کی

Marfat.com

آیتیں تلاوت فرمائیں:

حم تنزیل الرحمن الرحیم کتاب فصلت آیاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون، بشیرا ونذیرا فاعرض اکثرھم فھم لا یسمعون وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی آذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب فاعمل اننا عاملون قل انما الٰھکم الہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ وویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ وھم بالآخرۃ ھم کافرون (حم السجدۃ:۱۔۷)

حٰم۔ یہ خدائے رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں عربی زبان کا قرآن ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں بشارت دینے والا اور ڈرادینے والا مگر ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے روگردانی کی اور وہ سن کر نہیں دیتے کہتے ہیں جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لئے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کئے جائیں گے اے نبی ان سے کہو میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا مجھے وحی کے ذریعہ سے بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے لہٰذا تم سیدھے اسی کا رخ اختیار کرو اور اس سے معافی چاہو تباہی ہے ان مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے وحی مبارک کی یہ آیتیں تلاوت کے لئے اس لئے منتخب کیں کہ مخاطب کو رسالت اور رسول کی حقیقت کا علم ہو جائے۔ اور یہ کہ محمد ﷺ اپنے خالق کی طرف سے اس کی مخلوق کی طرف ایک ایسی کتاب لے کر آئے ہیں، جو انہیں گمراہی سے ہٹا کر ہدایت کا راستہ دکھائے اور انہیں پراگندہ خیالی سے نجات دے اور رسول خود سب سے پہلے اس رسالت کی تصدیق اور اس کے احکام پر عمل کے لئے مکلف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں اور اس سے مغفرت چاہیں تو حضرت محمد ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اس سے رجوع اور استغفار کرنے والے ہیں۔ آپؐ نہ بادشاہت کے طلبگار تھے، نہ دولت وجاہ کے اللہ تعالیٰ نے یہ سب آپؐ کے لئے ممکن بنا دیا تھا۔ لیکن آپؐ نے اس کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائی اور جب مال ودولت کے خزانے آپؐ پر امنڈ پڑے، تب بھی آپؐ نے انہیں فوراً لٹا دیا اور اپنے گھر والوں کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔

قریش کی طرف سے عتبہ یہ چاہتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت اور لوگوں کے درمیان انصاف کا قیام چھوڑ دیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی معمولی

Marfat.com

چٹان زمین سے اٹھ کر مدار میں پہنچ جائے اور سورج سے مطالبہ کرنے لگے کہ وہ اپنی گردش چھوڑ کر کائنات کو اپنی روشنی وحرارت سے محروم کردے؟

پھر قریش کا یہ مطالبہ کتنا نامعقول تھا۔قرآن کی آیات سننے کے بعد ایسا لگنے لگا کہ گویا عتبہ اچانک خواب غفلت سے بیدار ہو گیا ہو، اس نے آگے یہ وعید سنی کہ:

فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقة مثل صاعقة عادوثمود (فصلت:۱۳) اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہدو کہ تم کو اسی طرح ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔

تو اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا، گویا اس پر بجلیاں گرنے ہی والی ہوں۔ پھر قریش کی طرف لوٹ کر یہ تجویز رکھی کہ (حضرت) محمدؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

☆☆☆

رہا حضرت ابو طالب کی طرف بھیجا جانے والا وفد، تو اس نے جا کر کہا: ابو طالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا، ہمارے دین میں نقص نکالا ہمارے آباء اجداد کو گمراہ قرار دیا اور ہمیں ناسمجھ۔ اب یا تو آپ انہیں روکیں یا پھر ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں، کیونکہ آپ بھی ہماری ہی طرح ان سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔حضرت ابو طالب نے انہیں خوش اسلوبی سے واپس لوٹا دیا اور رسول اللہ ﷺ اپنا کام کرتے رہے۔قریش کے لوگ یہ دیکھ کر پھر حضرت ابو طالب کے پاس گئے اور کہا: ابو طالب! آپ ہم میں معمر اور معزز ہیں، ہم نے آپ سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو روکیں لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔خدا کی قسم ہم اپنے معبودوں کی برائی اپنے آباء واجداد پر نکتہ چینی اور اپنے خیالات کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتے۔

یا تو آپ اپنے بھتیجے کو روکیں یا پھر ہم آپ کو بھی انہی کے ساتھ رکھیں گے یہانتک کہ ہم دونوں فریقوں میں سے کوئی نیست ونابود ہو جائے۔یہ کہہ کر وہ لوگ واپس چلے گئے۔

حضرت ابو طالب پر اپنی قوم کی جدائی اور دشمنی گراں گذری۔ان کا دل حضرت محمد کی حمایت سے دستبردار ہونے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔انہوں نے آپؐ کو بلا کر قریش والوں کی باتیں بتائیں اور کہا: اپنے آپ کو اور مجھے بچانے کی کوشش کرو۔میری طاقت سے زیادہ بوجھ مجھ پر نہ ڈالو۔آپؐ نے خیال کیا کہ چچا کوئی دوسری رائے قائم کر چکے ہیں

Marfat.com

اور آپ کی مدد کرنے کی طاقت نہیں محسوس کر رہے ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا: چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں کہ میں یہ معاملہ چھوڑ دوں تو میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا خود میں ہلاک ہو جاؤں۔

پھر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپؐ اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ حضرت ابو طالب نے آپ کو بلایا اور کہا: بھتیجے! جو چاہو کرو، میں کبھی تمہیں کسی چیز کے حوالے نہیں کر سکتا۔ پھر انہوں نے شعر پڑھا (ترجمہ)

خدا کی قسم وہ سب مل کر بھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

یہانتک کہ میں مٹی میں ملا دیا جاؤں۔

اس طرح ترغیب و ترہیب کی ساری کوششیں دعوت کی راہ میں بند باندھنے میں ناکام ہو گئیں اور قریش کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ جو کچھ چاہتے ہیں وہ آسان نہیں۔

تب پھر وہ اہل ایمان پر اپنا غصہ اتارنے لگے اور انہیں ہر ممکن اذیت پہنچانے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو پہنچنے والی اذیتوں سے انتہائی غمزدہ رہتے تھے، انہیں بچانے کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آتی تھی۔ تب آپؐ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔

یہ واقعہ بعثت کے پانچویں سال اور دعوت کے اعلان کے دو برس بعد پیش آیا۔

حبشہ کی طرف ہجرت

حبشہ کی طرف ہجرت، چھوٹے پیمانے پر، خاموشی کے ساتھ ہونے لگی، تاکہ قریش کے لوگوں کو فوراً معلوم نہ ہو۔ پہلا گروپ چند خاندانوں پر مشتمل تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ اور ان کے شوہر حضرت عثمانؓ شامل تھے۔ کل تعداد سولہ سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ جب ساحل سمندر پر پہنچے تو انہیں دو تجارتی جہاز مل گئے جنہوں نے انہیں حبشہ پہنچا دیا۔ جب تک قریش کے لوگ ان کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچے، وہ روانہ ہو چکے تھے۔

کچھ ہی دنوں بعد ان مہاجرین کو خبریں پہنچی کہ مشرکین نے صلح کر لی اور مسلمانوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے اور اذیت رسانی بند کر دی ہے۔ ان افواہوں کا اثر مسلمانوں کے دلوں پر پڑا اور انہوں نے وطن واپسی کا فیصلہ کر لیا لیکن جب مکہ مکرمہ کے

Marfat.com

قریب پہنچے تو السناک حقیقت واضح ہوگئی اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ اور اس کے رسول نیز مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کی دشمنی اپنے عروج پر ہے اور ان کے ظلم وستم کا سلسلہ ایک دن بھی نہیں رکا۔

بعض غفلت زدہ لوگوں نے گمان کیا تھا کہ اسلام اور صنم پرستی کے درمیان واقعی صلح ہوگئی تھی اور حضرت محمدؐ نے اصنام کی تعریف اور ان کے مقام کا اعتراف کرلیا تھا اس کے لئے مشرکین نے بزعم خود سورۃ النجم میں چند الفاظ گھڑ کر ملا لئے تھے کہ آپؐ نے ایسا پڑھا تھا، لیکن یہ سراسر لغو بات تھی۔ حضرت محمد ﷺ سے یہ بات کیسے ممکن ہوسکتی تھی جبکہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ولو تقول علینا بعض الا قاویل لاخذنا منه بـالیمین ثم لقطعنا منه الوتین فما منكم من احد عنه حاجزین (الحاقة:٤٤۔٤٧)

اگر اس (نبیؐ) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا

تاریخ وتفسیر کی بعض کتابوں میں اس گھڑی ہوئی افواہ کا ذکر آیا ہے، جبکہ اتنی بیہودہ بات ذکر کرنے کے قابل بھی نہیں تھی۔ داستانوں کے شوقین کچھ اہل قلم اپنی کتابوں میں ہر رطب ویابس شامل کرلیتے ہیں۔ مثلاً تفسیر خازن کھولئے سورہ ہود کی تفسیر میں لکھا ہوا ملے گا کہ جب حضرت نوحؑ کی کشتی میں گوبر بہت اکٹھا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی فرمائی کہ ہاتھی کہ دم کو جھٹکا دو، انہوں نے ایسا کیا تو اس سے خنزیر کا ایک جوڑا نکلا، پھر خنزیر کو چھوا تو اس سے چوہیا نکلی چنانچہ ان سب نے مل کر وہ گوبر کھا کر ختم کردیا پھر جب چوہیا کشتی میں رسیاں وغیر کاٹ کر فساد پھیلانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو وحی فرمائی کہ شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان مارو۔ انہوں نے جب ایسا کیا تو اس کی ناک سے ایک بلا اور ایک بلی نکلی، دونوں نے چوہے کو کھالیا۔

اس طرح کی خرافات ہمارے یہاں مختلف کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور نہیں معلوم قدیم کتابوں کو کب ان سے پاک کیا جائے گا۔ کیونکہ اس طرح کی چیزیں مسلمانوں کی غفلت کے زمانے میں یہودیوں کی سازش سے داخل کردی گئی ہیں۔

واقعہ صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مجلس میں، جس میں مسلمان اور مشرک دونوں موجود تھے، سورہ النجم کی تلاوت فرمائی، اس میں آگاہیوں کا

Marfat.com

ذکر شروع ہوا تو دل لرزنے لگے، جب ان آیتوں تک پہنچے:

والمؤتفكة اهوى فغشا ها ماغشى فبای آلاء ربك تتمارى هذا نذير من النذر الاولى ازفت الازفة ليس لها من دون الله كاشفة افمن هذا الحديث تعجبون وتضحكون ولا تبكون وانتم سمدون (النجم:٥٣-٦١)

اور اوندھی گرنے والی بستیوں کو اٹھا پھینکا پھر چھا دیا ان پر وہ کچھ جو (تم جانتے ہی ہو کہ کیا) چھا دیا۔ بس اے انسان اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں تو شک کرے گا یہ ایک تنبیہ ہے پہلے آئی ہوئی تنبیہات میں سے۔ آنے والی گھڑی قریب آ لگی ہے اللہ کے سوا کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں۔ اب کیا یہی وہ باتیں ہیں جن پر تم اظہار تعجب کرتے ہو؟ ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ اور گا بجا کر انہیں ٹالتے ہو؟ جھک جاؤ اللہ کے آگے اور بندگی بجا لاؤ۔

تو حق کا رعب ان مذاق اڑانے والے متکبر لوگوں پر بھی اس طرح چھا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہی سجدے میں گر پڑے۔ پھر جب سر اٹھائے تو انہیں محسوس ہوا کہ ایمان کا جلال و رعب ان پر غالب آ گیا تھا۔ تب وہ شرمندہ ہوئے اور یہ عذر گھڑنے لگے کہ انہوں نے حضرت محمدؐ کے ساتھ سجدہ اس لئے کیا کہ آپؐ نے ان کے اصنام کا احترام کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ وہ اپنے اضطراری فعل (سجدہ کرنے) کا عذر اسی طرح پیش کر سکتے تھے کہ اپنی گھڑی ہوئی بات کو پھیلائیں اور لوگوں کے دلوں میں یہ وہم پیدا کریں کہ آپؐ کسی وقت ان کی طرف مائل ہو گئے تھے، جبکہ حضرت محمد ﷺ کی صنم پرستی کے خلاف جدوجہد دن بدن شدید تر ہوتی جا رہی تھی اور اسی طرح صنم پرستوں کی دشمنی بھی۔

☆☆☆

حبشہ کے مہاجرین واپس آئے تو دیکھا کہ ظلم و ستم کا سلسلہ اور سخت ہو چکا ہے چنانچہ ان میں سے بعض مکہ کے کسی بڑے آدمی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے دوسرے روپوش رہے۔ قریش والوں نے واپس آنے والوں کو مزید ستانے اور تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں دگنی کر دیں۔ آپؐ کے سامنے کوئی راستہ ہی نہیں رہ گیا سوائے اس کے کہ آپؐ اپنے ساتھیوں کو دوبارہ حبشہ ہجرت کر جانے کا مشورہ دیں۔ یہ دوسری ہجرت اور دشوار حالات میں ہوئی کیونکہ اہل قریش اس بار پہلے ہی سے ہوشیار تھے۔ اس بار تراسی (٨٣) مرد اور نو عورتیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا سفر آسان بنا دیا اور وہ حبشہ کے فرمانروا نجاشی کے پاس پہنچ کر امن و امان سے رہنے لگے۔

Marfat.com

نجاشی معقول دل ودماغ رکھنے والا، اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ صحیح عقیدہ رکھنے والا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے چنانچہ اس نے ان پناہ گزینوں کے ساتھ جو اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لے بھاگ کر وہاں پہنچے تھے، بہترین سلوک کیا۔

☆☆☆

مشرکین پر یہ بات نہایت ناگوار گذری کہ مہاجرین کو اپنی جان اور اپنے دین کے لئے کوئی پناہ گاہ مل جائے۔اسلام دشمنی نے انہیں آمادہ کیا کہ وہ نجاشی کے پاس تحفے لے کر ایک وفد بھیجیں تا کہ وہ مسلمانوں کو اپنی حمایت سے محروم کر دے اور ان سے منہ پھیر لے۔ یہ وفد عمرو بن العاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ پر مشتمل تھا۔وفد نے پہلے نجاشی کے درباریوں کو قیمتی تحفے دے کر اپنا ہمنوا بنایا اور انہیں یہ دلیل ذہن نشیں کرائی کہ ''ہمارے کچھ نادان لوگوں نے اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے لیکن وہ بادشاہ (نجاشی) کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ ایک نیا دین لائے ہیں جس سے نہ ہم واقف ہیں نہ آپ ''انہوں نے درباریوں کو اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ نجاشی کو انہیں وہاں سے بھگانے کا مشورہ دیں۔

جب نجاشی کے سامنے معاملہ پیش ہوا اور اسے مہاجرین کو بھگانے کا مشورہ دیا گیا تو اس نے مناسب سمجھا کہ معاملہ کی چھان بین کی جائے، اور تمام فریقوں کی بات سنی جائے چنانچہ اس نے آپؐ کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔وہ لوگ آئے اور انہوں نے حضرت جعفرؓ بن ابو طالب کو اپنا ترجمان بنایا۔

نجاشی نے دریافت کیا: یہ کون سا دین ہے جس کے لئے تم لوگوں نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا ہے اور ہمارے دین یا کسی اور دین میں بھی داخل نہیں ہوئے؟

حضرت جعفرؓ نے جواب دیا: اے بادشاہ! ہم جاہلیت والے تھے۔بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری کرتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، پڑوسی کا حق نظرانداز کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، یہانتک کہ اللہ نے ہمارے پاس ہمی میں سے ایک رسول بھیجا جس کے نسب اور جس کی سچائی، امانت اور پاکیزگی سے ہم بخوبی واقف تھے۔اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو

Marfat.com

مانیں، اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی نہ بنائیں، اور جن بتوں کو ہم پوجتے تھے، انہیں چھوڑ دیں، رسول نے ہمیں ہدایت دی کہ ہم سچ بولیں، امانت ادا کریں، صلہ رحمی کریں اچھے پڑوس کو نبھائیں، خونریزی اور حرام چیزوں سے دور رہیں، ساتھ ہی ہم کو بدکاریوں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال ہڑپ کرنے سے روکا اور نماز وروزہ وغیرہ کا حکم دیا، تو ہم اس پر ایمان لائے، اس کی تصدیق کی، اس کے بتائے ہوئے حلال کو حلال اور حرام کو حرام مانا، تب ہماری قوم ہم پر چڑھ دوڑی۔ اس نے ہمیں طرح طرح سے اذیت دی اور ہمارے دین کے سلسلے میں ہمیں آزمائشوں میں ڈالا تاکہ ہم بتوں کی پرستش کی طرف لوٹ جائیں جب ان کے ظلم وستم حد سے بڑھ گئے اور وہ ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہونے لگے تو ہم آپ کے ملک میں چلے آئے اور آپ کو دوسروں پر ترجیح دی اور یہ امید قائم کی کہ آپ کے یہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نجاشی نے پوچھا کیا تمہارے پاس رسول کا لایا ہوا اللہ تعالیٰ کا کچھ کلام ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا، ہاں۔ پھر سورہ کہیعص کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ نجاشی اور اس کے دربار کے مذہبی رہنما آبدیدہ ہو گئے۔ ظاہر ہے یہ کلام اور حضرت عیسیٰؑ کا کلام ایک ہی سرچشمہ سے نکلے تھے۔

پھر نجاشی نے قریش کے وفد سے کہا: جاؤ میں کبھی بھی انہیں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ جب عمرو بن العاص اپنے ساتھی کے ساتھ نامراد ہو کر لوٹ رہے تھے تو عمرو نے اس سے کہا: خدا کی قسم کل میں ایسی ترکیب کروں گا جس سے وہ (مہاجرین) نیست و نابود ہو جائیں گے۔

جب دوسرا دن ہوا تو عمرو بن العاص نے نجاشی کہا کہ یہ لوگ (مہاجرین) حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے بارے میں بڑی بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے انہیں بلا کر دریافت کیا تو حضرت جعفرؓ نے کہا: حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبیؐ ہمارے پاس لے کر آئے ہیں، وہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول وروح اور اس کا کلمہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم کو القا کیا۔

نجاشی نے زمین سے لکڑی کا ایک تنکا اٹھایا اور کہا: تم نے جو کچھ بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ اس سے اس تنکے کے بقدر بھی زیادہ نہیں۔ نجاشی کے پادری لوگ بھڑک

Marfat.com

گئے۔ نجاشی نے کہا: چاہے تم بھڑک ہی کیوں نہ جاؤ۔ پھر مسلمانوں سے کہا: جاؤ تم مامون ہو میں ہرگز یہ نہیں چاہوں گا کہ تمہارے کسی شخص کو تکلیف پہنچا کر مجھ سونے کا کوئی پہاڑ ہی کیوں نہ مل جائے۔ پھر قریش کے تحائف لوٹاتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ نے (بادشاہت عنایت کرتے ہوئے) مجھ سے رشوت نہیں لی تھی کہ میں تم سے لوں۔ نہ اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات مانی تھی کہ میں اس کے سلسلے میں لوگوں کی بات مان لوں۔ اس طرح مسلمان وہاں نہایت امن و سکون سے رہتے رہے۔

عمرو بن العاص کا حربہ ناکام ہو گیا اور وفد ناکامی و رسوائی کے ساتھ مکہ لوٹ آیا، قریش نے یہ سمجھ لیا کہ وہ بس اپنے دائرہ اثر ہی میں اسلام کے سلسلہ میں اپنے کینہ کی تسلی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جن مسلمانوں پر قابو چلتا تھا ان کے خلاف اور مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔

حضرت حمزہؓ و حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

گھنگھور گھٹاؤں کے درمیان سے کبھی کبھی بجلی چمک اٹھتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر نہایت سخت دن گذر رہے تھے، جن کی وجہ سے متعدد خاندان وہاں سے فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے، جو باقی رہ گئے وہ مشرکین کے جور و ستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ لیکن اسی دوران کچھ نئے عناصر اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس نئے واقعہ نے قریش کو مجبور کیا کہ وہ اپنی مہلک کارروائیوں سے پہلے صورتحال پر پھر غور کر لیں۔

پہلے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ایمان لائے، جو آپؐ کے چچا اور دودھ شریک بھائی تھے۔ یہ بہت طاقتور اور مضبوط شخص تھے۔ ان کے اسلام کا سبب یہ بنا کہ ایک روز ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کو سخت برا بھلا کہا۔ حضرت حمزہؓ کہیں شکار سے لوٹے تو عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی نے ان سے کہا: ابوعمارہ! کاش آپ نے دیکھا ہوتا کہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) نے آپ کے بھتیجے کو کس قدر برا بھلا کہا اور اذیت دی۔ لونڈی نے کہیں قریب سے یہ واقعہ دیکھا تھا۔ حضرت حمزہؓ بغیر کسی طرف متوجہ ہوئے سیدھے وہاں پہنچے، جہاں ابوجہل اپنے لوگوں کی مجلس میں بیٹھا تھا حضرت حمزہؓ نے اس کے سر پر کمان ماری، جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا اور فرمایا: تم اسے برا بھلا کہو گے جبکہ میں اس کے دین پر ہوں؟

Marfat.com

جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں ہم نے علم دنیا کے لئے طلب کیا تو اس نے اس سے انکار کر دیا کہ وہ صرف دین کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے ہو۔ اسی طرح حضرت حمزہؓ شروع میں اس لئے اسلام لائے کہ ان کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کے بھتیجے کی بے عزتی کی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے ان کا دل کھول دیا اور انہوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس سے مسلمانوں کو کتنی عزت و طاقت حاصل ہوئی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عامرؓ بن ربیعہ کی بیوی روایت کرتی ہیں کہ ہم حبشہ کی طرف آمادہ سفر تھے۔ حضرت عامر کسی ضرورت سے گئے تھے کہ حضرت عمرؓ جو اس وقت مشرک تھے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ہمیں ان سے اذیت پہنچا کرتی تھی۔ انہوں نے کہا ام عبداللہ! کیا تم لوگ جا رہے ہو؟ میں نے کہا ہاں، خدا کی قسم ہم خدا کی زمین میں کہیں چلے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کشادگی پیدا کر دے۔ تم لوگوں نے ہم پر کافی ظلم و ستم کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دے۔ میں نے اس وقت عمر میں نرمی و رنج محسوس کیا۔ جب عامرؓ لوٹے تو میں نے انہیں یہ واقعہ بتایا اور کہا کہ کاش آپ نے ہمارے بارے میں عمر کی نرمی اور غم دیکھ لیا ہوتا۔ انہوں نے کہا: کہ کیا تمہیں ان سے اسلام کی امید ہو گئی تھی؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے گا جب تک خطاب کا گدھا بھی مسلمان نہ ہو جائے۔ حضرت عامر ان کی سختی اور مسلمانوں پر تشدد دیکھ چکے تھے۔ لیکن عورت کا دل مرد سے زیادہ سچا ثابت ہوا، حضرت عمرؓ کی شدت ہلکا چھلکا تھی، جس کے پیچھے نرمی اور رحم دلی چھپی ہوئی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دل میں متضاد احساسات کی کشمکش جاری تھی ایک طرف آباء واجداد کی قائم کی ہوئی روایات اور لہو ولعب اور شراب وغیرہ کی عادتیں تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کی ثابت قدمی اور اپنے عقیدہ کی راہ میں آزمائشیں برداشت کرنے کی صلاحیت انہیں متاثر کر رہی تھی۔ پھر کسی بھی صاحب عقل کی طرح ان کے دماغ میں بھی خیالات پیدا ہو رہے تھے کہ اسلام جن چیزوں کی دعوت دے رہا تھا وہ زیادہ پاکیزہ اور قابل عزت تھیں۔

حضرت عمرؓ کا جوش غیظ و غضب ہی ان کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا۔ ایک روز وہ

Marfat.com

سخت غصہ میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے (نعوذ باللہ) کی نیت سے نکلے، راستے میں انہیں کسی نے بتایا کہ ان کی بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں تو وہ انہی کے گھر پر چڑھ دوڑے، اپنی بہن کو اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئیں۔ بہتے ہوئے خون نے ان کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے اور دل میں بھلائی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے وہ کاغذ لیا جس پر چند آیات لکھی ہوئی تھیں (اور ان کی بہن آنے سے پہلے وہی پڑھ رہی تھیں) پھر پڑھنے کے بعد بولے واہ یہ کتنا بہترین اور معزز کلام ہے۔

حضرت عمرؓ کے دل میں حق جا گزیں ہو گیا اب وہ اسلام قبول کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے طرف چلے۔ اور وہاں پہنچ کر اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے لئے زبردست حمایت وطاقت کا ذریعہ بن گیا اور منکرین حسرت سے ہاتھ ملتے رہ گئے۔ قریش نے دیکھ لیا کہ اسلام کا معاملہ دن بدن طاقت پکڑتا جا رہا ہے اور اس نے اب تک جتنے حربے اختیار کئے تھے وہ اسلام کی اشاعت روکنے میں ناکام ہو چکے ہیں تب اہل قریش نے اپنے موقف پر از سرنو غور کیا تا کہ کوئی نیا اور زیادہ کارگر منصوبہ بنا سکیں۔

عام بائیکاٹ

مشرکین نے کافی غور وخوض کے بعد یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو، اور جو بھی ان کے ساتھ ہمدردی کرے، ایک فریق مانا جائے اور باقی لوگ دوسرا فریق بن کر ان کا بائیکاٹ کر دیں۔ نہ ان کے ہاتھ کوئی سامان بیچیں، نہ ان سے خریدیں، نہ ان سے شادی بیاہ کا کوئی تعلق قائم کریں۔ اس فیصلہ کو ایک عہد نامہ کی صورت میں لکھ کر کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔

بلاشبہ انتہا پسند لوگ اپنی رائے لوگوں پر لادنے میں کامیاب ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی شعب بنی ہاشم (بنی ہاشم کی گھاٹی) میں محصور ہو گئے بنی مطلب کے سارے لوگوں نے، چاہے وہ مسلمان رہے ہوں یا کافر، آپ کا ساتھ دیا سوائے ابولہب کے، جس نے قریش کا ساتھ دیا۔

مسلمانوں کا محاصرہ تنگ کر دیا گیا۔ کہیں سے مدد پہنچ نہیں سکتی تھی۔ غذائی اشیاء کی قلت ہو گئی یہاںتک کہ بھوک سے بلکتے بچوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔ حالت یہاںتک خراب ہو گئی کہ دشمنوں کو بھی رحم آنے لگا۔ لیکن ساری مصیبتوں

Marfat.com

کے باوجود ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہر آزمائش خوشدلی سے برداشت کی۔

مشرکین کا رویہ بدستور رہا۔ سہیلی کی روایت کے مطابق جب کوئی قافلہ مکہ مکرمہ آتا تو صحابہؓ میں سے کوئی بازار جاتا تاکہ کھانے کا کچھ سامان خرید سکے۔ ابولہب اٹھ کر کہنے لگتا: تاجرو! محمدؐ کے ساتھیوں کے لئے نرخ خوب مہنگا کردو۔ تاکہ وہ کچھ نہ حاصل کرسکیں تم میری دولت اور ذمہ داری سے واقف ہو، میں تمہارا گھاٹا پورا کردوں گا۔ یہ سن کر تاجر لوگ دام کئی گنا بڑھا دیتے، یہانتک کہ صحابی ناکام واپس لوٹ جاتے اور بچے بھوک سے تڑپتے رہ جاتے۔ ابولہب تاجروں کا گھاٹا پورا کردیتا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں ایک رات پیشاب کرنے کے لے نکلا تو اونٹ کے چمڑے کا ایک سوکھا ٹکڑا نظر آیا۔ میں اسے لایا اور دھو کر ابالا اور تین روز تک اس سے پیٹ کی آگ کسی قدر بجھائی۔

آپ دیکھتے ہیں محاصرہ کی شدت کہاں تک پہنچا رہی تھی۔ ان مصائب نے قریش کے بعض رحمدل لوگوں کو رنج وغم میں مبتلا کردیا۔ یہانتک کہ ان میں سے بعض لوگ اونٹ پر کچھ غذائی اشیاء لاد کر اسے مار کر گھاٹی کی طرف بے لگام چھوڑ دیتے تھے کہ محصور لوگوں تک پہنچ جائیں اور انہیں تھوڑی بہت راحت مل جائے۔

یہ سلسلہ چند دن یا چند مہینے نہیں، تین برس تک جاری رہا اور یہ محض ایمان کی طاقت تھی جس نے دلوں کو یہ زبردست مصیبت جھیلنے کی صلاحیت بخشی۔

یہ فطری بات تھی کہ مسلمان اس مصیبت سے جلد چھٹکارا پانا چاہتے تھے، انہیں نصرت خداوندی کے وعدے بھی سنائے گئے تھے اور ابھی تک صورتحال یہ تھی کہ وہ انتہائی مصائب سے دوچار تھے اور خود اپنے گھروں سے دربدر ہو رہے تھے۔ ظاہر ہے ان کے دل ان مشرکین کے تعلق سے انتہائی غصہ سے بھرے ہوئے تھے، جنہوں نے تمام شریفانہ قدروں کا مذاق اڑایا تھا اور یوم آخرت کے انکار کی طرح دنیا میں بھی ہر بھلائی کے منکر تھے۔ اگر وہ محض اپنی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب نہ کرتے تب بھی جھٹلانے والوں کی رسوائی کے لئے ایسا ضرور چاہتے، مگر وحی الٰہی مسلمانوں سے یہ مطالبہ کررہی تھی کہ وہ یقین وثابت قدمی سے کام لیں اور نتائج سے بے پرواہ رہیں تاکہ ایمان کی حقیقت کو پہچاننے اور اس سچائی پر جمے رہنے کے لئے انہیں قابل تحسین سمجھا جائے۔

Marfat.com

واما نرينك بعض الذى نعدهم او نتوفينك فالينا مرجعهم ثم الله شهيد على ما يفعلون ولكل امة رسول فاذا جاء رسولهم قضى بينهم بالقسط وهم لا يظلمون (يونس:٤٦-٤٧)

جن برے نتائج سے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں ان کا کوئی حصہ ہم تیرے جیتے جی دکھا دیں یا اس سے پہلے ہی تجھے اٹھالیں ہر حال میں انہیں آنا ہماری طرف ہی ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے ہر امت کے لئے ایک رسول ہے پھر جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آجاتا ہے تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا

دوسری طرف مشرکین بھی یہی چاہتے تھے کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش کا سلسلہ جلد ختم ہو۔ انہیں دوبارہ اٹھائے جانے اور جزاوسزا کا یقین تو تھا نہیں، نہ یہی گمان تھا کہ جلد یا بدیر اس رات کی سحر طلوع ہوگی، مکہ مکرمہ اصنام سے خالی ہو جائے گا، اس کی فضاؤں میں نعرۂ توحید کی گونج ہی سنائی دے گی، آج جو گھاٹی میں محصور ہیں وہی سیاہ وسفید کے مالک ہوں گے اور آج جو فیصلے کر رہے ہیں ایک دن قیدی ہو کر معافی طلب کر رہے ہوں گے۔ وہ تو اسی خوش فہمی میں تھے کہ آج کی طرح آنے والے کل میں بھی وہ اسی طرح خدائی وعدوں کا مذاق اڑانے کی پوزیشن میں رہیں گے۔

ويقولون متى هذا الوعد ان كنتم صادقين قل لا املك لنفسى ضرا ولا نفعا الا ماشاء اللّٰه لكل امة اجل اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون قل أرأيتم ان اتاكم عذابه بياتا اونهارا ماذا يستعجل منه المجرمون أثم اذا ماوقع آمنتم به آآلئن وقد كنتم به تستعجلون (يونس:٤٨-٥١)

کہتے ہیں اگر تمہاری یہ دھمکی سچی ہے تو آخر یہ کب پوری ہوگی؟ کہو' میرے اختیار میں تو خود اپنا نفع وضرر بھی نہیں سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے ہر امت کے لئے مہلت کی ایک مدت ہے جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو گھڑی بھر کی تقدیم وتاخیر بھی نہیں ہوتی ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ کا عذاب اچانک رات کو یا دن کو آجائے (تو تم کیا کر سکتے ہو؟) آخر یہ ایسی کونسی چیز ہے جس کے لئے مجرم جلدی مچائیں؟ کیا جب وہ تم پر آپڑے اسی وقت تم اسے مانو گے؟ اب بچنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے۔

Marfat.com

بسا اوقات کچھ لوگ کسی اصول کی سچائی کا یقین کر لیتے ہیں پھر اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کے پیچھے آگے بڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

لیکن یہ سابقین اولین بخوبی جانتے تھے کہ اپنے عقیدہ کی راہ میں سب سے پہلے انہیں اپنی مفادات قربان کرنے پڑیں گے۔

صرف حق کے لئے جانثاری پر اس یکسوئی سے زیادہ کوئی چیز دلوں کی تربیت نہیں کر سکتی۔ پھر قرآن خود عقائد کے ذریعہ فائدہ اٹھانے اور اس کے ذریعہ دنیا میں دولت واقتدار حاصل کرنے کی صاف صاف مخالفت کر رہا تھا۔

من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتها نوف الیهم اعمالهم فیها وهم فیها لا یبخسون اولئك الذین لیس لهم فی الآخرة الا النار وحبط ماصنعوا فیها وباطل ماکانوا یعملون (هود:۱۵۔۱۶)

جو لوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے (وہاں معلوم ہو جائے گا کہ) جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیامیٹ ہو گیا اور اب انکا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس طرح ایسی پاکبازی، پاکدلی اور اخلاص حاصل کیا جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ جب بادشاہوں کے تاج ان کے پیروں کی ٹھوکر میں تھے اور سرسبز ودولتمند علاقے ان کی فوجوں کے آگے ہتھیار ڈال رہے تھے، تب فتوحات سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، عقیدہ کے محرکات ومقاصد ہی ان کے لئے اہمیت رکھتے تھے۔ نہ انہیں سونے کی فکر تھی، نہ چاندی کی۔ انہیں اول وآخر فکر تھی تو بس نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی۔

☆☆☆

گھاٹی میں محصور ہونے کے دور میں بھی مسلمان حج کے موسم میں لوگوں سے ملتے تھے اور اپنے مصائب کو پس پشت ڈال کر ہر آنے والے کے سامنے دعوت کو پیش کرتے تھے۔ ظلم وستم ان کے حوصلے نہیں توڑ سکے تھے، بلکہ ان میں مزید شدت آ گئی تھی اس مرحلے میں بھی اسلام کو بہت سے نئے مددگار ملے۔ اس کے ساتھ ہی یہ کامیابی بھی

Marfat.com

ملی کہ مشرکین کے درمیان باہم اختلاف پیدا ہونے لگا اور وہ یہ سوال اٹھانے لگے کہ کیا جو کچھ انہوں نے کر رکھا ہے، وہ درست ہے۔ کچھ لوگ اس بائیکاٹ کو ختم کرانے اور عہد نامہ کو چاک کرنے کے لے کوشاں ہو گئے۔

اس سلسلے میں پہلا قدم ہشام بن عمرو نے اٹھایا، مسلمانوں کی بدحالی و مشقت انہیں سخت ناگوار محسوس ہوئی اور زہیر بن ابی امیہ کے پاس پہنچے جن کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب تھیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے سلسلے میں نہایت غیرت محسوس ہوتی تھی۔ انہوں نے کہا زہیر! کیا تمہیں یہ اچھا لگتا ہے کہ تم کھانا کھاؤ اور لباس پہنو اور شادی بیاہ کرو اور تمہارے ماموں حضرات اس حال میں رہیں؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ ابوالحکم (ابوجہل) کے ماموں لوگ ہوتے اور تم ان کے بائیکاٹ کے لئے کہتے تو وہ کبھی نہ مانتا۔ زہیر نے کہا۔ میں کیاں کروں، میں تو اکیلا ہوں اگر کوئی اور ساتھ دیتا تو میں عہد نامہ پھاڑ ڈالتا۔ ہشام نے کہا: دوسرا شخص تو تیار ہے۔ زہیر نے کہا: وہ کون؟ ہشام نے کہا: میں۔ زہیر نے کہا: تیسرا ساتھی ڈھونڈو۔ تب وہ مطعم بن عدی کے پاس گئے اور کہا کہ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ بنی عبد مناف کی دو شاخیں نیست و نابود ہو جائیں؟ آج اگر تم نے ان کے ساتھ ایسا کرنے دیا تو کل وہ تمہارے ساتھ اس سے زیادہ آسانی سے یہی کریں گے۔ انہوں نے کہا: کیا کروں میں تنہا ہوں۔ ہشام نے کہا: تمہارے ساتھ ایک شخص اور بھی ہے۔ انہوں نے کہا: وہ کون؟ ہشام نے کہا میں انہوں نے کہا تیسرا ساتھی تلاش کرو۔ ہشام نے کہا: میں ایسا پہلے ہی کر چکا ہوں انہوں نے کہا: وہ کون ہے؟ ہشام نے کہا: زہیر بن ابی امیہ۔ انہوں نے کہا: ایک چوتھا ساتھی تلاش کرو۔ ہشام ابوالبختری بن ہشام کے پاس گئے اور یہی بات کہی، انہوں نے کہا: اس سلسلے میں کوئی مدد کرے گا؟ ہشام نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: کون، ہشام نے کہا میں، زہیر اور مطعم۔ انہوں نے کہا ایک اور ساتھی تلاش کرلو۔ ہشام زمعہ بن اسود کے پاس گئے اور ان سے رشتہ داری کا حوالہ دے کر وہی بات کہی انہوں نے کہا: کوئی اور اس معاملے میں ساتھ دے گا ہشام نے کہا ہاں اور لوگوں کے نام بتائے۔

تب یہ لوگ مکہ کے بالائی حصہ ''خطم الحجون'' میں اکٹھا ہوئے اور عہد نامہ

Marfat.com

پھاڑ ڈالنے کا عہد کیا۔ زہیر نے کہا: شروعات میں کروں گا۔ جب صبح ہوئی تو لوگ اپنی مجلسوں میں پہنچے۔ زہیر نے پہلے جا کر طواف کیا پھر لوگوں کے پاس آئے اور کہا: اے اہل مکہ! کیا ہم کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں، ان سے خرید و فروخت ممنوع رہے۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک یہ ظالمانہ عہد نامہ چاک نہ ہو جائے۔ ابو جہل نے کہا: تم جھوٹ بول رہے ہو خدا کی قسم اسے چاک نہیں کیا جا سکتا۔ زمعہ بن اسود نے کہا: خدا کی قسم تم زیادہ جھوٹے ہو۔ جب یہ عہد نامہ لکھا گیا تھا تب بھی ہم راضی نہیں تھے۔ ابوالبختری نے کہا: خدا کی قسم، زمعہ نے سچ کہا عہد نامہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے ہم اس سے راضی نہیں ہیں۔ مطعم نے کہا: تم دونوں سچ کہہ رہے ہو جو اس کے علاوہ کچھ کہے، وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہشام نے بھی ایسی ہی بات کہی۔ ابو جہل نے کہا: یہ معاملہ رات میں طے ہوا ہے۔ مطعم عہد نامہ پھاڑنے کے لئے اٹھے تو دیکھا کہ اسے دیمک چاٹ چکی ہے صرف ''باسم اللھم'' باقی رہ گیا ہے جس سے عرب تحریر شروع کیا کرتے تھے۔

غم کا سال

مسلمان گھاٹی سے نکل آئے اور پرانی سرگرمیاں بحال ہو گئیں۔ اس دوران اسلام مکہ مکرمہ میں اہم واقعات سے بھرپور دس برس پورے کر چکا تھا۔ ابھی مسلمانوں نے راحت کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ اور چچا حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔

گویا آپ کی پرائیوٹ اور عام زندگی ایک ساتھ متاثر ہو گئی۔

حضرت خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے تھیں۔ انہوں نے سخت ترین حالات میں آپ کی دلجوئی کی، آپؐ کے پیغام کی تبلیغ میں مدد کی تلخ جد و جہد کے معرکوں میں شرکت کی اور جان و مال سے آپؐ کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس نعمت کی قدر و قیمت کا اندازہ آپ تب کر سکیں گے، جب یہ دیکھیں گے کہ بعض نبیوں کی بیویوں نے ان کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا اور اللہ اور رسول کے خلاف اپنی قوم کے مشرکوں کی جنگ میں ان کا ساتھ دیا۔

Marfat.com

ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأة نوح وامرأة لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صلحین فخانتاهما فلم یغنیا عنهما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین (التحریم: ۱۰)

اللہ کافروں کے معاملہ میں نوح اور لوط کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر انہوں نے اپنے ان شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ۔

اس کے برخلاف حضرت خدیجہؓ عورتوں کی صدیقہ ہیں۔ آپ اپنے عظیم شوہر کے ساتھ پچیس برس رہیں، اور کڑی سے کڑی آزمائش میں جی جان سے آپ کا ساتھ دیتی رہیں اور ہر قسم کی قربانیاں پیش کرتی رہیں۔ آپ نے ۶۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا، جب رسول اللہ ﷺ کی عمر پچاس برس تھی۔ آپؐ زندگی بھر اپنی وفا شعار بیوی کا انتہائی مخلصانہ ذکر فرماتے رہے۔

☆☆☆

حضرت ابو طالب کا معاملہ حیران کن ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی کفالت، آپ کے دفاع میں انتہائی بہادری و جانثاری اور ہر طرح کی آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے میں آپ کے کارنامے بے نظیر ہیں۔ تاہم آپ نے اپنے آباء اجداد کے دین پر مرنا پسند کیا۔

رسول اللہ ﷺ کو آپ کے انتقال سے بڑا صدمہ پہنچا۔ آپ دشمنوں اور نادانوں کی طرف سے ہونے والے تمام حملوں میں آپؐ کے لئے پناہ کی حیثیت رکھتے تھے اور اپنے بھتیجے کی مدافعت میں انہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دی تھیں۔

حضرت ابو طالب کے انتقال کے بعد مشرکین قریش کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے بدتمیزیاں کرنے لگے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ پاس ہی بیٹھا تھا۔ ایک دن پہلے کچھ اونٹ ذبح ہوئے تھے۔ ابو جہل نے کہا: تم میں سے کون یہ کرے گا کہ جا کر ان کی اوجھ اٹھا لائے اور جب محمد سجدے میں ہوں تو ان کے کندھے پر رکھ دے۔ ایک نہایت بدبخت اٹھا اور وہ لے آیا، جب آپؐ سجدہ میں گئے

Marfat.com

تو اس نے آپؐ کے کندھے پر رکھ دی۔ وہ لوگ ہنسی سے دہرے ہوئے جا رہے تھے۔ آپؐ سجدہ ہی میں رہے، کسی شخص نے جا کر آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کو خبر کی، جو اس وقت بچی تھیں، انہوں نے آ کر اوجھ ہٹائی پھر ان لوگوں کو برا بھلا کہا۔

پھر جب آپؐ نے نماز ختم کر لی تو آواز بلند کر کے انہیں بددعا دی۔ آپ دعا فرماتے تھے یا کچھ طلب فرماتے تھے تو تین بار دہراتے تھے، آپؐ نے تین بار فرمایا ''اے اللہ تو ہی قریش کی لگام کھینچ۔ جب ان لوگوں نے آپؐ کی آواز سنی تو ہنسنا بھول گئے اور آپؐ کی دعا کے نتائج سے خوفزدہ ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا ''اے اللہ تو ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن معیط کو پکڑ'' (آپ نے ایک ساتویں شخص کا نام بھی لیا تھا جو راوی کے ذہن سے نکل گیا۔)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمدؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا، آپؐ نے جن لوگوں کے نام لئے تھے، انہیں میں نے بدر کے دن لاشوں میں تبدیل دیکھا۔ پھر وہ قلیب کے گڑھے میں ڈال دیے گئے (بخاری)

اہل قریش کفر کی راہ پر چلتے ہوئے انتہا تک پہنچ رہے تھے، اب وہ سجدہ گذاروں پر گندگیاں ڈال رہے تھے اور یہ منظر دیکھ کر ہنستے تھے، ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھلائی نہیں رہ گئی تھی۔

عرب معاشرہ میں تو بیٹی اپنے باپ کے سایہ میں رہتی ہے اور اس کی طاقت وحفاظت پر فخر کرتی ہے۔

اس شخص کے دل کی حالت کیا ہو گی جو یہ دیکھے کہ اس کی بیٹی کو اس کی مدافعت کرنی پڑ رہی ہے۔ اور کوئی اس کا مددگار نہیں۔ حضرت محمدؐ نے اس دردناک اور تکلیف دہ صورت کو برداشت تو کر لیا لیکن یہ بھی سوچنے لگے کہ کسی دوسری بستی تک یہ پیغام لے کر جائیں، شاید وہاں کے لوگ زیادہ سمجھداری کا ثبوت دیں۔ چنانچہ آپؐ زید بن حارثہ کو لے کر طائف کی طرف روانہ ہو گئے۔

طائف میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل کر طائف تشریف لے گئے جہاں قبیلہ ثقیف آباد تھا

Marfat.com

یہ بستی مکہ مکرمہ سے پچاس میل دور تھی۔آپؐ نے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا اور اللہ کی طرف بلایا۔لیکن ان سب نے بری طرح یہ دعوت مسترد کر دی اور بدتمیزی سے جواب دیا۔آپؐ دس روز تک وہاں ان کے گھروں کے چکر لگاتے رہےلیکن بے فائدہ۔

جب ان سے کسی بھلائی کی توقع ختم ہوگئی تب آپؐ نے ان سے کہا کہ اچھا اگر آپ لوگ میری بات نہیں مانتے تو میری بات اپنے ہی تک محدود رکھئے۔آپؐ کو اندیشہ تھا کہ یہ بات اہل مکہ تک پہنچ گئی تو ان کی دشمنی و بدخواہی میں مزید شدت پیدا ہوگی۔لیکن اہل طائف میں یہ شرافت کہاں تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری بستی سے نکل جاؤ ساتھ ہی بچوں اور اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا اور وہ آپؐ پر ڈھیلے پتھر پھینکنے لگے حضرت زیدؓ بن حارثہ آپ کو بچانے کی کوشش کرتے رہے یہانتک کہ ان کا سر زخمی ہو گیا۔خود آپؐ کے پیروں میں اتنے زخم آئے کہ ان سے خون بہنے لگا۔بالآخر آپؐ نے عتبہ وشیبہ بن ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لی اور ایک بیل کے سایہ میں بیٹھ گئے کہ کچھ سکون مل جائے۔باغ کے مالکان وہاں موجود تھے انہوں نے اوباشوں کو وہاں سے بھگایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تلخ صورتحال پر غور کیا جن سے دوچار ہونا پڑا تھا، ساتھ ہی اہل مکہ کی پے در پے ستم رانیاں یاد آنے لگیں، تب آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

"اے میرے پروردگار! میں تجھی سے اپنی کمزوری، کم تدبیری اور لوگوں پر اپنے ہلکے پن کی شکایت کرتا ہوں، تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور کمزوروں کا پروردگار ہے، تو ہی میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔کیا کسی دشمن کے ہاتھ میں میرا معاملہ سونپ دیا ہے؟ اگر تو مجھ سے خفا نہیں ہے، تب مجھے کوئی پرواہ نہیں، البتہ تیری عافیت میں لئے زیادہ کشادگی کا ذریعہ ہے۔میری تیرے چہرے کے نور سے، جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کا معاملہ سدھر جاتا ہے، پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب یا تیری ناراضگی نازل ہو، تیرے ہی لئے رضا ہے یہانتک کہ تو راضی ہو جائے، تیرے سوا نہ کوئی برائی کو پھیرنے والا ہے، نہ تیرے بغیر کسی بھلائی کی طاقت مل سکتی ہے۔"

Marfat.com

ربیعہ کے بیٹوں کے دلوں میں رشتہ داری کے جذبے نے جوش مارا تو انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام ''عداس'' کو بلایا اور کہا کہ انگور کا ایک خوشہ لے کر اس شخص کو پیش کر دو۔ جب عداس نے آپؐ کے سامنے انگور رکھے تو آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ عداس نے کہا: یہ کلام تو یہاں کے لوگوں کا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کس علاقے کے رہنے والے ہو؟ اس نے بتایا کہ میں عیسائی ہوں اور نینوئی کا رہنے والا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مرد صالح یونسؑ بن متی کی بستی کے؟ اس نے کہا: آپ کیا جانیں یونسؑ کون تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ تب عداس جھک کر آپؐ کے پیر چومنے لگا ربیعہ کے بیٹوں نے آپس میں کہا۔ غلام کو تو اس شخص نے خراب کر دیا۔ جب عداس وہاں پہنچا تو انہوں نے پوچھا: یہ کیا تھا۔ اس نے جواب دیا ''آج روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی دوسرا نہیں''۔ تب انہوں نے غلام کو اپنے پرانے دین پر برقرار رکھنے اور حضرت محمدؐ کے معاملہ کو ہلکا دکھانے کی کوشش کی، گویا انہیں یہ ناگوار ہو رہا تھا کہ آپؐ طائف سے کسی ادنیٰ کامیابی کے ساتھ بھی واپس ہوں۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ پھر اسی شہر کی طرف لوٹنے پر مجبور ہوئے جہاں سے کچھ مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور باقی اذیتیں جھیل رہے تھے۔

زیدؓ بن حارثہ نے عرض کیا: آپؐ وہاں کیسے جائیں گے؟ انہی لوگوں نے تو آپؐ کو نکالا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زید! اللہ کوئی راستہ نکالے گا۔

اس اندیشہ کے پیش نظر، کہ طائف کی خبریں آپؐ سے پہلے قریش تک پہنچ چکی ہوں گی، آپؐ نے مناسب یہی سمجھا کہ کسی کی حمایت حاصل کر لیں۔ چنانچہ آپؐ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ آپؐ کو پناہ میں لے لیں، تاکہ آپؐ اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکیں۔ مطعم اس پر راضی ہو گئے اور اپنے بیٹوں کے ساتھ مسلح ہو کر خانہ کعبہ کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے اپنی اونٹنی کھڑی کی اور پکار کر کہا: قریش کے لوگو! میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے، ان پر کوئی حملہ آور ہونے کی کوشش نہ

Marfat.com

کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ شریف پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنے گھر واپس لوٹ گئے، اس دوران مطعم اور ان کے گھر والے اپنے ہتھیاروں سے آپؐ کی حفاظت کرتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ ابو جہل نے مطعم سے پوچھا آپ نے پناہ دی ہے یا اتباع کر لی ہے (یعنی اسلام قبول کر لیا ہے)؟ مطعم نے کہا: پناہ دی ہے۔ اس نے کہا جسے آپ نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

رسول اللہ ﷺ نے مطعم کے اس کارنامہ کو ہمیشہ یاد رکھا چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر فرمایا: اگر مطعم زندہ ہوتے تو میں ان کے لحاظ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دیتا۔

حضرت ابو طالب کی طرح مطعم بھی اپنے باپ دادا کے دین پر قائم تھے اور اسی طرح مردانگی اور لوگوں کی مدد کرنے میں بھی ممتاز تھے۔ ابو جہل نے آپؐ کے پناہ لینے کو بھی توہین کا ذریعہ بنایا، گویا پوچھ رہا ہو کہ آپؐ کی حفاظت کے لئے فرشتوں کا کوئی گروپ کیوں نازل نہیں ہوا؟۔ اسی لئے جب اس نے آپؐ کو دیکھا تو بول پڑا: بنی عبد مناف! یہ ہے تمہارا نبی۔ عتبہ بن ربیعہ نے جواب دیا: اس میں حیرت کی کیا بات ہو گی کہ ہم میں سے نبی اور بادشاہ ہو۔ جب آپؐ کو اس سوال و جواب کی خبر دی گئی تو آپؐ نے فرمایا:

''عتبہ! تمہاری حمیت اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لئے تھی'' اس لئے کہ انہوں نے ایمان کی حمیت کی وجہ سے یہ بات نہیں کہی تھی۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ''اور ابو جہل! رہے تم تو جلد ہی وہ دن آ رہا ہے جب تم ہنسو گے کم، روؤ گے زیادہ'' اور اہل قریش، رہے تم تو زیادہ دن نہیں گذریں گے کہ تم کو اسی (دین) میں داخل ہونا پڑے گا جس کا تم انکار کر رہے ہو (ابن جریر)

رسول اللہ ﷺ کے اس تبصرہ سے پتہ چلتا ہے کہ حال کے تمام آلام و مصائب کے باوجود آپؐ کو مستقبل پر کتنا اعتماد تھا۔

آپؐ مکہ مکرمہ میں واپس آ کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے کام میں بدستور کوشاں تھے کہ معراج کا واقعہ پیش آیا۔

معراج:

معراج کا عجیب و غریب سفر مسجد خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ کی طرف شروع ہوا پھر

Marfat.com

وہ آسمانوں کے طبقات کو پار کرتا ہوا اس بلندی تک پہنچا جس کی ہیئت و کیفیت سے دنیا کی مخلوقات ناواقف ہیں۔ پھر مکہ مکرمہ میں مسجد خانہ کعبہ میں واپسی ہوئی۔ قرآن کریم نے دو مختلف سورتوں میں اس سفر کا ذکر کیا ہے۔

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر (بنی اسرئیل:۱)

پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔

ولقد رآہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتھی عندھا جنۃ الماویٰ اذ یغشی السدرۃ ما یغشی مازاغ البصر وما طغیٰ لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ (النجم:۱۳۔۱۸)

اور ایک مرتبہ پھر اس نے سدرۃ المنتھی کے پاس اس کو اترتے دیکھا جہاں پاس ہی جنت الماوی ہے اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں

آیت کے مطابق معراج کے سفر کا مقصد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی کچھ نشانیاں دکھانا تھا اور یہ بڑی نشانیاں آپؐ نے دیکھیں۔

قدیم زمانے سے علماء میں اختلاف رائے پایا جاتا رہا ہے کہ یہ خرق عادت سفر محض روحانی تھا یا جسمانی بھی۔ عام طور پر علماء دوسری رائے کے قائل ہیں (یعنی معراج جسمانی و روحانی دونوں تھی) کچھ ماہرین نفسیات نے بھی اس سلسلے میں موشگافیاں کی ہیں، مثلاً یہ کہ یہ سفر روحانی تھا لیکن حالت بیداری میں تھا، حالت خواب میں نہیں۔

میرے خیال میں سائنس کی طرف سے وجود کے بعض اسرار و رموز کا پردہ چاک کرنے کے بعد مادہ کا معاملہ بھی روح کے معاملہ جیسا ہو چکا ہے اور اس کی حدود کو آسمان و زمین کا قائم رکھنے والا ہی جانتا ہے۔

انسان تو یہ جان کر ہی دہشت زدہ ہو جاتا ہے کہ ایک ذرہ میں دائرہ فلک میں چکر لگانے والے نظام شمسی کا پورا گراف موجود ہوتا ہے اور چھوڑنے کی صورت میں اس میں ایسی بلا کی حرارت ہوتی ہے جو ہر خشک و تر چیز کو جلا کر راکھ کر دے۔

☆☆☆

معراج کا سفر پہلے بیت المقدس کی طرف کیوں ہوا۔ براہ راست سدرۃ المنتھی

Marfat.com

تک کیوں نہیں ہوا؟

اس کے لئے ہمیں قدیم تاریخ پر نگاہ ڈالنی ہوگی۔ نبوتیں ایک طویل عرصہ تک بنی اسرائیل ہی میں رہیں، بیت المقدس وحی کے نزول کا مرکز، زمین کے لئے اس کے انوار کا سرچشمہ اور خدا کی منتخب قوم کے محبوب وطن کا مرکزی شہر رہا ہے۔

جب یہودیوں نے وحی کی عزت اور آسمانی احکام کو پامال کر دیا۔ تو ان پر خدا کی لعنت نازل ہوئی اور ہمیشہ کے لئے نبوت کا سلسلہ ان سے پھیر دینے کا فیصلہ ہو گیا۔

چنانچہ حضرت محمدؐ کی رسالت دراصل دنیا کی روحانی قیادت کی ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف، ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف اور اسرائیلؑ کی نسل سے اسماعیلؑ کی نسل کی طرف منتقلی تھی۔

یہودیوں کے غیظ و غضب کے اسباب میں یہ منتقلی بھی شامل تھی جس نے انہیں آپؐ کی رسالت کے جلد انکار پر آمادہ کیا۔

بئسما اشتروا به انفسهم ان يكفروا بما انزل الله بغيا ان ينزل الله من فضله على من يشاء من عباده فباؤا بغضب على غضب (البقرة: ۹۰)

کیسا برا ہے یہ ذریعہ جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل (وحی رسالت) سے اپنے جس بندے کو خود چاہا نواز دیا لہذا اب غضب بالائے غضب کے مستحق ہوں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو نفاذ سے کون روک سکتا تھا؟ ۔ چنانچہ نئی قوم نے رسالت سنبھال لی اور عربی نبیؐ حضرات ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ و یعقوبؑ کی تعلیمات کے وارث بن گئے اور ان کی اشاعت اور لوگوں کو ان پر اکٹھا کرنے کی جدوجہد میں لگ گئے۔ یہ حال کو ماضی سے ملانے اور سب کچھ ایک ہی حقیقت میں مدغم کرنے ہی کا سلسلہ تھا کہ اسلام میں مسجد اقصیٰ کو حرم ثالث قرار دیا جائے اور رسول اللہ ﷺ سفر معراج میں وہاں ہو کر آگے جائیں جو ایمان کے سابقہ مرکز کے احترام کی علامت تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ اس سرزمین پر اور اس کے اردگرد ہدایت کے علمبردار سابق رسولوں کو اکٹھا فرمائے تاکہ وہ آخری رسالت کے علمبردار کا استقبال کریں۔ نبوتیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور اگلی نبوت پچھلی کے لئے راستہ ہموار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے انبیاء سے اس کا عہد بھی لیا تھا۔

Marfat.com

واذ اخذ الله ميثاق النبيين لما أتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتومنن به ولتنصرنه قال ء أقررتم واخذ تم على ذلكم اصرى قالوا أقررنا قال فاشهدوا وانا معكم من الشهدين (آل عمران. ۸۱)

یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے۔ جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی' یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا''کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں' اللہ نے فرمایا اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

صحیح روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بھائی نبیوں کی امامت کرتے ہوئے دو رکعت نماز پڑھائی۔ یہ امامت اس کا واضح اعتراف تھا کہ اسلام مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے۔اور پہلے کے رسولوں کی علمبرداری کے بعد اب اس کی تکمیل حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر ہو رہی ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے مرتبہ و مقام کا انکشاف کسی عزت افزائی کی تقریب میں پیش کی جانے والی تعریف جیسا نہیں تھا۔ یہ ہدایت کی دنیا کی ثابت شدہ حقیقت تھی، جو اپنے مناسب وقت پر سامنے آئی۔

حضرت محمد ﷺ نے دعوت و تبلیغ کی پر مشقت جد و جہد کا جو بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا اس کی وجہ سے آپؐ کو نفرت و مخالفت اور افترا پردازی کی زبردست آندھیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو اذیت رسانیوں کے بیچ چین کا ایک سانس لینے کی مہلت نہیں مل پاتی تھی۔ سفر معراج سے ذرا پہلے آپؐ کو طائف سے لوٹایا گیا تھا اور ایک مشرک کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونا پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کے آغاز کے ساتھ ہی لوگوں کی طرف سے اہانت کے سامنے آپ پروردگار عالم ہی سے امید کی لو لگا سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اطمینان دلانے اور اپنی نعمتوں سے نوازنے کے سلسلے میں ہی آپؐ کو یہ آسمانی سفر کرایا گیا تاکہ آپؐ بخوبی محسوس کرلیں کہ آپؐ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ کے سامنے ہیں۔

معراج کی رات نے واضح کر دیا کہ آپؐ کا مقام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں

Marfat.com

کے درمیان نمایاں ہے۔

معراج کا یہ واقعہ آپ کی رسالت کی مدت (۲۳) کے تقریباً درمیان میں پیش آیا اور مستقبل کی کامیابیوں کی علامت بن گیا۔ آسمانوں اور زمین پر اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کی بڑی نشانیوں کی ایک جھلک منکرین کے تمام حربوں کو بے وقعت کر دینے اور ان کے انجام کو جان لینے کا مؤثر ذریعہ تھی۔

حضرت محمد ﷺ نے اس سفر میں یہ جان لیا کہ آپ کی رسالت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے گی اور نیل و فرات کی زرخیز وادیوں میں تثلیث و آتش پرستی کے ناقوسوں کی جگہ توحید کا نغمہ گونجے گا۔

بلکہ ان وادیوں کے باشندے نسلاً بعد نسلٍ اسلام کے علمبردار ہوں گے۔

جنت میں نیل و فرات کو دیکھنے کا یہی مطلب ہے سادہ لوحوں کے خیال کے برعکس یہ مطلب نہیں کہ ان دریاؤں کا سرچشمہ جنت ہے۔

واقعۂ معراج کی حکمت

اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اپنی قدرت کے بڑے مظاہر کے جاننے پہچاننے کا موقع دیتا ہے۔ تاکہ ان کے دل مزید یقین سے بھر جائیں، کیونکہ انہیں دن رات منکرین کے ساتھ سخت معرکہ آرائی کرنی ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کے عجائب دکھانے کا ارادہ فرمایا تو انہیں حکم ہوا کہ اپنا عصا ڈال دیں۔

قال القها یا موسیٰ فالقها فاذاهي حية تسعیٰ قال خذها ولا تخف سنعيدها سيرتها الاولی واضمم يدك الی جناحك تخرج بيضاء من غير سوء آية اخری لنريك من آياتنا الكبری (طه:۱۹۔۲۳)

فرمایا "پھینک دے اس کو موسیٰ، اس نے پھینک دیا اور یکا یک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا فرمایا "پکڑ لے اس کو اور ڈر نہیں ہم اسے پھر ویسا ہی کر دیں گے جیسا یہ تھا اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے یہ دوسری نشانی ہے اس لئے کہ ہم تجھے اپنی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔

پھر جب حضرت موسیٰ کا دل ان بڑی نشانیوں کے مشاہدے سے مسرور ہو گیا تو حکم ہوا:

Marfat.com

اذهب الی فرعون انه طغیٰ (طه:۲۴) اب تو فرعون کے پاس جا وہ سرکش ہوگیا ہے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے برعکس واقعۂ معراج تو آپ کی بعثت کے تقریباً بارہ برس بعد پیش آیا، جبکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے پہلے آگاہی حاصل کر چکے تھے، تو حقیقت یہ ہے کہ پہلے کے انبیاءؑ کی زندگیوں میں معجزات کا مقصد ان کی قوموں کو ان کی نبوتوں کی سچائی پر مطمئن کرنا تھا اور حضرت محمد ﷺ کا معاملہ دوسرا تھا۔

قرآن کریم نے اہل دانش کو قائل و مطمئن کرنے کی ذمے داری پہلے ہی دن سے لے لی تھی، معجزات تو محض آپ کی شخصیت کی عزت افزائی کے لئے پیش آئے۔ اسی لئے جب منکرین نے آپؐ سے مطالبہ کیا کہ آپ آسمان پر چڑھ کر دکھائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ:

قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل:۹۳) اے نبیؐ ان سے کہو "پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں۔

پھر جب بعد میں آپ آسمان پر تشریف لے گئے تو یہ کبھی نہیں فرمایا کہ یہ اس چیلنج یا مطالبہ کا جواب ہے۔

عمارت کی تکمیل

معراج کے واقعہ سے تمام انبیائے کرام کے درمیان باہمی قربت کے روابط ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ اسلام کے اصولوں میں سے ہے۔

آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمؤمنون کل آمن بالله وملئکته ورسله لا نفرق بین احد من رسله (البقرة:۰۰۰) رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کی طرف سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور مومن بھی ایمان لائے سب اللہ پر اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ ہم اس کے رسولوں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

- رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے سابق بھائیوں کے درمیان سلام و نیک خواہشات کا تبادلہ اس تعلق کو مزید مضبوط کرتا ہے۔

ہر آسمان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی رسول کو نازل فرما دیا تھا جو "مرحبا نیک بھائی!"

Marfat.com

کے الفاظ سے آپ کا خیر مقدم فرمارہے تھے۔

انبیائے کرام کے درمیان اختلاف کی بات محض وہم ہے، جو دین کے تاجروں اور ظالموں کا تخلیق کردہ ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے بالکل واضح فرما دیا کہ سابق انبیائے کرام جس عمارت کی تعمیر کررہے تھے آپ اُس کی تکمیل وحفاظت کے لئے آئے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے کوئی عمارت عمدہ او خوبصورت بنائی لیکن ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ اس عمارت کا چکر لگا کر دیکھتے تھے تو بہت پسند کرتے تھے، البتہ یہ کہہ اٹھتے تھے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ لگادی گئی۔ تو میں وہی اینٹ ہوں، میں خاتم النبیین ہوں (بخاری)

آسمانی وحی پر منحصر مذاہب جانے پہچانے ہیں، وہ ان خودساختہ مذاہب یا رسوم ورواج سے الگ ہی ہیں، جو قدیم زمانوں میں انسانوں نے گھڑے تھے یا مثلاً جو آج مغربی استعمار نے گھڑ رکھے ہیں، تاکہ مشرق کا گلا گھونٹ دیا جائے، جیسے قادیانیت وبہائیت وغیرہ۔

اگر نیتیں درست ہوں اور حق کو مانا جائے تو آج بھی ممکن ہے کہ ایک دینی اتحاد کی منصفانہ بنیادیں قائم کی جاسکیں جو مشترکہ اصولوں پر مبنی ہوں اور اختلاف کو پس پشت ڈال دیا جائے، یہانتک کہ زمانہ انہیں مٹا ہی ڈالے یا ان کی دھار کند کردے۔

اسلام جس کی تعلیمات پہلے کی نبوتوں کا پھیلاؤ اور اس قدیم عمارت کی ایک مزید اینٹ کی حیثیت رکھتی ہیں، اس پیش قدمی کا سب سے پہلے خیر مقدم کرے گا

فطرت کی سلامتی

معراج کی رات میں اس دین کی پہلی صفت نمایاں ہوگئی، یعنی یہ کہ یہ دین فطرت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''پھر میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لایا گیا تو میں نے دودھ لے لیا۔ کہا گیا: یہی فطرت ہے، جس پر آپ اور آپ کی امت قائم ہیں'' (ابن حبان)

فطرت کی سلامتی ہی اسلام کا مغز ہے۔ یہ محال ہی ہے کہ آسمان کے دروازے کسی ایسے شخص کے لئے کھولے جائیں جس کی فطرت غیر سلیم اور دل بیمار ہو۔ خراب

Marfat.com

فطرت سے تو گندگی ہی باہر آسکتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ گندگی چمکدار رنگوں اور پردوں کے پیچھے چھپی رہے، لیکن خدا کو تو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔

اور جب خود عبادات کو بگڑی ہوئی فطرت کے چھپانے کے لئے پردہ بنالیا جائے تو یہ حیثیانہ عبادتیں معصیتوں سے بھی کم رتبہ ہو جاتی ہیں۔

لوگ تہذیبوں کی پیش رفت کے ساتھ تکلف اور ظاہر داری میں پڑ جاتے ہیں اور ظالمانہ روایتوں اور پابندیوں میں اپنے آپ کو مقید کر لیتے ہیں۔ لیکن ایسے بیشتر تکلفات عبادتوں کی پاکیزگی کو گدلا کر دیتے ہیں۔

خدا کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی اور چیز نہیں کہ یہ پابندیاں دین کے نام پر لگائی جائیں اور لوگوں کو شکنجوں میں کس لیا جائے۔

نماز کی فرضیت

معراج میں پانچوں نمازیں فرض کی گئیں۔ انہیں آسمان میں اس لئے فرض کیا گیا کہ لوگ ان کے ذریعہ نفسانی خواہشات اور دنیاوی اغراض و مقاصد کے غلبہ سے نکل کر بلندی تک پہنچ سکیں۔

آج بیشتر لوگ جو نمازیں پڑھتے ہیں وہ کوئی اور چیز ہے۔

نماز کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ وہ نمازی کو دنیا کی گندی چیزوں سے بچاتی ہے اور وہ کسی برائی میں پڑ ہی جائے تو اسے شرمندہ کر کے رجوع پر آمادہ کرتی ہے۔

اگر بار بار پڑھنے کے باوجود نماز اس درجہ تک نہیں پہنچاتی تو وہ سچی نماز نہیں قرار دی جاسکتی، حدیث کے مطابق تو نماز پاک کرنے والی چیز ہے۔

لیکن وہ زندہ انسان کو پاک کرتی ہے۔ مردہ کو نہیں۔

پاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی زندہ دل پر اگر کوئی غبار آجائے تو وہ اسے صاف کر دے۔ زندگی میں انسان کو بہت ساری چیزیں پیش آتی ہیں، جن میں اس کا دل مبتلا ہو جاتا ہے، ان کو پاک کرنے والی بہت سی چیزیں ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ اپنے اہل و عیال، مال و دولت خود اپنے اور اپنے پڑوسی

Marfat.com

کے تعلق سے انسان جن فتنوں میں مبتلا ہوتا ہے، روزہ، نماز، صدقہ، بھلائی کا حکم اور برائی کی روک تھام، یہ سب ان کا کفارہ بن جاتے ہیں (بخاری)

لیکن جن لوگوں کے دل مردہ ہو چکے ہوں، ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

احادیث میں آتا ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کو نیکوں اور بدکاروں کی جزو سزا کے مختلف مناظر دکھائے گئے۔

قریش اور واقعہ معراج

اس یادگار رات کے بعد آنے والی صبح کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو رات کے واقعات بتائے اور اپنے رب کی جو بڑی نشانیاں دیکھی تھیں ان کا ذکر فرمایا:۔

لیکن جو لوگ آسمان سے زمین پر وحی کے نزول کو جھٹلا رہے تھے بھلا وہ خود آسمان پر پیش آنے والے واقعات کی تصدیق کر سکتے تھے؟

وہ لوگ اکٹھا ہو ہو کر اس عجیب واقعہ کو سنتے اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اور شدت سے انکار کرتے۔ بعض نے یہاں تک چیلنج کر دیا کہ اگر آپؐ نے رات کو واقعی بیت المقدس دیکھا ہے تو اس کے بارے میں تفصیلی معلومات بتائیں۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حجر کے مقام پر کھڑا ہوا، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا اور میں اس کی طرف دیکھ دیکھ کر بیت المقدس کی نشانیاں بتاتا چلا گیا۔

منکرین قریش کی طرف سے تکذیب واستہزاء کے طوفان کے باوجود آپؐ کے ساتھی غیر متزلزل رہے بلکہ ان کا ایمان مزید طاقتور ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے دل پر واقعہ معراج کا اچھا اثر پڑا۔ آپؐ کو منکرین کی مخالفت وجہالت کی پرواہ اور کم ہوگئی۔ آپؐ مزید جوش وخروش کے ساتھ اپنے پروردگار کی حمد وثنا اور دعوت کی اشاعت میں لگ گئے۔ ہر آنے والا دن جلد ہی حاصل ہونے والی کامرانی کے قریب کر رہا تھا۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ اپنے پہلے طرز عمل کے مطابق ہر ملنے جلنے والے کو وحی کا پیغام

Marfat.com

پہنچاتے رہے۔ خاص طور پر حج کے موسم میں باہر سے آنے والے حاجیوں سے مل کر انہیں دعوت دیتے رہے۔ آپؐ عکاظ، مجنۃ اور ذی المجاز کے میلوں میں جا کر حق کا پیغام پہنچاتے۔ آپؐ کا چچا ابولہب آپؐ کے پیچھے پیچھے پھرتا اور آپؐ کو جھٹلا کر لوگوں کو آپؐ کی بات نہ ماننے پر ابھارتا۔ قبائلی لوگ آپؐ کو یہ کہہ کر واپس لوٹا دیتے کہ آپؐ کے خاندان والے آپ کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔

آپؐ نے جن قبائل کے پاس پہنچ کر دعوت دی اور انہوں نے ماننے سے انکار کیا ان میں فزارہ، غسان مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنونصر، کندہ، کلب، عذرہ، حضارمہ، بنو عامر بن صعصعۃ اور محارب بن حفصہ، وغیرہ شامل تھے۔ آپؐ نے ان لوگوں میں کوئی کھلا ہوا دل اور سینہ نہیں پایا۔ باہر سے آنے والے بھی اور مکہ میں مقیم لوگ بھی آپؐ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارے کرتے اور ایک دوسرے کو آپؐ سے دور رہنے کی یہ کہہ کر تلقین کرتے کہ ''قریش کے جوان سے ہوشیار رہنا، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔''

اس گھٹی گھٹی فضا میں بھی رسول اللہ ﷺ کے دل میں کبھی مایوسی پیدا نہیں ہوئی۔ اور برابر دعوت کی جدوجہد ثابت قدمی کے ساتھ کرتے رہے، یہاںتک کہ آخر کار گرہ کھل گئی۔

☆☆☆

Marfat.com

باب ۔۴

عام ہجرت
پس منظر اور نتائج

رسالت کے انکار اور ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے سلسلے میں ہر ممکن کوشش کے بعد مشرکین مکہ ہر بھلائی سے محروم ہو گئے تھے۔

اگرچہ ان کے جھوٹے پروپیگنڈے سے بہت سے قبائل اسلام میں داخل ہونے سے رک گئے تھے لیکن حق کو تو سربلند ہونا ہی تھا، چاہے فریب خوردہ و گمراہ کن لوگ کتنی ہی کوششیں کرتے، بشرطیکہ حق کو ماننے والے اس کے وفادار اور ثابت قدم رہتے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کچھ ایسے لوگ پیدا کر دیئے جنہوں نے اس معاندانہ ماحول سے اسے نجات دلا دی اور رکاوٹ کی بڑی بڑی چٹانوں کو ہٹا کر اس کا راستہ صاف کیا۔ یہ تبدیلی ان وفود کے ہاتھوں عمل میں آئی جو حج کے موسم میں یثرب (جس کا نام آگے چل کر مدینہ منورہ ہو گیا) سے مکہ آئے تھے۔

اہل یثرب تمام عربوں سے اس لحاظ سے ممتاز تھے کہ یہودیوں کے پڑوس میں رہتے تھے اس لئے عقیدہ توحید سے نابلد نہیں تھے۔ یہودی ان سے دین کے معاملات اور اصنام کی پرستش کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ جب یہ بحث مباحثہ شدت اختیار کر گیا تو یہودیوں نے ان کو دھمکی دی کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث فرمائے، تب ہم اس کی پیروی کر لیں گے اور اس کے ساتھ تم لوگوں کو عاد و ارم کی طرح نیست و نابود کر ڈالیں گے۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب وہ نبی ظاہر ہوئے تو سب سے پہلے ان کا انکار کرنے والے یہودی ہی تھے، اسی لئے قرآن نے ان کے متضاد طرز عمل کی مذمت کی:

Marfat.com

ولما جاء هم كتاب من عندالله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به (البقرة:۸۹)

اوراب جوایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے تو اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟ باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کردیا۔

دوسری طرف یثرب کے ان پڑھ عربوں نے آپؐ کی دعوت کے لئے اپنے دل کھلے رکھے: جب حج کا موسم آیا اور یثرب کے قبائل نے مکہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتے دیکھا تو ان میں سے کسی نے کہا: لوگو! خدا کی قسم یہ وہی شخصیت معلوم ہوتی ہے جس کی یہودی تم کو دھمکی دیتے رہے ہیں۔ اب یہودی تم سے پہلے ان تک نہ پہنچ جائیں۔

دھیرے دھیرے مدینہ میں اسلام کا ذکر پھیلنے لگا۔ اگر اس کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال نہیں ہوا تو اسے برا بھلا کہنے اور اس سے دشمنی کرنے والے بھی نہیں تھے۔

مکہ مکرمہ میں اسلام کو نفرت ومزاحمت کرنے والے عناصر ملے تھے، یہاں احترام وتوجہ والے عناصر ملے۔ اہل مدینہ کی اسلام سے شناسائی کو تین برس بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ اس کا زبردست قلعہ اور پناہ گاہ بن گئے۔

دونوں شہروں میں فرق

مکہ ایک طویل عرصہ سے امن واطمئنان کی زندگی گذار رہا تھا۔ ہر جگہ سے وہاں رزق پہنچ رہا تھا اور اس کی دو بڑی وجہیں تھیں:

۱۔ اہل مکہ کی تجارتی مہارت۔

۲۔ حرم شریف کا دینی مقام ومرتبہ۔

دونوں اسباب سے وہاں دولت پہنچ رہی تھی یہاںتک کہ اہل مکہ حد سے زیادہ نازونعمت میں رہتے ہوئے عیش وعشرت اور تکبر وقساوت قلبی میں مبتلا ہوگئے۔ جب اسلام ظاہر ہوا اور حضرت محمد ﷺ نے حق کی دعوت دی تو انہوں نے فوراً سرکشی اور دشمنی کا رویہ

Marfat.com

اختیار کرلیا اور یہ اعلان کر دیا کہ ان کا مرکز، جو صنم پرستی کی راجدھانی، اصنام کا مرکز اور حاجیوں کا ٹھکانا ہے، وہ ختم ہو جائے گا اگر اس دین کو پھیلنے اور زندہ رہنے کا موقع دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے پوری جدوجہد کی کہ اہل مکہ کو اس کا قائل کر دیں کہ ان کے حق کو قبول کرنے سے انہیں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوگا۔ لیکن ظالم لوگوں نے مان کر نہیں دیا۔

وقالوا ان نتبع الهدیٰ معك نتخطف من ارضنا اولم نمكن لهم حرما امنا یجی الیه ثمرات كل شئی رزقا من لدنا ولكن اكثرهم لا یعلمون (القصص:۵۷)

وہ کہتے ہیں ''اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک پرامن حرم کو ان کے جائے قیام بنادیا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھنچے چلے آتے ہیں ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

چنانچہ مکہ کے سردار اسلام کے ساتھ معرکہ آرائیوں میں غرق ہو گئے جسے وہ دیگر عوامل کے ساتھ ہی اپنے مادی وجود اور اقتصادی حالت کا دفاع قرار دے رہے تھے. پھر ان معرکہ آرائیوں کے جو نتائج نکلے وہ سب کو معلوم ہیں۔

وكم اهلكنا من قریة بطرت معیشتها فتلك مساكنهم لم تسكن من بعدهم الا قلیلا وكنا نحن الوارثین (القصص:۵۸)

اور کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترا گئے تے سو دیکھ لو، وہ ان کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے آخر کار ہم ہی وارث ہو کر رہے۔

یثرب میں معاملہ اس کے برعکس رہا۔ وہاں کے لوگوں کی باہمی عداوتوں نے ان کا شیرازہ منتشر کر کے ان کی جان نکال رکھی تھی۔ لوگوں کو انہی سے فرصت نہیں ملتی تھی آپس کی طویل جنگوں نے انہیں اس حالت تک پہنچا دیا تھا، جس پر اہل دانش افسوس بھی کرتے تھے اور اس سے نجات کی تمنا بھی کرتے تھے۔ اوس وخزرج نام کے قبائل اصلاً ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپس میں شدید دشمنی کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ دشمنی آباء واجداد سے اولاد کو ورثہ میں منتقل ہوتی رہتی تھی اور اسی دشمنی کی گود میں پل کر بچے جوان ہوتے تھے۔ درحقیقت اس پھوٹ کے جراثیم یہودیوں کے پیدا کردہ تھے۔

Marfat.com

یہودیوں کا کارنامہ

یہودیوں کے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ کے سلسلے میں بری رائے رکھنے اور بدگوئی کرنے کی وجہ سے عیسائی ان سے کافی بدظن تھے۔ عیسائیوں کے خیال میں یہودی حضرت عیسیٰؑ کے قاتل اور انہیں صلیب دلانے والے تھے۔ چنانچہ جب وہ اقتدار میں آئے تو انہوں نے یہودیوں کو عیسائیت قبول کرانے یا نیست ونابود کرنے کی کوششیں کیں، جس سے بھاگ کر کچھ یہودی مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس آبسے تھے۔

بلا شبہ یہودی چست وچالاک قوم ہیں۔ وہ جہاں بھی جائیں پوری کوشش کرتے ہیں کہ مالیات پر ان کا کنٹرول ہو جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہر مکر وفریب سے کام لیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ یہ بھی سمجھتے رہے کہ ان کی تعداد کم ہے اور اگر وہ کسی قوم سے کھل کر مقابلہ آرائی کریں گے تو فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کے باہمی اتحاد و یگانگت کو ختم کرنے کے لئے ہر جگہ کینہ ونفرت کے بیج بوئے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہانتک کہ عرب بلا جواز مسلسل جنگوں میں پڑ کر ایک دوسرے کو ختم کرتے رہے، جبکہ یہودیوں کی تعداد اور طاقت و دولت بڑھتی رہی، ان کے قلعے مستحکم ہوتے گئے اور ان کے تسلط کا اندیشہ کیا جانے لگا۔

ہجرت سے چند برس پہلے مدینہ کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج کے درمیان جنگ بعاث کا سلسلہ چلا، جس میں پہلے خزرج کا پلڑا بھاری رہا، پھر اوس کا۔ دشمنی اتنی شدت اختیار کر گئی کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو بالکل صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تل گئے۔ اس صورتحال کی روک تھام چند اہل دانش کی مداخلت سے ہو سکی، جنہوں نے انہیں سمجھایا کہ اپنی اور بھائیوں کی نسلیں باقی رکھیں، کیونکہ ان کا ایک دوسرے کا پڑوس لومڑیوں یعنی یہودیوں کے پڑوس سے کہیں بہتر ہے۔

جب اسلام کے آغاز کی خبریں پہنچنے لگیں تو ان مسلسل فتنوں سے عاجز اہل مدینہ یہ امید قائم کرنے لگے کہ شاید اس کی بدولت ان میں پھر سے اتحاد و یگانگت پیدا ہو جائے اور امن وسکون کے قیام کے ساتھ یہودیوں کے مقابلہ میں ان کا پلڑا پھر بھاری ہو جائے۔

Marfat.com

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ حج کے موسم میں اپنی عادت کے مطابق لوگوں سے ملنے نکلے۔ خزرج کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا، اسلام کی دعوت دی اور قرآن کریم کی کچھ آیات سنائیں۔ ان لوگوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کی بات مان لی اور عرض کیا کہ ہماری قوم میں کافی باہمی عداوت ہے شاید اللہ تعالیٰ آپؐ کے ذریعہ ہم سب میں اتحاد پیدا کر دے۔ ہم ان کے پاس جا کر آپ کے پیغام کی دعوت دیں گے اور ہم نے جو دین قبول کیا ہے وہ ان کے سامنے پیش کریں گے اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے پیغام پر جمع کر دیا تو آپؐ سے زیادہ عزیز کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ لوگ ایمان قبول کر کے مدینہ لوٹ گئے۔

بیعت عقبیٰ اولیٰ

یہ چند لوگ مدینہ میں اسلام کی اشاعت کا ہراول دستہ تھے۔ جلد ہی ان کی کوششیں بار آور ہوئیں اور کوئی گھرانہ ایسا نہیں بچا، جس میں اسلام داخل نہ ہو گیا ہو یہاں تک کہ جب اگلا موسم حج آیا تو مدینہ سے اسلام لانے والے بارہ اشخاص نکلے، ان میں چھ اشخاص پچھلے سال آپؐ سے گفتگو کر چکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان سے عقبہ کے مقام پر ملے، آپؐ نے ان سے خدائے واحد پر ایمان، بہترین اعمال کی بجا آوری اور برے اعمال سے دور رہنے پر بیعت لی۔ حضرت عبادہؓ بن صامت کا بیان ہے کہ ہم نے بیعت عقبہ اولیٰ کی رات رسول اللہ ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، کوئی بدکاری نہیں کریں گے اور بھلائی کے کام میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

آپؐ نے فرمایا: اگر تم نے اس عہد کو نبھایا تو تمہیں جنت ملے گی اور اگر کوئی خلاف ورزی کر لی اور دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو یہ اس کا کفارہ ہو جائے گی اور اگر تم نے اسے یوم قیامت تک چھپایا تو تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہو گا۔ اگر وہ چاہے گا تو سزا دے گا اور اگر چاہے گا تو بخش دے گا (بخاری)

یہ تھی آپ کی دعوت جس کا جاہلیت انکار کر رہی تھی۔

Marfat.com

کیا ان باتوں کا انکار سوائے ایسے مجرم کے کوئی کر سکتا ہے، جو لوگوں کے لئے برائی اور زمین پر فساد اور بگاڑ چاہتا ہو؟

انصار کا وفد یہ بیعت کر کے مدینہ لوٹنے لگا تو آپؐ نے خیال فرمایا کہ اپنے کسی معتمد آدمی کو ان کے ساتھ بھیج دیں تا کہ وہ انہیں قرآن کی آیات سنائے، دین کی سمجھ پیدا کرے اور اسلام کو فروغ دے۔ نگاہِ انتخاب حضرت مصعبؓ بن عمیر پر پڑی کہ وہ امانت دار معلم کا فرض انجام دیں۔

اسلام کی اشاعت اور لوگوں کو اس پر اکٹھا کرنے میں حضرت مصعبؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور انہوں نے لوگوں کو ان کے موروثی خیالات و عادات سے نجات دلا کر ایمان و عمل، اخلاق و کردار اور بہترین طرز عمل کے نئے نظام کی طرف منتقل کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

آپ حضرت مصعبؓ کو ان کرایہ کے مشنریوں جیسا نہ سمجھیں جنہیں مغربی استعمار نے مشرق پر حملے کے ساتھ دراندازکر دیا کہ آپ ان میں سے کسی کو کسی مریض کے بستر کے پاس بیٹھ کر یہ کہتے پائیں کہ یہ جام صحت تمہارے لئے کنواری مریم نے بھیجا ہے، یا یہ روٹی تمہارے لئے حضرت مسیحؑ نے تحفہ کے طور پر بھیجی ہے۔

بسا اوقات وہ کوئی اسکول کھولے گا، جس کا ظاہری مقصد محض تعلیم دینا ہوگا یا کوئی یتیموں وغیرہ کا مرکز قائم کرے گا، جو بظاہر صرف نیکی کے لئے ہوگا، لیکن مقصد نو خیز نسل کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔

یہ روحانی ڈاکہ کی ایک شکل ہے، جو دین کی دعوت کے نام پر ڈالا جاتا ہے۔ جو لوگ یہ مسخرہ پن کرتے ہیں، انہیں ان ممالک سے حوصلہ افزائی ملتی ہے، جو انہیں بھیجتے ہیں اور جو ہر طرح کی امداد سے انہیں اپنا کام جاری رکھنے کی طاقت پہنچاتے ہیں۔

حضرت مصعبؓ کی پشت پر ایک مظلوم و مجبور نبیؐ تھے اور ان کا پیغام اس وقت کے قوانین کے خلاف بغاوت مانا جا رہا تھا۔ ان کے پاس کہاں ایسے وسائل تھے جن کی طرف دنیا پرست اور موقع پرست لپکتے۔ ان کے پاس تو محض اپنی ذہانت، پختہ کردار، اخلاص اور اپنی قربانیاں تھیں۔ پھر جس قرآن کی منتخب آیات وہ بہترین انداز میں تلاوت کیا کرتے تھے وہ دل و دماغ کو اپنی طرف جذب کرتا تھا اور نئے دین کے

Marfat.com

لئے دا:ں کے دریچے کھولتا تھا۔

موسم حج سے ذرا پہلے حضرت مصعبؓ مکہ مکرمہ لوٹے اور رسول اللہ ﷺ کو مدینہ میں اسلام کی مقبولیت کی خبریں سنائیں اور بتایا کہ بہت بڑی تعداد خوب سمجھ بوجھ کر اسلام قبول کر چکی ہے اور آپؐ خود اپنی آنکھوں سے اس موسم حج میں ان کی اتنی بڑی تعداد دیکھیں گے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

بیعت عُقبہ کبریٰ

مدینہ کے اسلام قبول کرنے والوں کے دلوں میں یہ احساس کسک پیدا کرتا تھا کہ ان کے مسلمان بھائی مکہ میں سخت دشواریوں کا سامنا کر رہے ہیں اور کمزور سمجھ کر ان پر مظالم توڑے جا رہے ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ کو سرکشوں کی طرف سے اذیتوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اسی لئے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے وہ باہم سوال کر رہے تھے کہ ہم کب تک رسول اللہ ﷺ کو اس افسوسناک حال میں چھوڑے رہیں گے؟

ان کے دلوں میں ایمان جاگزیں ہو چکا تھا اور ان میں یہ جوش پیدا ہو رہا تھا کہ داعیؐ اور دعوت کے ارد گرد جو حصار قائم ہے اسے کس طرح توڑا جائے۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ہم میں ستر لوگ موسم حج میں مکہ پہنچے اور عقبہ کی گھاٹی میں آپؐ سے ملاقات کا وقت طے ہوا۔ ہم وہاں پہنچے تو عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کس چیز پر آپؐ سے بیعت کریں۔ آپؐ نے فرمایا: تم چستی و سستی میں اطاعت و پیروی، کشادگی و تنگدستی میں خرچ، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے پر بیعت کرو اور یہ کہ تم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کیے بغیر حق کے لئے کھڑے ہو گے اور اگر میں تمہارے پاس آیا تو تم میری اسی طرح مدد اور حفاظت کرو گے جیسے تم اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہو اور تمہیں اس کے بدلے میں جنت ملے گی۔

ہم بیعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسعدؓ بن زرارہ (جو حضرت جابرؓ کے بعد سب سے کم سن تھے) نے کہا: اہل یثرب! ٹھہریئے، ہم اتنی دور سے سفر کی مشقت جھیل کر اسی لئے آئے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپؐ کو نکال لے جانے کا مطلب ہوگا تمام عربوں کو چیلنج کرنا، اپنے کو تلواروں کی دھار پر رکھنا اور اپنے بہترین لوگوں کی قربانی کرنا۔ اگر تم لوگ یہ سب سمجھ بوجھ کر کر رہے ہو تب تو

Marfat.com

آپ کا ہاتھ پکڑ واور تمہیں اجر دینے والا اللہ ہوگا اور اگر تم اپنی جانوں کے لئے ڈر محسوس کرتے ہو تو یہ صاف بتا کر آپؐ کو یہیں رہنے دو، تمہارا عذر اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہوگا۔

لوگوں نے کہا: اسعد ہاتھ ہٹاؤ۔ خدا کی قسم ہم اس بیعت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ پھر ہم نے ایک ایک کر کے آپؐ سے بیعت کی (احمد و حاکم)

حضرت کعبؓ بن مالک کی روایت ہے کہ ہم عقبہ کی رات میں اپنے لوگوں کے ساتھ اپنے پڑاؤ پر سو گئے جب ایک تہائی رات گذر گئی تو ہم دھیرے دھیرے اپنے پڑاؤ سے نکلے اور چھپتے چھپاتے وقت مقررہ پر عقبہ میں پہنچ گئے ہم تہتر (۷۳) مرد تھے ہمارے ساتھ دو عورتیں نسیبہؓ بن کعب اور اسماءؓ بنت عمرو بن عدی بھی تھیں۔

جب ہم عقبہ کی گھاٹی میں اکٹھا ہو چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی تھے، جو ابھی اپنی قوم کے دین پر برقرار تھے لیکن اپنے بھتیجے کے لئے یقینی صورت پیدا کرنے کی خواہش میں آئے تھے۔ پہلے انہی نے بات کی اور کہا اے خزرج کے لوگو! محمدؐ کا جو مرتبہ و مقام ہمارے یہاں ہے وہ تم جانتے ہی ہو، ہم نے اپنی قوم سے تعلق رکھنے والے آپؐ کے مخالفین سے آپ کی حفاظت کی ہے، آپؐ اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت کے ساتھ ہیں، لیکن تم لوگوں کی طرف مائل ہو کر تمہارے ساتھ مل جانا چاہتے ہیں، اگر تمہارے خیال میں تم ان کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کر سکتے ہو اور مخالفین سے آپؐ کی حفاظت کر سکتے ہو، تب تو یہ ذمہ داری لو اور اگر یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری طرف پہنچ جانے کے بعد تم آپؐ کو رسوا اور دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو ابھی سے چھوڑ دو یہاں اپنی قوم و وطن میں آپؐ عزت و حفاظت کے ساتھ ہیں۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کہا: ہم نے آپ کی بات سن لی، اب یا رسول اللہ! آپ فرمائیں اور جو عہد پسند کریں اپنے اور اپنے رب کے لئے ہم سے لیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو کی، اللہ کی طرف بلایا، اسلام کی رغبت دلائی پھر فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اسی طرح میری حفاظت کرو گے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہو۔ تب حضرت براءؓ بن معرور نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم اس طرح آپ کی حفاظت

Marfat.com

کریں گے جیسے اپنی کرتے ہیں۔ یا رسولؐ اللہ! ہم سے بیعت لیجئے، خدا کی قسم ہم جنگوں سے کھیلنے والے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ ہم یہی کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسی درمیان ابوالہیثمؓ بن تیہان نے بات کاٹ کر عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کچھ تعلقات ہیں اور اس طرح ہم وہ سلسلہ منقطع کر دیں گے، پھر ہم نے اگر ایسا کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو غالب فرمایا تو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس لوٹ جائیں گے؟ آپؐ نے تبسم فرمایا اور کہا: اب جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ میں تمہارا ایک فرد رہوں گا اور تم میرے۔ جس سے تم جنگ اور صلح کرو گے اس سے میں بھی صلح اور جنگ کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ اپنے درمیان سے بارہ (۱۲) نمائندے چن لیں۔ انہوں نے نو (۹) خزرج سے اور (۳) اوس سے چن لئے تب آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنی قوم کے اسی طرح ذمے دار و کفیل ہو جیسے حواری حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے تھے اور میں اپنی قوم کا ذمہ دار رہوں گا۔

یہ تھی دوسری بیعت عقبہ جس میں یقین، جانثاری اور بہادری کی روح سب لوگوں پر غالب اور ہر ہر لفظ سے عیاں تھی۔ یہ محض جوش جذبات میں نکلے ہوئے الفاظ نہیں تھے، بلکہ حال کے ساتھ مستقبل میں پیش آنے والے متوقع خطرات کو بھی پوری طرح نگاہوں میں رکھا گیا تھا۔ ظاہر ہے اس وقت فائدوں کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، سارا معاملہ قربانی وایثار ہی کا تھا۔

یہ ستر (۷۰) لوگ آزادانہ غور وفکر اور یقین واطمینان کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کا نمونہ ومثال تھے۔ یہ لوگ یثرب سے پختہ ایمان کے ساتھ قربانی کے جذبہ سے آئے تھے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ شجاعت اور اعتماد کی اس زبردست طاقت کا سرچشمہ قرآن تھا۔ اگرچہ انصار نے اس بیعت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت کم لمحات گذارے تھے لیکن وحی الٰہی نے ان کا راستہ اور منزل پہلے ہی سے روشن کر دیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں قرآن کریم کا تقریباً نصف حصہ نازل ہو چکا تھا جو حفاظ کی زبانوں پر جاری تھا۔ قرآنی آیات نے آخرت کی جزا کی تصویریں ان کے بالکل سامنے کر دی تھیں جیسے وہ اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں کہ وہ ہاتھ بڑھا کر جنت کے پھل توڑ سکتے ہیں اور

Marfat.com

جانثاری کے ایک لمحہ کے بعد ریگستان سے جنت کی نہروں میں منتقل ہو سکتے ہیں۔قرآن نے سابقہ قوموں کے حالات واضح کر دیئے تھے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں نے اخلاص کا راستہ اختیار کیا کس طرح کامیابی ونجات سے سرفراز ہوئے اور مشرکین نے سرکشی وظلم کا راستہ اختیار کیا تو کس طرح خدائی انصاف نازل ہوا اور وہ اور ان کی بستیاں کس طرح تباہ و برباد ہو گئیں۔

پھر حق پر ایمان نے سارے مومنین کے درمیان محبت و ہمدردی کا مضبوط رشتہ قائم کر دیا تھا۔مدینہ کے مسلمان بھی مکہ میں اپنے کمزور بھائیوں کے حالات سے درد محسوس کرتے تھے۔

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! سنو اور سمجھ لو۔جان لو کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں، نہ شہید، لیکن انبیاء وشہداء بھی اللہ تعالیٰ سے ان کی قربت اور ان کے مرتبہ ومقام پر رشک کرتے ہیں۔ایک دیہاتی، جو مجلس کے ایک دور کے کونے میں بیٹھا ہوا تھا، یہ سن کر اٹھا اور اور عرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے، ہمیں بتایئے۔آپ کا چہرہ اس سوال سے خوشی سے دمکنے لگا، آپؐ نے فرمایا: وہ دور دراز کے قبیلوں سے تعلق رکھنے والے عام افراد ہوں گے، ان کے درمیان کوئی قریبی رشتہ نہیں ہوگا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے لئے باہم دوستی ومحبت کریں گے۔اللہ تعالیٰ ان کے لئے قیامت کے دن نور کے منبر رکھے گا، وہ ان پر بیٹھیں گے تو ان کے چہرے نور سے چمکنے لگیں گے اور ان کے لباس بھی نور بن جائیں گے قیامت کے دن جب لوگ سہمے ہوئے ہوں گے تو ان پر گھبراہٹ نہیں طاری ہوگی۔وہ خدا کے ولی ہوں گے، نہ انہیں کوئی ڈر ہوگا، نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔

مکہ کے قریب رات کی تاریکی میں اکٹھے ہونے والے ان حضرات کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اسی کے لئے محبت اور اس کے نام پر ایک دوسرے کی مدد کے جذبات موجزن تھے اور ان کے جذبہ صادق سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اللہ کے رسولؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے، جیسے خود اپنی آبرو کی حفاظت کرتے ہیں اس طرح جی جان سے آپؐ کا دفاع کریں گے کہ ان کی زندگی میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ پائے گی۔

مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے اسلام کو اپنے دائرے میں گھیر لیا ہے اور

Marfat.com

مسلمانوں کو اتنا تنگ کر دیا ہے کہ وہ خود کو سزا کے منتظر مجرم کی طرح سمجھنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

جی ہاں آج کی رات میں حق کی فوج یہ عہد لے رہی تھی کہ وہ جاہلیت کی کمر توڑ کر اہل جاہلیت کا نام ونشان مٹا دے گی۔

☆☆☆

ایک شیطان صفت مشرک حاجیوں کے پڑاؤ اور خیموں کے درمیان چکر لگا رہا تھا۔اس نے عقبہ کی گھاٹی میں کچھ سرگرمی محسوس کی تو چپکے سے معلومات حاصل کرنے لگ گیا۔پھر اہل مکہ کو چیخ کر خبر دار کرنے لگا کہ " محمدؐ اور یہ لوگ تم سے لڑنے کے لئے اکٹھا ہو گئے ہیں" اس کی چیخ اتنی زوردار تھی کہ سوتوں کو جگا دے۔بیعت کرنے والوں نے محسوس کیا کہ مشرکین پر معاملہ کھل گیا ہے۔انہوں نے اس کے نتائج کی پرواہ نہیں کی بلکہ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، اگر آپ چاہیں تو ہم کل منیٰ میں لوگوں کو تلوار کی دھار پر رکھ لیں۔آپؐ نے فرمایا: ہمیں اس کا حکم نہیں ملا ہے۔اپنے پڑاؤ میں واپس چلے جاؤ۔

حضرت کعبؓ کی روایت ہے کہ صبح کو قریش کے لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ (حضرت) محمدؐ کو ہمارے درمیان سے نکال لے جانے کے لئے آئے ہو اور ہم سے جنگ کے لئے ان سے بیعت کر رہے ہو۔خدا کی قسم عربوں کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس کے ساتھ جنگ ہم کو تمہارے ساتھ جنگ سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔اہل مدینہ میں چند مشرکین بھی تھے۔انہوں نے قسم کھائی کہ ایسا کچھ نہیں ہے (انہوں نے سچ کہا تھا، وہ اس بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں تھے)

تاہم قریش کو یقین ہو گیا تھا کہ جو کچھ انہیں بتایا گیا ہے وہ سچ ہے۔قریش انصار کی تلاش میں نکلے لیکن وہ جا چکے تھے، صرف حضرت سعدؓ بن عبادہ ملے، انہیں وہ ان کے ہاتھ گردن میں باندھ کر لے گئے اور ان کے بال پکڑ کر کھینچا اور زدوکوب کرنے لگے۔تب انہیں جبیر ابن مطعم اور حارث بن حرب نے بچایا جن کے قافلوں کو مدینہ سے گذرتے ہوئے حضرت سعدؓ پناہ دیا کرتے تھے۔

Marfat.com

ہجرت کا آغاز

کفر و جہالت کے وسیع صحرا کے درمیان اپنا ایک وطن و مرکز بنانے میں اسلام کی کامیابی دعوت کے آغاز سے اب تک کی سب سے اہم کامیابی تھی۔ ہر طرف سے مسلمان سمٹ کر وہاں پہنچنے لگے۔ ہجرت کا مطلب محض فتنہ و استہزاء سے نجات ہی نہیں تھا بلکہ ایک محفوظ جگہ ایک نئے معاشرے کی تشکیل میں تعاون پیش کرنا بھی تھا۔

جو مسلمان اس کی طاقت رکھتا تھا اس کے لئے فرض تھا کہ وہ اس نئے وطن کی تعمیر میں حصہ لے اور اسے محفوظ بنانے اور ترقی دینے میں اپنی سی کوشش کرے۔

آج کے دور میں بھی یہودیوں نے طویل صدیوں تک مارے مارے پھرنے کے بعد اپنا قومی وطن بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تو باہم ایک دوسرے کو مبارکباد دینے اور اپنے آپ پر فخر و ناز کرنے لگے۔

یہودیوں نے اس زمانہ میں جو کیا --- یا صحیح تر الفاظ میں جو ان کے لئے کر دیا گیا --- اس میں اور اس جدوجہد میں زمین آسمان کا فرق ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو مدینہ منورہ ہجرت کر کے کرنی پڑی تھی۔

یہودی فلسطین میں ایسے وقت پہنچے جب عربوں میں انتشار، غفلت، اور کمزوری کا غلبہ تھا انہوں نے پہلے سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن مغربی سیاستدانوں کے ساتھ سازشوں کے جال بن لئے تھے۔ پوری دنیا مال و دولت، اسلحہ، عورتوں اور چالاکیوں کے ساتھ ان کی پشت پر تھی۔ غداریوں میں گھرے ہوئے دس لاکھ فلسطینی کچھ نہیں کر پائے۔ امریکہ، روس، انگلینڈ اور فرانس نے ان کے خلاف اتحاد کر رکھا تھا اور عرب بادشاہ انہیں بے سہارا چھوڑے ہوئے تھے۔ یہودی وطن اس طرح قائم ہوا اور اس کی طرف ہجرت کی عالمی حوصلہ افزائی کی گئی۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرتے ہوئے ایک اندھے حال و مستقبل کی طرف سفر کر رہے تھے۔ ان کا کل سرمایہ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص اور اسلام کے پیغام کے ساتھ ان کی بے نظیر وابستگی تھی۔

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني وسبحن الله وما انا من المشركين (يوسف :۱۰۸)

کہہ دیجئے میرا راستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

Marfat.com

جس مثالی شہر کا تصور فلسفیوں نے پیش کیا ہے اور جس درجۂ کمال تک انہوں نے اپنے کتابوں میں تخیل کے سہارے اسے پہنچایا ہے، وہ اس سے کہیں کمتر ہے جہاں تک یہ مہاجرین پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ پختہ ایمان انسانوں کو ایسی مخلوق بنا دیتا ہے جس کی چمک دمک پر فرشتے بھی فخر کریں۔

مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے مکہ وغیرہ سے مدینہ کی طرف پیش قدمی پورے یقین واعتماد کے ساتھ کی۔ یہ کسی افسر کی کسی قریبی جگہ سے کسی دوسری جگہ منتقلی، یا کسی شخص کا قحط زدہ علاقہ سے روزی کی تلاش میں کسی سرسبز وشاداب علاقہ کی طرف سفر نہیں تھا۔

یہ تو ایک مومن کا اپنی جاہ ومنزلت اور سارے مفادات کو قربان کر کے اپنے عقیدہ کی راہ میں اپنی جان کو بچانا تھا۔ یہ ایک مبہم مستقبل کی طرف سفر تھا اور معلوم نہیں آنے والے دن کیا کیا مسائل اور پریشانیاں لے کر آنے والے تھے۔ یہ کسی تنہا فرد کی مہم جوئی نہیں تھی، تمام اہل وعیال کو بھی داؤں پر لگانا تھا۔

جو ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری ہو وہ کبھی ڈگمگا نہیں سکتا۔ اور ایمان بھی کس پر؟ اس خدا پر جس کے قبضۂ قدرت میں آسمان وزمین کی ہر چیز ہو اور جو انتہائی حکمت والا اور باخبر ہو۔

ان زبردست رکاوٹوں کو کوئی مومن ہی پار کرنے کی ہمت کر سکتا تھا۔ کوئی پراگندہ خیال، ڈرپوک اور اندیشوں میں گرفتار شخص نہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم (النساء:٦٦)

اگر ہم نے انہیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے کم ہی آدمی اس پر عمل کرتے۔

جو لوگ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملے تھے اور آپؐ سے ہدایت کی روشنی حاصل کر کے باہم حق پر ثابت قدمی واستقامت کی تلقین کر رہے تھے، ان سے جیسے ہی کہا گیا کہ اسلام کو مضبوط کرنے اور اس کے مستقبل کی ضمانت کے لئے ہجرت کرو تو فوراً ہی بے چون وچرا کمر بستہ ہو گئے۔ مشرکوں نے چند روز کے بعد دیکھا کہ بہت سے

Marfat.com

آباد گھر ویران ہو گئے ہیں اور ان میں کوئی رہنے والا باقی نہیں۔

ایک دن حضرت عباسؓ، عتبہ اور ابو جہل حضرت عامرؓ بن ربیعہ کے گھر کے پاس سے گذرے۔ وہ اپنی بیوی اور بھائی احمدؓ کے ساتھ ہجرت کر چکے تھے۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ ابو جہل نے حضرت عباسؓ سے کہا: یہ آپ کے بھتیجے کا کارنامہ ہے جنہوں نے ہمارا شیرازہ منتشر کر ڈالا اور ہمارے درمیان پھوٹ پیدا کر دی۔

ابو جہل اس طرح ان سرکشوں کے طرز فکر کا مظاہرہ کر رہا تھا جو ہمیشہ ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتے ہیں اور جو کمزور ان کے سامنے جھکتے نہیں ان پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔

شروع کے مہاجرین میں حضرت ابو سلمہؓ، ان کی بیوی اور بیٹے بھی تھے۔ جب ان لوگوں نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو ان کے سسرال والے آ گئے اور کہنے لگے تم اپنے مختار ہو لیکن ہم تمہیں اپنی اس لڑکی کو کیسے لے جانے دیں۔ انہوں نے بیوی چھین لی تو ابو سلمہ کے گھرانے والوں کو غصہ آ گیا اور کہنے لگے: اگر تم بیوی کو چھین رہے ہو تو ہم اپنا لڑکا تو دے نہیں سکتے۔ دونوں فریق لڑکے کو اپنی طرف کھینچنے لگے، اس کا ایک ہاتھ اکھڑ گیا، آخر ابو سلمہ کے گھر والے اسے لے گئے۔ ابو سلمہ تنہا مدینہ گئے۔ ام سلمہ اپنے شوہر کے چلے جانے اور بیٹے کے برباد ہونے کے بعد روزانہ صبح ابطح میں جاتی تھیں اور شام تک وہاں روتی رہتی تھیں۔ یہ سلسلہ سال بھر جاری رہا۔ تب ان کے گھر والوں میں سے کسی کو رحم آ گیا، اس نے ان لوگوں سے کہا تمہیں اس بے چاری پر رحم نہیں آتا کہ اسے اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کر رکھا ہے۔ ان لوگوں نے کہا اچھا اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ چنانچہ ام سلمہؓ نے اپنے شوہر کے گھر والوں سے بیٹا لیا اور مدینہ ہجرت کر گئیں۔

جب حضرت صہیبؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے کہا۔ تم ذلیل فقیر کی طرح یہاں آئے تھے، یہاں تمہیں کافی دولت حاصل ہو گئی اور عزت ملی اب تم اپنے مال کے ساتھ نکل جانا چاہتے ہو، خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضرت صہیبؓ نے کہا اگر میں تمہارے لئے اپنی دولت چھوڑ دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا میں نے اپنی دولت تمہارے لئے چھوڑ دی۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: صہیب نے نفع کا سودا کیا (ابن ہشام)

Marfat.com

اس طرح مہاجرین ایک ایک کر کے مکہ چھوڑنے لگے، یہانتک کہ مکہ تقریباً مسلمانوں سے خالی ہو گیا اور قریش کو محسوس ہونے لگا کہ اسلام کو ایک پناہ گاہ مل گئی۔ وہ اس اہم پیش رفت کے نتائج سے خوف محسوس کرنے لگے اور ان کے دلوں میں ویسی ہی وحشت خیزی و بربریت پیدا ہو گئی جو کسی درندے میں اپنی جان خطرے میں دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔

دارالندوہ میں

مکہ کے سرکش دارالندوہ میں اکٹھا ہوئے تا کہ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ کن بات طے کر سکیں۔ کسی نے رائے دی کہ (نعوذ باللہ) حضرت محمدؐ کے ہاتھوں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں، انہیں قید خانہ میں ڈال دیا جائے اور کھانا پانی نہ دیا جائے یہانتک کہ موت آجائے۔ کسی نے رائے دی کہ آپؐ کو مکہ سے جلاوطن کر دیا جائے، پھر کبھی مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس طرح قریش کو ان سے نجات مل جائے گی۔

ان دونوں تجویزوں کو زیادہ کارگر نہ سمجھ کر ابوجہل کی تجویز پر سب کی رائے جم گئی اس کی تجویز یہ تھی کہ قریش کے ہر خاندان سے ایک ایک نوجوان لیا جائے اور سب کو ایک ایک تیز تلوار دی جائے، پھر سب مل کر آپؐ پر ایک ساتھ وار کریں۔ جب (نعوذ باللہ) آپؐ قتل ہو جائیں تو خون کی ذمہ داری تمام قبائل پر آئے گی۔ ابوجہل کے خیال میں بنی ہاشم تنہا سارے قریش سے لڑ نہیں پائیں گے اور جب خوں بہا کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہ جائے گا تو سب مل کر ادا کر دیں گے۔ یہ طے کر کے سب لوگ فیصلہ کے نفاذ کی تیاری کے لئے رخصت ہو گئے۔ قرآن کریم اس سازش کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے:

واذیمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ویمکرون ویمکر الله والله خیر الماکرین (الانفال: ۳۰)	اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرین حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ اپنی چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

یہ فیصلہ کسی خفیہ میٹنگ کا ڈھکا چھپا فیصلہ نہیں تھا بلکہ عام اجتماع میں کیا گیا تھا۔ فطری بات تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہو جائے اور آپؐ جان لیں کہ مکہ کے سرکش آپؐ کو اصنام کی بھینٹ چڑھانے کے لئے صرف وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو ہجرت کی ہدایت کر دیں اور خود ہجرت نہ فرمائیں۔

Marfat.com

آپؐ نے جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت دی تھی تبھی اپنی ہجرت کا منصوبہ بھی بنالیا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ہی مسلمانوں کو بتادیا تھا کہ ''مجھے تمہاری ہجرت کا مقام دکھا دیا گیا ہے یہ کھجوروں کے درمیان ہے چنانچہ یہ سن کر لوگ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور جو لوگ حبشہ گئے تھے وہ بھی مدینہ کی طرف لوٹنے لگے۔

رسولؐ اللہ کی ہجرت

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ جانے کا عزم فرمالیا تو آپؐ کے دل میں یہ دعا ڈالی گئی جو آپؐ کی زبان پر جاری ہوئی:

وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطٰنا نصیرا (ترمذی)

اور کہو اے میرے رب مجھے سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ نکال اور میرے لئے اپنے پاس سے مددگار بخش۔

ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا مستحق کون انسان ہوسکتا تھا؟ آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کیسی کیسی مشکلات سے دوچار نہ ہوئے تھے لیکن خدائی تائید کے استحقاق کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ اسباب وسائل اختیار کرنے میں ذرا بھی کوتاہی کی جائے۔

اسی لئے آپؐ نے ہجرت کا مضبوط منصوبہ بنایا اور ہر طرح کے امکانات کو پیش نظر رکھ کر تیاری فرمائی۔ محض قسمت کے بھروسے کوئی قدم اٹھانے سے باز رہے۔

یہی مومن کی شان ہے کہ وہ تمام اسباب ووسائل اختیار کرتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے بغیر انجام نہیں پاسکتی۔

اگر انسان اپنے فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں اپنی ساری کوششیں کرلے، پھر بھی ناکام ہوجائے، تب اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل ملامت نہیں ہوگا۔ اور ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے۔

بسا اوقات انسان کامیابی کی بہترین تیاریاں کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے نتائج کئی گنا بہتر کردیتی ہے۔

جیسے کسی ماہر ناخدا کی رہنمائی میں چلنے والا جہاز اگر ہوا کا رخ موافق پاجاتا ہے

Marfat.com

تو مقررہ وقت سے پہلے ہی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا معاملہ بھی پوری تیاری کے ساتھ انجام پایا۔ آپؐ نے سارے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت دے دی تھی، صرف حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کو روک لیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک بار اجازت چاہی بھی تو آپؐ نے فرمایا جلد بازی نہ کرو، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارا کوئی ساتھی بنادے، حضرت ابو بکرؓ نے محسوس کرلیا کہ اس جواب سے مراد گویا آپؐ خود ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے سفر کی تیاری کے سلسلے میں دو سواریاں خریدیں اور انہیں اپنے گھر میں رکھ کر چارہ پانی دیتے رہے۔

حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص ذمے داری ادا کرنے کے لئے تیار کیا تھا جو خطرات سے بھری ہوئی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ناغہ نہیں ہوتا تھا کہ روزانہ، صبح یا شام میں، حضرت ابو بکرؓ کے گھر آئیں۔ جس روز آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی اجازت دی آپؐ خلاف معمول دوپہر میں تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کو دیکھ کر اندازہ لگالیا کہ آپؐ کسی خاص معاملہ ہی کی وجہ سے تشریف لائے ہیں۔ آپؐ بیٹھ گئے حضرت ابو بکرؓ ابھی آپؐ کے پاس نہیں پہنچے تھے صرف ہم دونوں (حضرت عائشہ اور ان کی بہن حضرت اسماءؓ) وہاں تھے۔ جب حضرت ابو بکر آگئے تو آپؐ نے فرمایا: تنہائی چاہئے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ دونوں تو میری بیٹیاں ہیں، میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، اس میں کیا حرج ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے دریافت کیا: میرا بھی ساتھ رہے گا؟

آپؐ نے فرمایا: ساتھ رہے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: خدا کی قسم مجھے اس دن سے پہلے کبھی معلوم نہیں ہوا تھا کہ کوئی شخص خوشی سے بھی روپڑتا ہے یہانتک کہ میں نے حضرت ابو بکر کو روپڑتے دیکھا۔

پھر انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اسی دن کے لئے یہ دونوں سواریاں تیار کر رکھی ہیں پھر دونوں حضرات نے عبداللہ بن اریقط کو (جو مشرک تھے

Marfat.com

رہنمائی کے لئے اجرت پر طے کیا اور دونوں سواریاں ان کے حوالے کر دیں۔ وہی مقررہ وقت تک ان کی دیکھ بھال کرتے رہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہوسکتا ہے رسول اللہ ﷺ کے سفر ہجرت سے پہلے اس کے بارے میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ اور ان کے گھر والوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اس لئے پیچھے چھوڑ دیا تھا کہ آپؐ کے پاس لوگوں کی جو امانتیں جمع تھیں انہیں ادا کر دیں۔

مکہ میں جس شخص کے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہوتی تھی جس کے ضائع ہونے کا اسے اندیشہ ہوتا تھا تو وہ آپؐ کی سچائی اور امانت داری کی وجہ سے آپؐ ہی کے پاس رکھ دیا کرتا تھا۔

تدبیرِ معاملات کا سبق

یہ بات قابل توجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفر کو راز میں رکھا اور سوائے بہت قریبی لوگوں کے اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہوسکا اور وہ جتنا علم ہوا بھی وہ اسی سے متعلق کام تک محدود رہا۔

آپؐ نے صحرا کے راستوں کے ایک ماہر رہنما (گائڈ) کی خدمات حاصل کیں تا کہ اس کی مہارت سے پیچھا کرنے والوں کو ناکام بنا سکیں۔ اور گائڈ چننے میں صرف اہلیت کو مدنظر رکھا چاہے، وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔

اپنے منصوبہ کو باریک بینی کے ساتھ تیار کرنے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی پیش کش کے باوجود انہیں باصرار سواری کی قیمت دی، کیونکہ اس ہجرت کے سلسلے میں خرچ کرنا بھی عبادت ہی کی ایک قسم تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلنے کی تفصیلات طے کیں اور وہ غار منتخب کیا جس میں انہیں پناہ لینی تھی۔ یہ غار یمن کی طرف جانے والے رخ پر جنوب کی سمت میں تھا، تا کہ پیچھا کرنے والے دھوکے میں پڑ جائیں، وہ اشخاص بھی طے کیے گئے، جنہیں غار میں پناہ کے دوران آپؐ لوگوں سے ربط قائم رکھنا تھا، اسی طرح ہر ایسے شخص کے ذمہ کا کام بھی متعین کر دیا گیا۔

سب کچھ طے کرنے کے بعد آپؐ اپنے مکان واپس لوٹ آئے۔ آپؐ نے

Marfat.com

دیکھا کہ قریش کے لوگوں نے آپؐ کے اردگرد حصار قائم کرنا شروع کردیا ہے، اور وہ نوجوان وہاں بھیجے جاچکے ہیں جن کے ذمہ رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر کے آپؐ کے خون کی ذمہ داری قبائل میں تقسیم کرنی تھی۔

اس ہولناک رات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ آپؐ کی وہ چادر، جسے آپؐ اوڑھ کر سوتے تھے، اوڑھ کر آپؐ کی چارپائی پر سو جائیں رات کی دبیز تاریکی میں جب اللہ تعالیٰ نے پہرے داروں پر غفلت طاری کردی تھی، آپؐ پہلے اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے، پھر وہاں سے دونوں حضرات اس غار میں پہنچ گئے جسے اللہ تعالیٰ نے آخری رسالت اور مکمل تہذیب کے مستقبل کی حفاظت سونپی تھی۔

غارِ ثور میں

ساری چیزیں منصوبہ کے مطابق ہوتی رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ہدایت کر رکھی تھی کہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہوں وہ سن کر شام کو آکر مطلع کردیا کریں، اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ دن بھر بکریاں چراتے رہیں شام کو غار میں ان کو دودھ پہنچانے کا انتظام کرتے رہیں۔ چنانچہ عبداللہ دن بھر مکہ مکرمہ میں گھوم کر سنتے رہتے کہ قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں اور کیا منصوبے بنارہے ہیں، پھر شام کو اندھیرے میں غار میں آکر سب کچھ بتا جاتے۔ عامر مکہ کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتے رہتے شام کو آپ لوگوں کے پاس بکریاں لاتے جن سے حسب ضرورت دودھ لے لیا جاتا۔ جب عبداللہ آپؐ لوگوں کے پاس سے مکہ کے لئے روانہ ہوتے تو عامر ان کے پیچھے بکریاں لے کر گذرتے، اس طرح عبداللہ کے پیروں کے نشانات مٹ جاتے۔

ضرورت کے مطابق یہ انتہائی احتیاط کا عمل تھا۔

مشرکین مکہ مہاجرین کی تلاش میں تمام راستوں پر گھات لگائے بیٹھے تھے اور مکہ کے تمام پہاڑوں اور غاروں میں چھان بین کر رہے تھے، یہانتک کہ ایک بار تو غار ثور کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ ان کے قدموں کی آہٹ سن رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ خوفزدہ ہوگئے اور آپؐ سے کہنے لگے کہ اگر ان میں سے کسی

Marfat.com

نے اپنے پیر کے نیچے نگاہ کی تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا: ابوبکرؓ ان دو اشخاص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی خود اللہ تعالیٰ ہو (بخاری)

پیچھا کرنے والے مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ مشرکین نقش قدم تلاش کرتے آگے بڑھتے گئے، جب جب ثور کے پاس پہنچے تو نشانات خلط ملط ہو گئے، وہ پہاڑی پر چڑھ گئے اور غار سے بھی گذرے لیکن دیکھا کہ اس کے منہ پر مکڑی نے جالا تان رکھا ہے یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے اگر کوئی یہاں آیا ہوتا تو اس کے دروازے پر مکڑی نے جالا نہ تنا ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے غار ثور میں تین راتیں گذاریں۔ اللہ تعالیٰ ہجرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

الا تنصروہ فقدنصرہ اللہ اذاخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم (التوبۃ: ۴۰)

تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پرواہ نہیں اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ "غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے" اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے اللہ زبردست اور دانا ہے۔

اللہ تعالیٰ جن لشکروں سے باطل کو شکست اور حق کو فتح یاب کرتا ہے وہ کسی خاص ہتھیار یا کسی غیر معمولی خرق عادت تک محدود نہیں، انہیں صرف مادی یا معنوی بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، اگر وہ مادی بھی ہوتے ہیں تو ان کی اہمیت ان کی بھاری تعداد سے ظاہر نہیں ہوتی، کبھی نگاہوں سے نظر نہ آنے والے باریک جراثیم بھی بڑی بڑی فوجوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

وما یعلم جنود ربک الا ھو (المدثر: ۲۱) اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبیؐ کے لئے مدد و نصرت کا ایک نمونہ تھا کہ اس نے آپؐ کے دشمنوں کو بالکل قریب ہوتے ہوئے بھی آپؐ کو دیکھنے سے مجبور کر دیا۔ یہ تقدیر کی طرف سے کسی ایسی قوم کی جانبداری نہیں تھی جس نے نجات کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے میں کوتاہی کر رکھی ہو، بلکہ یہ تقدیر کی طرف سے ایسی قوم کو بدلہ تھا جس نے

Marfat.com

احتیاط کا کوئی ذریعہ اختیار کرنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔

بنانے والے کتنے ہی منصوبے نہایت باریک بینی سے بناتے ہیں لیکن اندازہ سے بالاتر غیر معمولی چیزیں انہیں دشوار گذار حالات سے دوچار کر دیتی ہیں، بالآخر اللہ تعالیٰ کی حکمت عالیہ کے تقاضوں کے مطابق ان کا انجام ہوتا ہے۔

واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون (یوسف:۲۱)	اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

مدینہ منورہ کے راستے میں

غار ثور میں تین راتیں گذر چکیں اور مشرکین کا جوش ٹھنڈا پڑ چکا، تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا دشوار گذار سفر پھر شروع کرنے کی تیاری کی۔

اس سفر کے رہبر عبداللہ بن اریقط اپنے مقررہ وقت پر آ گئے، ان کے ساتھ وہ سواریاں بھی تھیں جنہیں کھلا پلا کر دور دراز کے سفر کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اللہ کے نام کے ساتھ یہ کارواں چل پڑا۔

اہل قریش کو اپنی ناکامی شدت سے کھل رہی تھی، چنانچہ انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ یا حضرت ابوبکرؓ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا اسے ایک خون بہا (سو یا دوسو اونٹ) کی رقم بطور انعام دی جائے گی۔ یہ اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی دولت تھی جس کے لئے کوئی بھی مہم جوئی کر سکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے نہایت محتاط راستہ اختیار کیا تھا۔ رہنما کی مہارت بھی ایسے راستوں پر چلنے میں مدد دے رہی تھی جس پر عام طور پر قافلے نہیں چلتے تھے۔ یہ سفر رات دن جاری رہا۔ جب مدلج مصعدین کے پاس سے یہ کارواں گذر رہا تھا تو وہاں کے کسی شخص کی نگاہ پڑ گئی۔ اس نے کہا میں نے ابھی ساحل کے قریب کچھ سائے دیکھے ہیں، میرے خیال میں یہ (حضرت) محمدؐ اور ان کے ساتھی ہوں گے۔ سراقہ بن مالک نے فوراً معاملہ بھانپ لیا اور اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ وہ اعلان شدہ انعام حاصل کر لے۔ اس لئے اس نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ وہ تو فلاں اور فلاں ہیں جو ضرورت سے نکلے ہیں، پھر کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد سراقہ اپنی قیام گاہ میں داخل ہوا اور اپنے خادم سے کہا کہ پیچھے سے گھوڑا نکال کر فلاں جگہ پہنچو۔

Marfat.com

سراقہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پیچھے سے نکلا اور جب گھوڑے کے پاس پہنچ گیا تو اس پر سوار ہو کر اسے دوڑا دیا یہانتک کہ جب میں آپؐ لوگوں سے قریب ہو گیا تو میرے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور میں گر پڑا۔ پھر میں اٹھ کر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا، جب پھر آپؐ کے قریب پہنچا تو حضرت ابو بکرؓ نے جو اسی طرف متوجہ تھے، آپؐ سے عرض کیا کہ سراقہ بن مالک ہم تک پہنچا ہی چاہتا ہے۔ ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ گھوڑے نے پھر سراقہ کو اپنی پیٹھ سے نیچے گرا دیا تب سراقہ اٹھ کر آپؐ سے امان طلب کرنے لگا۔

سراقہ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ رسول اللہ ﷺ حق پر ہیں، اس نے آپؐ سے معافی طلب کی اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے دعا کرنے کی درخواست کی۔ اس نے کچھ زاد سفر وغیرہ پیش کرنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں، البتہ جو لوگ ہماری تلاش میں ہوں ان کا رخ پھیر دینا۔ سراقہ نے کہا: میں ایسا ضرور کروں گا، آپ حضرات مطمئن ہو جایئے، پھر وہ لوٹا تو دیکھا کہ کچھ لوگ سنجیدگی سے آپؐ لوگوں کی تلاش میں ہیں۔ سراقہ سے جو بھی ملتا وہ اس سے یہی کہتے کہ اس طرف تو میں دیکھ چکا ہوں ادھر تلاش میں جانے کی ضرورت نہیں۔

دعا

صحرا کی سفر کی ہولناکی کا اندازہ کیجئے اور وہ بھی اس حالت میں کہ پیچھے خون کے پیاسے لوگ تلاش میں پھر رہے ہوں۔ جو ایسے حالات سے گذرا ہو، وہی ان کا اندازہ کر سکتا ہے۔ دوپہر میں جب ریت پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ اگر ان پر نگاہ پڑ گئی تو چکا چوند سے نگاہ ہی چلی جائے گی۔ صبح و شام کو صحرا کی غبار آلود فضا اور ہی خوفناک منظر پیش کرتی ہے۔

عام طور پر جو لوگ صحرا میں سفر کرتے ہیں وہ کہیں ذرا سا سایہ پاتے ہیں تو وہیں آرام کے لئے ٹھہر جاتے ہیں، پھر جب سورج غروب پر مائل ہو جاتا ہے، تب سواریاں چل پڑتی ہیں۔ عرب لوگ کھانے پینے کی قلت کے ساتھ بھی اسے کسی حد تک برداشت کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ پہلے بھی یہ راستہ طے کر چکے تھے، جب اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اپنے والد کی قبر کی زیارت کرنے گئے تھے، اور پھر واپسی تنہا ہوئی تھی۔

Marfat.com

اب جب آپؐ کی عمر ترپن سال ہو چکی تھی، دوبارہ سفر کر رہے تھے، لیکن والدین کی زیارت کے لئے نہیں، بلکہ اس پیغام کے تحفظ کے لئے جس کی جڑیں مدینہ منورہ میں جم چکی تھیں۔

ظاہر ہے روئے زمین پر آپ کو سب سے زیادہ یہ یقین واعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی مدد اور اپنے دین کو غالب فرمائے گا۔ لیکن اپنے وطن مکہ مکرمہ سے اس بے دردانہ ڈھنگ سے نکالا جانا، کہ آپؐ کی جان لینے والے کے لئے قیمتی انعام مقرر ہو، کتنی المناک صورت تھی۔

ابونعیم کی روایتؒ کے مطابق مکہ مکرمہ سے ہجرت کرتے ہوئے آپؐ نے دعا فرمائی:

الحمدلله الذی خلقنی ولم اك شیئا اللهم اعنی علی هول الدنیا وبوائق الدهر ومصائب اللیالی والایام اللهم اصحبنی فی سفری واخلفنی فی اهلی وبارك لی فیما رزقتنی ولك فذللنی وعلی صالح خلقی فقومنی والیك رب فحببنی والی الناس فلا تكلنی انت رب المستضعفین وانت ربی. اعوذ بوجهك الكریم الذی اشرقت له السموات والارض وكشفت به الظلمات وصلح علیه امر الاولین والآخرین ان تحل علی غضبك وتنزل بی سخطك وأعوذبك من زوال نعمتك وفجاة نقمتك وتحول عافیتك و لك العتبی و لا حول ولا قوة الابك

تمام ستائش اس ذات کے لئے جس نے مجھے پیدا کیا جبکہ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ بارالہا! دنیا کی ہولناکیوں کے زمانہ کی آزمائشوں اور دن ورات کی مصیبتوں میں میری مدد فرما سفر میں میرا ساتھ دے اور میرے پیچھے میرے گھر والوں کی نگہداشت فرما۔ مجھے جو رزق دیا ہے اس میں برکت دے۔ مجھے اپنے آگے جھکا، بہترین کردار پر قائم فرما، مجھے اپنا پسندیدہ بنا، لوگوں پر نہ چھوڑ، تو کمزوروں کا پروردگار ہے اور میرا رب ہے۔ میں تیرے اس معزز رخ کی پناہ چاہتا ہوں جس سے آسمان وزمین روشن ہوئیں، تاریکیاں چھٹ گئیں اور اول وآخر سب کا معاملہ درست ہوا اس سے یہ مجھ پر تیز غضب نازل ہو اور ناراضگی اترے، میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ تیری نعمت زائل ہوجائے اور اچانک تیرا انتقام نازل ہو، تیری عافیت دور ہوجائے، تیرے ہی پاس ٹھکانا ہے اور بغیر تیرے۔ نہ بھلائی کی طاقت مل سکتی ہے نہ برائی دور ہوسکتی ہے۔

☆☆☆

قابل ذکر بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے آپؐ کے نکلنے کی خبر صحرائے عرب کے مختلف گوشوں تک پھیل گئی تھی اور مدینہ منورہ تک تمام راستے پر پڑنے والی بستیوں اور خانہ بدوشوں کو اس کا علم ہو چکا تھا۔ خود اہل مکہ جب آپ کی تلاش سے مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے، تبھی آپؐ کے سفر کا راستہ وغیرہ معلوم ہو سکا۔ اور وہ بھی جب روایات کے

Marfat.com

مطابق، کسی نے مکہ مکرمہ میں کچھ اشعار سنائے جن میں آپؐ کے خزاعہ کے علاقہ میں ام معبد کے خیمہ میں کچھ دیر آرام فرمانے اور ان کی بکری کا دودھ تناول فرمانے کا ذکر تھا۔

مدینہ منورہ میں تشریف آوری

تاریخ انسانی کے عظیم ترین مہاجر کے سفر کی خبریں مدینہ منورہ پہنچنے لگی تھیں۔ وہاں کے لوگ روز صبح شہر سے باہر نکل کر دور دور تک نگاہ شوق دوڑاتے، جب دھوپ کی تمازت بڑھ جاتی تو یہ سمجھ کر واپس چلے جاتے کہ اب غالباً رسول اللہ ﷺ کل ہی پہنچ پائیں گے۔ جب سے آپؐ کی ہجرت کی خبریں سنی تھیں، انصار کا روز کا یہی معمول ہو گیا تھا۔

بعثت کے تیرہویں سال بارہ ربیع الاول کو انصار مدینہ سے باہر نکل کر آپؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ جب دوپہر ہونے لگی اور وہ آپؐ کی اس روز آمد سے مایوس ہو کر اپنے گھر لوٹنے لگے تو ایک یہودی اپنے کسی ٹیلے پر کسی ضرورت سے چڑھا، اچانک اس نے دیکھا کہ ریت کے غبار کے بیچ چند لوگ آہستہ آہستہ مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہودی جتنی زور سے چیخ سکتا تھا چیخ اٹھا: بنی قیلہ (انصار) یہ تمہارے صاحب آ گئے، جن کا تم انتظار کر رہے ہو۔

انصار جلدی سے ہتھیار لے کر استقبال کے لئے بڑھے۔ مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں نعرۂ تکبیر گونج اٹھا اور پورا شہر گویا مسرت و شادمانی میں ڈوب گیا۔

حضرت براءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سب سے پہلے ہمارے پاس پہنچنے والے حضرات مصعبؓ بن عمیر اور ابنؓ ام مکتوم تھے۔ انہوں نے ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا، پھر حضرات عمارؓ و بلالؓ و سعدؓ آئے، پھر حضرت عمرؓ بیس سواروں کے ساتھ آئے، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں نے اس وقت لوگوں کو جس قدر خوش دیکھا کبھی کسی اور چیز سے خوش ہوتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ میں نے عورتوں، بچوں اور لونڈیوں کو بھی کہتے سنا کہ لو رسول اللہ آ گئے۔ (بخاری)

زندگی اور دنیا کی بوالعجبیاں بھی کیسی کیسی ہوتی ہیں۔ جس شخصیت کو قتل کرنے کے لئے مکہ نے ہتھیار بے نیام کر لئے تھے، اسی کا استقبال مدینہ منورہ مسرت کے انتہائی جوش و خروش سے کر رہا تھا اور وہاں کے لوگ اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کی پیش کش میں

Marfat.com

ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ بہت سے اہل مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہی نہیں تھا چنانچہ جب آپ کا قافلہ پہنچ گیا تو وہ آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ میں فرق نہیں کر پا رہے تھے کہ رسولؐ اللہ کون ہیں۔

رسول اللہ ﷺ بنی عمرو بن عوف کے پاس اترے۔ جہاں آپؐ نے چودہ روز قیام کیا اور اسی دوران مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔ اسلام میں یہ پہلی مسجد تھی جس کی بنیاد ڈالی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا (التوبة:۱۰۸)

جو مسجد اول روز تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں۔

مدینہ میں استحکام کی حالت

کسی عقیدہ ونظریہ کے ماننے والے شخص کو وہیں اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے جہاں اس عقیدہ، ونظریہ کو حمایت اور کشادگی ملے۔

لوگ دنیا میں اپنے جذبات وخیالات کے مطابق جتنی کامیابیاں یا ناکامیاں پاتے ہیں اسی کے بقدر اپنی خوش بختی قرار دیتے ہیں۔ مثلاً لیڈری کا دعویدار اپنی آرزو کی تکمیل سے جتنا قریب یا دور ہوتا ہے اسی کے بقدر خوش یا دلگرفتہ اور چست یا پژمردہ رہتا ہے

متنبی جیسا بڑا شاعر محض ایک جاگیر کی آرزو میں ملکوں ملکوں پھرتا رہا اور اصحاب اقتدار کے قصیدے یا ہجویں کہتا رہا اور اپنے مرتبے سے گرتا رہا۔ دنیا کی طلب کے سلسلے میں قرآن واضح کر چکا ہے:

من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها مانشاء لمن نرید (بنی اسرائیل:۱۸)

جو کوئی (اس دنیا میں) جلدی حاصل ہونے والے فائدوں کا خواہش مند ہوا سے ہم یہیں دے دیتے ہیں جو کچھ بھی دینا چاہیں۔

کتنے لوگ عورتوں کے حسن وجمال پر فدا ہوتے ہیں اور ان سے وصال کے بعد ہی انہیں چین ملتا ہے۔

کتنے لوگ مال ودولت کے لئے دیوانے ہوتے ہیں اور ان کی دن رات کی تگ ودو کا یہی مرکز ہوتا ہے اور اس کے پیچھے کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن دوسری طرف آپ کچھ ایسے لوگ بھی دیکھیں گے جو حسن سلوک، خیر خواہی، مفاد عامہ کی رعایت اور بہترین چیزوں کی راہ میں اپنی ذات کو بھی فنا کر دیتے ہیں کسی فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں انہیں رات بھر جاگنا پڑے تو انہیں نہایت راحت اور خوش بختی محسوس ہوتی ہے۔

رسالتوں کے علمبردار ان زبردست امانتوں کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں جو ان کے ذمے ہوتی ہیں اور ان کی ادائیگی ہی ان کا دن رات کا مشغلہ اور اوڑھنا بچھونا بن جاتی ہے۔ سفر حضر، دوستی و مخالفت، کوشش و سرگرمی اور زندگی و موت سب کا محور رسالت کے پیغام کی ادائیگی ہی رہ جاتا ہے۔

رسالت عظمیٰ کے علمبردار حضرت محمد ﷺ اس کی زبردست مثال ہیں۔ آپؐ نے جب سے خرافات واوہام کے پردے چاک کرنے کی ذمے داری سنبھالی، دنیا کی کوئی طاقت کسی بھی ترغیب یا ترہیب سے آپؐ کو اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ آپ کی نگاہوں کے سامنے سے زمان ومکان کے سارے فرق ختم ہوگئے۔ حق کو پہچاننے والا اجنبی آپؐ سے قریب تھا اور خود آپؐ کے وطن نے جب ہدایت سے انکار کیا تو آپؐ اس سے بری الذمہ ہوگئے۔ جبکہ آپ مکہ مکرمہ میں ترپن برس گذار چکے تھے۔ لیکن آج آپؐ نے ایک نیا وطن اختیار کرلیا تھا، جہاں آپؐ کے پیغام کی کامیابی کے امکانات نظر آرہے تھے۔ اسی لئے مدینہ منورہ میں پورے اعتماد کے ساتھ داخل ہوئے اور اس ہجرت کے پیچھے کامیابی و بھلائی کے جو آثار نظر آرہے تھے ان سے خوشی محسوس کر رہے تھے۔

وہ عظیم لوگ جن کی خوش بختی کا مرکز ان کے دل ہوتے ہیں، ان کے نزدیک کسی بھی ماحول کی قدر وقیمت ان کے اصولوں کے ساتھ ہم آہنگی کی بنا پر ہوتی ہے۔

ہجرت کو منظم کرنا اور مختلف علاقوں سے اپنے دین کی وجہ سے آنے والے پناہ گزینوں کا استقبال کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیا آج کے زمانے میں بھی سارے وسائل کے باوجود یہ مسئلہ آسان سمجھا جاتا ہے؟۔ پھر کسی بھی دور میں کسی عظیم شخصیت کی زندگی مسائل سے کب خالی رہی ہے؟

مدینہ منورہ میں اس وقت ملیریا کی وبا پھیلی ہوئی تھی، چند ہی دنوں میں حضرت

Marfat.com

ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ بھی اس میں مبتلا ہو گئے۔ مہاجرین میں اس وبا کی وجہ سے بھی وطن کی شوق آمیز یادیں پیدا ہونے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ دشواریاں جھیلنے کے لئے صحابہ کو صبر و تسلی دلاتے تھے اور اسلام کی سربلندی کے لئے مزید جدو جہد اور قربانیوں پر آمادہ فرماتے تھے۔ چنانچہ فرمایا:

مدینہ منورہ کی اس دشواری و سختی پر میری امت کا جو فرد بھی صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی و گواہ ہو جاؤں گا اور جو اس سے بیزار ہو کر چلا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص کو اس جگہ لا دے گا'' (مسلم)

اسی کے ساتھ آپؐ نے دعا فرمائی:

''خدایا! ہمارے لئے مدینہ کو اسی طرح محبوب بنا دے جیسے مکہ سے ہمیں محبت ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ خدایا! اسے درست فرما دے اور اس کے اوزان میں برکت دے اور یہاں کے بخار کو یہاں سے ہٹا کر جحفہ کے مقام پر منتقل کر دے'' (بخاری)

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

''خدایا: مکہ میں تو نے جتنی برکت رکھی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ میں رکھ دے''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس فصل کا پہلا پھل لایا جاتا تھا تو آپؐ دعا فرماتے تھے۔ خدایا! برکت نازل فرما ہمارے مدینہ میں ہمارے پھلوں میں، ہمارے پیمانوں میں، برکت پر برکت۔ خدایا! ابراہیمؑ تیرے بندے نبی اور خلیل ہیں اور میں تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا فرمائی تھی، میں تجھ سے مدینہ کے لئے ویسی ہی اور اتنی ہی اور برکت کی دعا کرتا ہوں'' پھر وہاں موجود بچوں میں جو سب سے چھوٹا ہوتا، اسے عنایت فرما دیتے۔

اس شوق دلانے اور تسلی دینے سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور نئی قوت ماضی اور اس کے یادوں کو بھول کر تعمیر کے کام میں لگ گئی۔ مخلصانہ ہجرت کسی قربانی سے دریغ نہیں کر سکتی، نہ کسی کھوئی ہوئی چیز پر آنسو بہا سکتی ہے، بلکہ جب وہ کسی چیز سے منہ پھیر لیتی ہے تو دوبارہ ادھر رخ بھی نہیں کرتی۔

☆☆☆

Marfat.com

باب ۔۵

نئے معاشرے کی بنیادیں

امت اسلامیہ کا مطلب لوگوں کا کوئی ایسا گروہ نہیں جو کسی طرح سے زندگی گذار لے اور بس لذت کام ودہن پا جائے تو مطمئن ہو جائے۔

مسلمان تو ایسے عقیدے کے حامل ہوتے ہیں جو ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑتا ہے، زندگی کے بارے میں ان کا نظریہ واضح کرتا ہے اور داخلی و خارجی طور پر ان کے معاملات کو خاص مقصد کے ساتھ منظم و ہم آہنگ کرتا ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ دنیا میں مجھے صرف اتنی فکر رہتی ہے کہ بس کسی طرح زندگی گذار لوں۔ دوسرا شخص کہتا ہے اگر میں نے حقوق کی حفاظت نہیں کی، عزت وشرف کی پاسداری نہیں کی اور ہر چیز میں خدا کی مرضی کو پیش نظر نہیں رکھا تو میری زندگی رائگاں گئی۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے لوگ کسی دولت یا سربلندی کی تلاش میں اپنا وطن چھوڑ کر نہیں آئے تھے۔ نہ انصار نے، جنہوں نے مہاجرین کا استقبال کر کے اپنی قوم کی دشمنی مول لی تھی اور اپنی جانیں خطرے میں ڈالی تھیں، ایسا اس لئے کیا تھا کہ بس کسی طرح انہیں زندگی گذار لینی تھی۔

مہاجرین وانصار دونوں کا مقصد یہی تھا کہ وہ وحی سے روشنی حاصل کریں اپنے خدا کی خوشنودی طلب کریں اور اس حکمت عالیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں جس کے لئے انسانوں کو پیدا کیا گیا اور زندگی فراہم کی گئی ہے۔

انسان اگر اپنے پروردگار کا انکار کرتا ہے اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے تو وہ ایک قابل مذمت حیوان کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو اپنا مرکز بناتے ہی وہ بنیادیں رکھنی شروع کر دیں جو رسالت کے قیام کے لئے ناگزیر تھیں یعنی:

Marfat.com

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ امت کا تعلق۔

۲۔ امت کے افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعلق۔

۳۔ امت کا غیروں کے ساتھ تعلق۔

مسجد

پہلے معاملے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی تعمیر شروع فرمائی تاکہ اس میں اسلامی شعائر قائم کیے جاسکیں اور وہ نمازیں قائم ہوسکیں جو انسان کو پروردگار عالم سے جوڑتی ہیں، دنیا کی آلائشوں سے دل کو پاک وصاف کرتی ہیں اور زندگی کے مکروفریب سے نجات دلاتی ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جامع مسجد اس جگہ تعمیر فرمائی جہاں آپ کی اونٹنی رک گئی تھی۔ یہ جگہ دو لڑکوں کی تھی جن کی کفالت حضرت اسعدؓ بن زرارہ کرتے تھے۔ لڑکوں نے جگہ اللہ کے لئے مفت میں پیش کرنی چاہی لیکن رسول اللہ نے منظور نہیں فرمایا اور اس کی قیمت ادا کی۔

اس زمین کو ہموار کیا گیا اور اس میں جو چند کھجور کے درخت تھے انہیں کاٹ دیا گیا اور انہیں قبلہ کی طرف (جو اس وقت بیت المقدس تھا رکھ دیا گیا۔ لسبائی چوڑائی تقریباً سو ہاتھ رکھی گئی۔ بنیادیں تین گز گہری کھودی گئیں، پھر کچی انیٹوں سے دیواریں تعمیر کی گئیں، اینٹ پتھر اٹھانے میں رسول اللہ ﷺ بھی اپنے صحابہؓ کے ساتھ شریک رہے اس وقت یہ نغمہ لبوں پر جاری تھا۔ (ترجمہ)

خدایا! زندگی تو بس آخرت ہی کی ہے۔

انصار و مہاجرین کو مغفرت سے نواز دے۔

صحابہؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کو عام لوگوں کی طرح مشقت کرتے دیکھا تو ان کا جوش وخروش اور بڑھ گیا۔ کسی نے یہ رجز پڑھا (ترجمہ)

اگر ہم بیٹھے رہے اور رسول اللہ ﷺ کام کرتے رہے۔

تو یہ تو ہماری طرف سے گمراہ کن عمل ہوگا۔

بالآخر مسجد سادگی کے ساتھ تیار ہوگئی۔ فرش ریت اور کنکریوں کا تھا، چھت کھجور کے پتوں کی اور ستون کھجور کے تنوں کے۔ بسا اوقات بارش ہوتی تو فرش پر کیچڑ ہو جاتی۔

Marfat.com

یہی سادہ سی مسجد تھی جس نے ان فرشتہ صفت انسانوں کی تربیت کی جنہوں نے دنیا کے بڑے بڑے مغرور و متکبر سرکشوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا اور جنہیں آخرت کی دنیا کے بادشاہ کہنا چاہئے۔ اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ قرآن کی آیتیں پڑھ کر بہترین مومنوں کی امامت فرماتے تھے اور فجر کے دھندلکوں سے رات کی تاریکیوں تک انہیں آسمانی آداب سکھاتے تھے۔

اسلامی معاشرہ میں مسجد کا مقام اسے روحانی و مادی رہنمائی کا سرچشمہ بناتا ہے یہ عبادت کی جگہ بھی ہوتی ہے اور تعلیم و تربیت کا مدرسہ و مرکز بھی۔ فرض نمازوں کی صف بندی لوگوں کو وہ اخلاق و روایات سکھاتی ہے جو اسلام کا لب لباب اور مغز ہے، جب لوگ بہترین کردار و اخلاق ڈھالنے سے عاجز رہنے لگے تو شاندار مسجدیں بنانے لگے، جن میں نماز پڑھنے والے بے وزن لوگ ہوتے ہیں، جبکہ ہمارے عظیم اسلاف سادہ مسجدیں بنا کر انہیں تزکیۂ نفس کا سرچشمہ بناتے تھے اور اس طرح اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں ہر کام سے پہلے آپؐ نے مسجد بنانے پر توجہ فرمائی۔ تاہم صرف مسجد ہی میں عبادت نہیں کی جاسکتی، زمین پوری کی پوری سجدہ گاہ ہے اور مسلمان عبادت کے لئے کسی جگہ کا پابند نہیں۔ ہاں مسجد اس زبردست اہمیت کی علامت ہے جو اسلام بندوں کے اپنے پروردگار کے ساتھ ربط و تعلق کو دیتا ہے۔ اس تعلق کی دن و رات میں بار بار تجدید کی جاتی ہے۔

اس تہذیب کی کیا قیمت ہوسکتی ہے جو خدائے واحد سے غافل و بیگانہ رہے یوم آخرت کو نظر انداز کرے اور بھلائی و برائی کو خلط ملط کردے۔ اسلام جو تہذیب لایا وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے سامنے پیشی کی یاد دلاتی رہتی ہے، بھلائی کا شوق دلاتی رہتی ہے، برائی سے روکتی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود پر روکتی رہتی ہے۔

مدینہ منورہ کے یہودیوں نے نئے رسول کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد تعمیر کرتے اور اسے نماز کے لئے تیار کرتے دیکھا۔ کیا اس طرز عمل میں کوئی پہلو مبہم یا شک پیدا کرنے والا تھا؟

بیہقی نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے جو پہلا خطبہ دیا وہ یہ تھا:

''لوگو! اپنے لئے اپنے اعمال (آخرت کے لئے) روانہ کرو۔ خدا کی قسم تم یقیناً جان لو گے کہ تم میں سے ہر کوئی موت کا شکار ہوگا، پھر اپنی بھیڑ بکریاں بغیر چرواہے کے چھوڑ کر جائے گا، پھر اس سے اس کا رب کہے گا، اور درمیان میں نہ کوئی ترجمان ہوگا نہ حاجب، ''کیا تمہارے پاس میرا رسول نہیں آیا اور اس نے تم تک پیغام نہیں پہنچایا؟ کیا میں نے تم کو مال و دولت سے نواز کر تم پر اپنا فضل نہیں فرمایا۔ پھر تم نے اپنے لئے کیا اعمال پیش کئے'' تب وہ دائیں بائیں دیکھے گا تو کچھ نظر نہیں آئے گا اور سامنے دیکھے گا تو جہنم کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔ تو جو بھی اپنے آپ کو جہنم سے بچا سکتا ہو۔۔ چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کر کے۔۔۔ وہ ایسا کر لے۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو اچھی بات کے ذریعہ ایسا کرے کیونکہ آخرت میں نیکی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیا جائے گا۔''

اخوت

دوسرا اہم معاملہ امت کے افراد کے درمیان باہمی تعلق کا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی بنیاد ایسی اخوت (بھائی چارہ) پر رکھی جس میں انا کا کہیں گذر ہی نہ ہو اور فرد جماعت کی روح اور اس کے مفادات اور آرزوؤں کے دائرے میں سرگرم رہے۔ خود اپنے نفس کو جماعت کا ایک حصہ سمجھے بس۔

اس اخوت کا مطلب تھا کہ جاہلیت کے تمام تعصبات زائل ہو جائیں اور صرف اسلام کے لئے حمیت باقی رہے۔ نسب، رنگ اور علاقہ کی تمیزیں ختم ہو جائیں اور وزن صرف فرد کی پرہیزگاری و جانثاری و مردانگی کا رہ جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اخوت کو خالی خولی الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا تھا بلکہ اسے عملی طور پر مکمل نافذ کر دیا تھا۔ اس اخوت میں ایثار، ہمدردی و غمگساری کے جذبات شامل تھے اور نیا معاشرہ اس کے بہترین نمونے پیش کر رہا تھا۔

انصار نے مہاجرین کے ساتھ انتہائی گرمجوشانہ سلوک کیا، لیکن مہاجرین نے اس جذبہ کا ذرا بھی استحصال نہیں کیا، بلکہ انتہائی کوشش کی کہ انصار پر ان کی وجہ سے کوئی بھی بار نہ پڑے مثلاً یہ واقعہ پڑھئے:

بخاری کی روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ کرادیا۔حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں،تو میری آدھی دولت آپ لے لیجئے۔میرے پاس دو بیویاں ہیں ان میں سے آپ کو جو زیادہ پسند ہو مجھے بتا دیجئے میں اسے طلاق دے دوں گا،عدت پوری ہونے کے بعد،آپ اس سے شادی کر لیجئے۔حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی دولت اور اہل وعیال میں برکت دے۔مجھے صرف اپنا بازار بتا دیجئے۔لوگوں نے انہیں بنی قینقاع کا بازار دکھا دیا۔جب وہ وہاں سے لوٹے تو ان کے پاس کچھ پنیر اور گھی تھا وہ اسی طرح کرتے رہے یہانتک کہ ایک دن آئے تو ان پر زیب وزینت کی کچھ علامت تھی رسول اللہ ﷺ نے ان سے حال دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا: میں نے شادی کر لی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: کتنا مہر دیا؟

انہوں نے عرض کیا: سونے کی ایک گٹھلی۔

قاری کو حضرت سعدؓ کی دریادلی پر جتنی حیرت ہوتی ہے اس سے کم حیرت حضرت عبدالرحمٰن کی شرافت پر نہیں ہوتی۔وہ یہودیوں کے بازار میں جاتے ہیں اور انہی کے میدان میں ان سے مقابلہ کرتے ہیں اور چند روز میں اتنا کما لیتے ہیں جس سے اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔

بلاشبہ عالی ہمتی ایمان کی صفات میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے،جو اسلام سے نسبت رکھنے کے باوجود اس کا استحصال کرتے رہے،یہانتک کہ دنیا میں حق کی عزت ہی برباد کر ڈالی۔

رسول اللہ ﷺ اس مومن جماعت میں سب سے بڑے بھائی کی حیثیت رکھتے تھے لیکن تعظیم کا کوئی خاص لقب نہیں اختیار فرمایا تھا۔حدیث میں آتا ہے کہ ’’اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت زیادہ بہتر ہے‘‘ (بخاری)

سچی اخوت ذلیل معاشروں میں پیدا نہیں ہوتی۔جہاں جہالت،بزدلی،بخل،لالچ اور خودغرضی کا دور دورہ ہو،وہاں سچی اخوت ومحبت پروان نہیں چڑھ سکتی۔اگر رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی فطرت میں بہترین خصلتیں نہ ہوتیں اور وہ بہترین اصولوں پر اکٹھا نہ ہوئے ہوتے تو تاریخ نے اللہ کے لئے یہ مضبوط اخوت ریکارڈ میں درج نہ کی ہوتی۔

مقصد کی بلندی اور رہنما نمونہ کی عظمت نے ان میں فضل و شرف کی صفات کو پروان چڑھایا اور ذلیل صفات کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔

حضرت محمد ﷺ ایک انسان تھے لیکن پوری انسانی دنیا میں عظمت، بھلائی اور دیگر اعلیٰ صفات، جو بکھری ہوئی پائی جاتی ہیں، آپؐ میں اکٹھا ہوگئی تھیں۔ اس لئے آپ کمال کی اس بلندترین چوٹی پر تھے جہاں تک کوئی انسان پہنچ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ سے روشنی حاصل کرنے والوں میں بھی وفاداری، سخاوت اور بلندترین اخلاق صفات وعادات نمایاں نظر آتی ہیں۔

محبت واخوت کسی قانون وقاعدہ سے پیدا نہیں کی جاسکتیں، یہ تو خود سے نمایاں ہوتی ہیں جب انسان خودغرضی، بخل اور ذلت اور گراوٹ کے اثرات سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے۔

اولین مسلمانوں میں یہ اخوت اس لئے نمایاں ہوئی کہ انہوں نے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسلام کو آگے رکھا۔ لہٰذا وہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن گئے، اگر وہ اپنے نفس کے غلام ہوتے تو یہ صورت نہ بن پاتی۔

اس انسانی سربلندی کے باوجود ایک نظام کا نفاذ بھی لازمی تھا۔

غزوۂ بدر تک وراثت میں بھی رشتہ پر اخوت کو ترجیح حاصل رہی پھر یہ آیت نازل ہوئی:

واولو الارحام بعضهم اولى ببعض فى كتاب الله ان الله بكل شئى عليم (الانفال:۷۵)	مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

چنانچہ اخوت کی بنیاد پر وراثت کالعدم ہوکر پھر رشتے داروں میں لوٹ گئی اس آیت کی تفسیر میں:

ولكل جعلنا موالى مما ترك الوالدان والاقربون واللذين عقدت ايمانكم فآتوهم نصيبهم (النساء:۳۳)	اور ہم نے ہر اس ترکے کے حقدار مقرر کردیے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑیں اب رہے وہ لوگ جن سے تمہارے عہدو پیماں ہوں تو ان کا حصہ انہیں دو

بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مہاجرین جب

Marfat.com

مدینہ منورہ آئے تو مہاجر انصار کا (رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ اخوت کی بنیاد پر) وارث ہونے لگا تھا۔ یہ سلسلہ اس آیت کے نزول کے بعد منسوخ ہو گیا۔

اخوت کی تفصیلات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی اخوت حضرت زیدؓ کے ساتھ، حضرت ابوبکرؓ کی اخوت حضرت خارجہؓ کے ساتھ اور حضرت عمرؓ کی اخوت حضرت عتبانؓ بن مالک کے ساتھ قائم کرائی تھی۔ اسی طرح دیگر مہاجرین و انصار کے درمیان بھی۔

غیر مسلمین کے ساتھ

تیسرا اہم معاملہ غیروں سے متعلق تھا، یعنی جو لوگ اسلام پر ایمان نہیں لائے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کے تعصب و تنگ نظری سے بھرے ہوئے ماحول میں رواداری و کشادہ دلی پر مبنی معاہدے قائم فرمائے۔

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو دوسرے دین کو اپنے پڑوس میں برداشت نہیں کرتا۔ اور مسلمان تنہا دنیا میں رہنا چاہتے ہیں، وہ غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہے بلکہ جان بوجھ کر غلط بات کرتا ہے۔

جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں یہودی اور مشرک دونوں آباد تھے آپؐ نے انہیں وہاں سے بھگانے یا ان سے دشمنی کرنے کی پالیسی نہیں اختیار فرمائی بلکہ خوشدلی کے ساتھ دونوں کے وجود کو قبول فرمایا اور دونوں کو پیش کش فرمائی کہ وہ برابری کی سطح پر آپؐ کے ساتھ معاہدہ کر لیں۔ دونوں اپنے اپنے دین پر برقرار رہیں یہاں یہودیوں سے کئے جانے والے معاہدے کی بعض دفعات کا ذکر مناسب ہوگا۔

☆ قریش اور مدینہ منورہ کے مسلمان اور ان کے ساتھ مل جانے اور جدوجہد میں شریک ہونے والے ایک امت شمار ہوں گے۔

☆ مسلمانوں میں سے جو بھی بغاوت و سرکشی کرے یا ظلم، گناہ، جارحیت یا مسلمانوں کے درمیان بگاڑ پیدا کرنا چاہے، سارے مومنین اس کے خلاف متحد ہوں گے، چاہے وہ ان میں سے کسی کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

☆ کوئی مشرک قریش سے تعلق رکھنے والے کسی شخص یا مال کو اپنی پناہ نہیں دے

Marfat.com

گا، نہ کسی مومن اور اس کے درمیان حائل ہوگا۔

☆ قرآن کریم کا اقرار کرنے والے اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ کسی مجرم کی مدد کرے، یا اسے پناہ دے، جو بھی مدد یا پناہ دے گا اس پر قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوگا اور اس کی کوئی توبہ یا کفارہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

☆ حالت جنگ میں یہودی بھی مومنین کے ساتھ خرچ کریں گے۔

☆ بنی عوف سے تعلق رکھنے والے یہودی مومنین ہی میں شمار ہوں گے۔

☆ یہودیوں کو اپنے دین پر قائم رہنے اور مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رہنے کا حق ہوگا۔

☆ بنی نجار، حارث، ساعدہ، بنی حشم اور بنی اوس وغیرہ سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کے وہی حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کے ہوں گے۔

☆ یہودی اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔اس معاہدہ میں شامل لوگوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا اس کے خلاف دونوں (یہودی و مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

☆ دونوں فریقوں کے درمیان گناہ کی چیز کو چھوڑ کر نصیحت، خیر خواہی اور حسن سلوک کے تعلقات ہوں گے۔

☆ جو شخص بھی اپنے حلیف پر ظلم کرے گا تو مظلوم کی مدد لازمی ہوگی۔ کسی شخص کے پڑوسی کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو اس شخص کے ہوں گے بغیر دوسرے کے نقصان اور ظلم و ستم کے۔

☆ اللہ تعالیٰ اس معاہدہ کی بہترین چیزوں کا ضامن ہے۔

☆ جو بھی مدینہ منورہ پر حملہ کرے گا اس کے خلاف دونوں فریق ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

☆ جو مدینہ منورہ سے نکل جانا چاہے اسے امن کی ضمانت حاصل ہوگی، اسی طرح جو مدینہ منورہ میں رکنا چاہے گا اسے بھی امن کی ضمانت حاصل ہوگی، سوائے ظلم و جرم کرنے والے کے۔

Marfat.com

☆ ۔اللہ تعالیٰ بھلائی اور پرہیز گاری کرنے والوں کا ساتھی ہو گا (ابن اسحاق)

یہ معاہدہ مدینہ منورہ میں سکون واطمئنان کی فضا قائم کرنے اور سرکشوں اور فتنہ پھیلانے والوں ۔۔۔ چاہے ان کا تعلق کسی دین سے ہو ۔۔۔ کے ہاتھ پکڑ لینے کے لئے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مخلصانہ تعاون کی مسلمانوں کی خواہش کی ترجمانی کرتا ہے۔

اس میں بالکل واضح طور پر دین کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔اس میں کسی گروہ سے معرکہ آرائی یا کسی کمزور کو مجبور کرنے کا شائبہ تک نہیں ہے، بلکہ مظلوم کی مدد اور پڑوسی کی حفاظت، خاص وعام حقوق کی نگہبانی پر بار بار زور دیا گیا ہے اور نیکوکار و پرہیز گار کے لئے اللہ تعالیٰ کی حمایت اور خائن وغدار کے لئے اس کے غضب کی دعوت دی گئی ہے۔

دشمن کے حملہ کی صورت میں مدینہ منورہ کے دفاع پر مسلمانوں اور یہودیوں نے اتفاق کیا، ساتھ ہی اس کو بھی تسلیم کیا کہ جو چاہے مدینہ چھوڑ کر جا سکتا ہے، اسے پوری آزادی حاصل ہوگی اور جو اس کی حرمت کی حفاظت کرے وہ وہاں رہنے کے لئے آزاد ہوگا۔

اس معاہدے سے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان قائم دشمنی کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اور یہ کہ ان سے دوستی کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔قریش اور اس کے حلیفوں کی ظلم وستم کے نتیجے میں جن لوگوں کے زخموں سے ابھی خون ٹپک رہا ہو۔وہ اس کے علاوہ اور کیا موقف اختیار کر سکتے تھے؟

☆☆☆

کیا یہودی اس معاہدے پر اتفاق کے سلسلے میں مخلص تھے؟

غالب گمان یہی ہے کہ وہ سنجیدہ نہیں تھے۔

معاہدوں کے ساتھ یہی مصیبت لگی رہتی ہے کہ لوگ جب تک ان سے فائدہ کی توقع رکھتے ہیں، ان پر کار بند رہتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ ان سے ان کی امنگیں پوری نہیں ہوسکتیں تو ان کی پرواہ چھوڑ کر ان سے آزاد ہونے کے راستے ڈھونڈنے لگتے ہیں۔

Marfat.com

یہودیوں نے اپنی مادی وسیاسی برتری عرب قبائل کی پھوٹ کی بنیاد پر قائم کر رکھی تھی۔ جب عرب اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی پرانی دشمنیاں زائل ہونے لگیں اور ایسے آثار نمایاں ہونے لگے کہ اسلام عربوں کو ایک متحد قوم بنادے گا۔ یہ دیکھ کر یہودیوں کو تشویش ہونے لگی اور وہ اس دین اور اس کے ماننے والوں کی گھات میں لگ گئے۔

پھر مدینہ منورہ میں یہودیوں نے جو معاشرہ قائم کر رکھا تھا وہ مصنوعی دینداری کا نمونہ تھا، جس میں آسمانی اصولوں کے ساتھ محض کھلواڑ کیا جارہا تھا، ظاہری ہیئت اور چھلکوں پر ساری توجہ تھی، دین کے مغز کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا، کینہ، حسد اور نفاق کا دور دورہ تھا اور کجی پر مبنی نفسیات اور بگڑے ہوئے دلوں کی کیفیات نمایاں تھیں۔ ہوسکتا ہے عربوں کے پڑوس میں رہنے سے انہوں نے سخاوت اور شجاعت جیسی صحرا کی بعض خصوصیات سیکھی ہوں لیکن ان کی نسلی کجی ان کے کردار پر غالب تھی۔ چنانچہ عربوں سے ماخوذ خصوصیات کی حیثیت ویسی ہی بن کر رہ گئی تھی جیسے کسی گری پڑی دیوار پر اوپر سے آرائشی کاغذ چپکا دیے جائیں۔

توقع تو یہ کی جانی چاہئے تھی کہ یہودی اسلام کا خیر مقدم کریں گے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہوسکا تب بھی اس کی دشمنی میں صنم پرستوں سے پیچھے رہیں گے۔ کیونکہ حضرت محمد ﷺ توحید، عمل سدھارنے اور آخرت کی زندگی کو بہتر بننے کی دعوت دے رہے تھے اور آپؐ کے دین میں حضرت موسیٰ اور ان کی کتاب کی تعظیم وستائش کی گئی تھی اور یہودیوں سے توریت کے احکام نافذ کرنے کی بات کہی جارہی تھی۔ لیکن یہودیوں نے پہلے تو شک وشبہ میں مبتلا شخص کی طرح خاموشی اختیار کی، پھر کھل کر انکار وتردید کرنے لگے۔

بہت سی آیتوں میں یہودیوں کی طرف سے خیر مقدم کی توقع کا اشارہ ملتا ہے:

ويقول الذين كفروا لست مرسلا قل كفى بالله شهيدا بيني وبينكم ومن عنده علم الكتاب (الرعد:٤٣)

یہ منکرین کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو کہو "میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور پھر اس شخص کی گواہی جو کتاب آسمانی کا علم رکھتا ہے۔

اگر صنم پرست خدا کی یاد دلانے کو مسترد کرتے ہیں تو اہل کتاب کو تو خدا کے ذکر پر جھک جانا چاہئے۔

Marfat.com

ولقد وصلنا لهم القول لعلهم يتذكرون الذين آتينهم الكتب من قبله به يومنون (القصص: ۵۱۔۵۲)	اور (نصیحت کی) بات پے در پے ہم انہیں پہنچا چکے ہیں تا کہ وہ غفلت سے بیدار ہوں جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں

لیکن آپ یہ دیکھ کر دہشت زدہ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف جرأت، اس کے احکام سے نفرت اور اسے ایسی صفات سے متصف کرنا، جو اس کے شایان شان نہ ہوں، مشرکین ہی کی طرح یہودیوں میں بھی عام ہے۔

اسلام اگر اس پر اظہار ناراضگی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی فرزند، کوئی انسان، یا پتھر منسوب کیا جائے تو ان کے بارے میں کیا کہے گا جو پروردگار عالم پر فقر و بخل کا الزام لگا دیتے ہیں۔:

وقالت اليهود يدالله مغلولة غلت ايديهم ولعنوا بما قالوا (المائدة: ٦٤)	یہودی کہتے ہیں اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں باندھے گئے ان کے ہاتھ اور لعنت پڑی ان پر اس بکواس کی بدولت جو یہ کرتے ہیں
لقد سمع الله قول الذين قالوا ان الله فقير ونحن اغنياء سنكتب ماقالوا وقتلهم الانبياء بغير حق ونقول ذوقوا عذاب الحريق (آل عمران: ١٨١)	اللہ نے ان لوگوں کا قول سنا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں ان کی یہ باتیں بھی ہم لکھ لیں گے اور اس سے پہلے جو وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں وہ بھی ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے (جب فیصلہ کا وقت آئے گا اس وقت) ہم ان سے کہیں گے کہ لو اب عذاب جہنم کا مزا چکھو۔

تاہم اسلام ان منکرین کو ان کی گمراہی میں آزاد چھوڑ دیتا ہے، انہیں تلوار سے نیست و نابود نہیں کرتا۔ وہ بس اسی پر اکتفا کرتا ہے کہ اپنی دعوت کھل کر پیش کر دے اور اپنے پیغام کی حقیقت واضح کر دے۔ اب جو مطمئن ہو، اسے قبول کر لے، ورنہ اسلام اس سے بس اتنا چاہے گا کہ تمیز و رواداری کا دامن نہ چھوڑے اور حق کی راہ میں رکاوٹیں نہ کھڑی کرے۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے یہودیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ان کی اذیت رسانیوں کو بھی برداشت کیا۔ لیکن جب یہودی آپؐ اور

Marfat.com

آپؐ کے دین کو نیست و نابود کرنے پر ہی تلے رہے تب پھر فریقین کے درمیان معرکے ہوئے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

☆☆☆

اس نئے معاشرے میں اللہ تعالیٰ سے خوف اور اخلاص کی بنیاد پر روحانی پہلو کو طاقت پہنچائی گئی اور سچی اخوت پر اس کی بنیاد اور ڈھانچے کو کھڑا کیا گیا۔ اسی طرح عدل و مساوات اور تعاون کی بنیاد پر دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ پالیسی استوار کی گئی۔

اس طرح حالات میں استحکام پیدا ہوا اور مسلمانوں کو اپنی طاقت اور معاملات کو منظم کرنے کا موقع مل گیا۔

چنیدہ شخصیات

جن اہل ایمان کو انبیائے کرامؑ کی صحبت و قربت کی سعادت ملی، انہیں دوسروں سے کہیں زیادہ پاکیزگی و سربلندی کے سرچشموں سے فیضیاب ہونے کے مواقع ملے۔

آپ جب کوئی شیریں نغمہ سنتے ہیں تو آپ کے احساسات میں رقت پیدا ہوتی ہے، جب آپ کسی ہیرو کے کارنامہ کی تفصیلات پڑھتے ہیں تو آپ کے جذبات بیدار ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو ڈرامے دیکھ کر اس کی فضا ہی میں پہنچ جاتے ہیں اور کہانی کی پیش رفت کے ساتھ ہنسنے اور رونے لگتے ہیں۔ تب ان لوگوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جو کسی ایسے شخصیت کے پیروکار ہوں، جس سے آسمان کلام کرتا ہو اور اس کے تمام پہلوؤں سے پاکیزگی اور کمال کے آثار پھوٹے پڑتے ہوں، جو ان کے دلوں کو بھلائی کی طرف آگے بڑھاتا ہو اور ان کو خواہشات نفس سے پاک کرتا ہو۔ عظیم شخصیات سے ایسی شعاعیں نکلتی ہیں جو ان کے ماحول پر چھا جاتی ہیں، جیسے بجھی ہوئی شمع جلتی ہوئی شمع سے مل کر جل اٹھتی ہے۔ عام لوگ بھی کسی ممتاز شخصیت سے قربت پا کر کسی حد تک اس کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کے اردگرد پاکیزہ دلوں والے ربانیوں کا ایک گروہ جمع ہو گیا تھا، جنہیں آپؐ کے مخلص شاگردوں کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کے دلوں میں آپؐ کی صحبت کے اثر سے الہام کے انوار کی جلوہ آرائیاں پیدا ہو گئی تھیں اور ان کی زبانیں حکمت

Marfat.com

کے موتی لٹانے لگتی تھیں۔

عقل چاہے جتنی زبردست ہو، خود اپنی طاقت سے کمال تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر آسمانی عنایت کرم گستری نہ کرے تو وہ منزل تک پہنچے بغیر ادھر ادھر بھٹکتی ہی رہ جائے گی جیسے کہر آلود فضا کی دھند میں پائلٹ اپنی منزل دیکھ نہیں پاتا اور اپنی ساری مہارت اور آلات کی کارکردگی کے باوجود متعلقہ ائرپورٹ پر اپنا طیارہ نہیں اتار پاتا۔

کتنے فلسفیوں نے کائنات اور زندگی کے معاملات پر بحث کی ہے، ان میں سے کتنے تو کسی منزل تک ہی نہیں پہنچ سکے۔ اور کتنے ہی برسہا برس کی خاک چھاننے کے بعد منزل کا نشان پا سکے۔ جبکہ انبیائے کرامؑ کے پیچھے چل کر انہیں اپنی منزل بہت جلد اور بغیر کسی کھٹکے کے مل سکتی تھی۔

پھر انسان صرف عقل و دماغ کا ہی نام نہیں، بلکہ اس سے پہلے وہ دل ہے، جسے آلودگیوں سے محفوظ رہنا چاہئے، بدبختی و تاریکی سے بچنا چاہئے اور اس میں اتنی طاقت ہونی چاہئے کہ وہ بھلائی، محبت اور جمال و رحمت تک پہنچا سکے۔

انبیائے کرامؑ انسانی ضمیر کو تعلیم و تربیت سے درست کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں وہی ان سے سب سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ ان میں بھی اولین لوگ وہ ہوتے ہیں جنہیں ان کی زندگی میں صحبت کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے ان کی دعوت اور جدوجہد کا بوجھ اٹھانے میں حصہ لیا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں: جس کو پیروی کرنی ہو وہ ان لوگوں کی پیروی کرے جو گذر چکے ہیں کیونکہ جو بھی زندہ ہے فتنہ سے محفوظ نہیں ہے اور وہ لوگ تھے حضرت محمد ﷺ کے صحابہؓ۔ وہ اس امت کے سب سے افضل، سب سے پاکیزہ دل، سب سے گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف والے لوگ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنا دین قائم کرنے کے لئے چنا تھا ان کے فضل کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کی سیرت و کردار کی پیروی کرو، کیونکہ وہ ہدایت کی سیدھی راہ پر تھے"۔

☆☆☆

بلا شبہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں کو حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کے

Marfat.com

ساتھیوں پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ ایمان، دعوت کی اشاعت اور جد وجہد کی ان تاریخ بے مثال ہے۔

ان کے پاکیزہ نفوس کی عظمت ان کی حق کے ساتھ ہم آہنگی سے پوری طرح نمایاں ہے، جیسا کہ اذان کی ابتدا کے واقعہ سے واضح ہے۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ نماز کے لئے اوقات مقررہ پر بغیر بلائے اکٹھا ہو جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو فکر ہوئی کہ جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ کو عبادت کے لئے اکٹھا کرنے کے مقصد سے ناقوس وغیرہ بجائے جاتے ہیں اس طرح نماز کے لئے اکٹھا کرنے کا بھی کوئی طریقہ ہو۔ لیکن آپؐ ان کے طریقوں کو پسند نہیں فرماتے تھے، یہ مسئلہ درپیش ہی تھا کہ حضرت عبدؓ اللہ بن زید نے خواب میں اذان کی آواز سنی، انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آج رات (خواب میں ایک شخص سبز کپڑے پہنے ہوئے اور ہاتھ میں ایک ناقوس لئے میرے سامنے سے گذرا، میں نے اس سے کہا: یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس سے نماز کے لئے بلائیں گے۔ اس نے کہا میں تمہیں اس سے بہتر طریقہ نہ بتادوں؟ میں نے کہا وہ کیا؟ اس نے کہا: کہ تم اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان لا الہ الا اللہ۔ اشہدان محمداً رسول اللہ۔ اشہدان محمداً رسول اللہ۔ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح، حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ کہا کرو۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بتایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: انشاء اللہ یہ سچا خواب ہے۔ جاؤ بلال کو سکھا دو کہ اس سے اذان دیں، وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو حضرت عمرؓ نے اسے اپنے گھر میں سنا، وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں نے بھی یہی خواب دیکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: فَلِلّٰہِ الحمد۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے خواب کے بارے میں بتایا تو آپؐ نے فرمایا تم سے پہلے وحی آچکی ہے۔

یعنی حضرت عبدؓ اللہ بن زید کے خواب کی تصدیق وحی سے ہوگئی تھی۔

Marfat.com

ان پاکیزہ کلمات کو، جو وقتاً فوقتاً بلند ہو کر کانوں کے دروازے کھٹکھٹاتے اور دلوں کو جگا کر اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں، ایک روشن ذہن نے سچے خواب میں ذہن نشیں کیا تھا اور انہیں پہلی فرصت میں رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا تھا تاکہ روئے زمین پر جب تک نماز قائم رہے مسلمانوں کو اس کے لئے بلانے والی ندا بن کر زندہ رہے۔

دلوں کا وحی کے ساتھ ہم آہنگ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ان میں ہدایت کی روشنی گہرائیوں تک پہنچ چکی تھی۔ اور خواب و بیداری دونوں صورتوں میں یہ گہرا تعلق برقرار رہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو آسمان سے نازل ہونے والی وحی سے مضبوطی کے ساتھ مربوط رکھتے تھے، انہیں پڑھ کر سناتے تھے اور ان سے پڑھوا کر سنتے تھے، جس سے ان کے ذہنوں میں دعوت کے حقوق تازہ رہتے تھے۔

حضرت عبدؓ اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا: میں آپ کو سناؤں جبکہ وہ آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہنچا:

فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی هؤلاء شهیدا (النساء:٤١) تب کیا حال ہوگا جب ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا بلائیں گے اور تم کو ان پر گواہ بنا کر بلائیں گے

تو آپ نے فرمایا اب بس کرو۔ میں نے آپؐ کی طرف دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے (بخاری)

اسی طرح بعض صحابہ ایمان کے معانی و مفاہیم اور رسالت کے سرچشمہ سے اس طرح گھل مل گئے تھے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کے مرتبہ کے اعزاز میں اپنے رسولؐ کو انہیں قرآن سنانے کی ہدایت فرماتا تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں یہ سورۃ پڑھ کر سناؤں (لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین منفکین) حضرت ابیؓ نے سوال کیا: کیا میرا نام لے کر؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت ابیؓ نے عرض کیا: کیا پروردگار عالم کے یہاں میرا ذکر آیا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ تب ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے (بخاری)

Marfat.com

عبادت کا مطلب

حضرت محمد ﷺ کے صحابہؓ نے جو روحانی و جماعتی ارتقا حاصل کیا تھا، اس کا راز اس حقیقت میں پنہاں تھا کہ وہ صحیح بنیادوں پر اللہ تعالیٰ سے جڑے ہوئے تھے، انہیں اپنے خدا کے لئے عمل کرتے وقت کوئی تکان یا پراگندہ خیالی نہیں ہوتی تھی۔

انسانی طبیعت میں دو طرح کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ عظمت کو پسند کرنا اور احسان و نیکی کو پہچاننا۔ جب آپ کوئی بہترین شکل، عمدہ بات یا کوئی بہترین آلہ دیکھیں گے تو آپ خود بخود اسے پسند کریں گے۔ اسی طرح جو بھی آپ کے ساتھ کوئی بھلائی کرے گا آپ دل سے اس کا اعتراف اور زبان سے اس کی تعریف کریں گے۔

آپ کسی ہوائی جہاز کو دیکھتے ہیں تو اس کے موجد کی ذہانت پر عش عش کرنے لگتے ہیں۔ تب اس ذات کے بارے میں کیا کہیں گے جس نے ہزاروں سیارے فضا میں چھوڑ رکھے ہیں جو بغیر کسی کجی و خامی کے مسلسل حرکت میں رہتے ہیں؟ کیا آپ کا اور ان ساری چیزوں کا خالق اور پروردگار اس کا زیادہ حقدار نہیں کہ آپ اس کی عظمت کو پہچانیں اور اس کی قدرت کے آثار دیکھیں؟

جب آپ اس کی عظمت کو پہچان لیں گے تو بے ساختہ کہہ اٹھیں گے:

ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحنك فقنا عذاب النار (آل عمران: ۱۹۱) ''پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اگر کوئی معزز شخص آپ کی دعوت کرے اور آپ اس کے چہرے پر بشاشت اور ضیافت میں دریا دلی دیکھیں تو یقیناً دل سے اس کی قدر کریں گے اور کوشش کریں گے کہ اس کا کچھ بدلہ دے سکیں۔

اب جو گود سے گور (قبر) تک آپ پر اپنی نعمتوں کی بارش کرتا ہے۔ اسی کا مہیا کیا ہوا رزق کھاتے ہیں، اسی کی عطا کردہ لباس سے اپنی ستر پوشی کرتے ہیں، اسی کے دیئے ہوئے ٹھکانے میں پناہ لیتے ہیں اور اسی کے ذریعہ ہر مصیبت سے نجات پاتے ہیں، دل میں اس کی قدر کیسے پیدا نہ ہوگی؟

حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کو عظمت کی پہچان اور نعمتوں کی قدردانی کی بنیاد پر

Marfat.com

ان کے پروردگار کے ساتھ جوڑا۔ چنانچہ ان کے دلوں میں اس کی اطاعت اور شکر گذاری کا بے پناہ شوق پیدا ہوا۔

عبادت مجبوری و ناراضگی کی اطاعت کا نہیں بلکہ محبت و رضامندی کی اطاعت کا نام ہے۔ عبادت جہالت و غفلت کی اطاعت نہیں، پہچان اور مرتبہ شناسی کی اطاعت ہوتی ہے۔

کوئی حکومت چیزوں کے نرخ مقرر کر دیتی ہے تو تاجر اسے مجبوراً مانتے ہیں اس طرح تنخواہوں میں تخفیف کا حکم جاری ہوتا ہے تو ملازمین ناراضگی کے ساتھ مانتے ہیں۔ آپ کسی گونگے جانور کو لے کر چلتے ہیں تو اسے نہیں معلوم ہوتا کہ چراگاہ کی طرف لے جا رہے ہیں یا قربان گاہ تک۔ اس طرح کی پیروی اس عبادت کے مفہوم سے دور ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے مشروع کی ہے:

اياك نعبد واياك نستعين () ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں

کیونکہ اس نے وجود کی حکمت و غایت ہی عبادت کو قرار دیا ہے:

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون (الزاريات:٥٦) میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔

یہ عبادت عظمت کی پہچان اور نعمتوں کے اعتراف کے ساتھ محبت و شوق کے ساتھ ہوتی ہے، قرآن انہی ٹھوس بنیادوں پر مومنین کا طرز عمل قائم کرتا ہے:۔

الله الذى خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لكم وسخر لكم الفلك لتجرى فى البحر بأمره وسخر لكم الانهار وسخر لكم الشمس والقمر دائبين وسخر لكم الليل والنهار وآتاكم من كل ماسألتموه وان تعدوا نعمت الله لا تحصوها ان الانسان لظلوم كفار (ابراهيم:٣٢-٣٤)

اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے جس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اسی کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کیا۔ جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

انسان ڈنڈے کے زور پر کوئی عظیم کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ کسی کام کو

Marfat.com

بہترین طور پر انجام دینے کے لئے شوق ورغبت ضروری ہوتی ہے۔

جب انسان کے دماغ ودل کسی عقیدہ پر جم جائیں، اس کے شعور واحساس میں وہی جاگزیں ہو جائے، سوتے جاگتے اسے اسی کی فکر رہتی ہو، تو وہ اس کی خدمت میں اعلیٰ مقام تک پہنچ سکتا ہے۔

اسی لئے اسلام صرف نظریاتی ایمان کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ عقل وذہن کے ساتھ دل وجذبات کی ہم آہنگی بھی ضروری قرار دیتا ہے۔

وہ شخص کیسے مسلمان ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پہچانتا بھی ہو اور اسے ناپسند بھی کرتا ہو، یا اس کے وجدان میں کہیں خدا کا گذر نہ ہو، نہ وہ اس کی عظمت کا قائل اور اس کی نوازشوں کا قدرداں ہو؟

حقیقی مسلمان تو وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی یقینی معرفت رکھتا ہو اور اسی کے ساتھ اس کی عظمت کا احساس رکھتا ہو اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرتا ہو۔ کیونکہ ایسا ہی ایمان بارآور ہوتا ہے اور عجیب وغریب کارنامے انجام دیتا ہے۔ اسی کی بدولت قابل فخر تہذیبیں وجود میں آتی ہیں اور اسی کی بدولت انسان بڑی سے بڑی ذمے داری کو ذوق وشوق کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

کیا آپ کے خیال میں جب رسول اللہ ﷺ نماز میں کھڑے رہتے تھے یہاںتک کہ آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا تو آپ اسی طرح تکلیف محسوس کرتے تھے جیسے کسی بچے کو اسکول میں دیر تک سزا کے طور پر کھڑا کر دیا جائے؟

اپنے پروردگار سے سرگوشی کی لذت اور خشوع وخضوع میں استغراق کی وجہ سے کسی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔

جوش، جذبہ اور ہمت سے بھرپور شخص وہ کام بھی بخوشی انجام دیتا رہتا ہے جو بغیر جوش وجذبہ والا کم ہمت شخص انجام ہی نہیں دے سکتا۔

غزوۂ خندق میں جب شدید ٹھنڈک کی وجہ سے مشرکین کے لشکر میں کوئی خیمہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر پارہا تھا حضرت حذیفہؓ بن یمان معلومات حاصل کرنے کے لئے اسی لشکر میں چکر لگا رہے تھے۔

گرم جوشانہ جذبات پر مبنی یہی ایمان تھا جس نے ظلم وسرکشی کی ناقابل شکست طاقتوں کو غبار بنا کر اڑا دیا تھا۔

قرآن کریم اسی اسلوب سے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت پیدا کرتا ہے یعنی بندگی کی بنیاد محبت وجانثاری، عظمت کی پہچان اور نعمتوں کی قدردانی پر ہو:

Marfat.com

قل الحمدللّٰه وسلٰم علی عباده الذین اصطفی آ الله خیر اما یشرکون امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ماکان لکم ان تنبتوا شجرها ءالٰه مع الله بل هم قوم یعدلون امن جعل الارض قرارا وجعل خلالها انهارا وجعل لها رواسی وجعل بین البحر حاجزا ءالٰه مع الله بل اکثرهم لا یعلمون امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰه مع الله قلیلا ما تذکرون۔ امن یهدیکم فی ظلمت البر والبحر ومن یرسل الریح بشرا بین یدی رحمته ءالٰه مع الله تعلیٰ الله عما یشرکون امن یبدؤا الخلق ثم یعیده ومن یرزقکم من السماء والارض ءالٰه مع الله قل هاتوا برهنکم ان کنتم صٰدقین (النمل:۵۹۔۶۴)

(اے نبیؐ) کہو حمد ہے اللہ کے لئے اور سلام اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ کیا (ان سے پوچھو) اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جنہیں یہ لوگ اس کا شریک بنا رہے ہیں بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے (نہیں) بلکہ یہی لوگ راہ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں ۔اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کئے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیئے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہو جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری لے کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا) ہے بہت بالا و برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصہ دار) ہے کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو

یہ مسلسل سوالات دل پر دور دراز افق کے دروازے کھول دیتے ہیں اور اسے شرک کی آلائشوں سے اس طرح بیزار کرتے ہیں جیسے بڑے لوگ بچوں کے کھلواڑ سے بیزار ہو جاتے ہیں، پھر اسے اللہ کی طرف مائل کرتے ہیں۔

غور و فکر پر آمادہ کرنے والی بیشتر آیات اسی ٹھوس محور کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ بسا اوقات نفس فریب خوردگی میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو اسے تمیز سکھانے کے لئے سختی سے بھی کام لینا پڑتا ہے، جیسے کبھی باپ اپنی اولاد پر سختی کرتا ہے، لیکن یہ اس کی شفقت و محبت کے

Marfat.com

منافی نہیں ہوتا۔

قرآن جب قدرت عالیہ کے نشانات پیش کر کے انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو حرکت میں لاتا ہے تو کبھی کبھی اس کے ساتھ انسان کے غفلت زدہ احساس کو بیدار کرنے کے لئے کچھ تنبیہ بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فسلکہ ینبیع فی الارض ثم یخرج بہ زرعا مختلفا الوانہ ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یجعلہ حطما ان فی ذلک لذکریٰ لاولی الالباب (الزمر:۲۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا پھر اس پانی کے ذریعہ سے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئیں پھر آخر کار اللہ ان کو بھس بنا دیتا ہے درحقیقت اس میں ایک سبق ہے عقل رکھنے والوں کے لئے۔

اس کے بعد ہی یہ فرماتا ہے:

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فویل للقسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلٰل مبین (الزمر:۲۲)

اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا) تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

دلوں میں ایمان کو جاگزیں اور بارآور کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ بھی یہی اسلوب اختیار فرماتے تھے۔ آپ کی سیرت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے سلسلے میں ایک زندہ سبق کی حیثیت رکھتی تھی، جس سے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی اطاعت کا جذبہ اور نافرمانی سے نفرت پیدا ہوتی تھی اور جب دلوں کے دروازے اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت کے لئے کھل جاتے تھے تو پھر کیا باقی رہ جاتا تھا۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ طور کی تلاوت شروع فرمائی۔ جب ان آیتوں پر پہنچے:

Marfat.com

ام خلقوا من غير شئی ام هم الخلقون ام خلقوا السموات والارض بل لا یوقنون ام عندهم خزائن ربك ام هم المصيطرون (الطور: ۳۵۔۳۷)

کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں، یا زمین اور آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے کیا تیرے رب کے خزانے ان کے قبضے میں ہیں؟ یا ان پر ان ہی کا حکم چلتا ہے؟

تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے میرا دل اڑا جا رہا ہے۔

ایمان جب ذہن کے نظریہ سے دل کے جذبہ تک پھیل جاتا ہے تو انسان میں یقین و اخلاص پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہی بہترین کردار کی بنیاد ہے، جس نے مسلمانوں کو بلند مرتبہ بنایا تھا، یہی اس مشہور حدیث کا مطلب بھی ہے کہ ”جس میں تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی بدولت ایمان کی حلاوت پالے گا: جس کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول باقی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں، جو کسی شخص سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے اور جو کفر سے نجات کے بعد اس میں واپسی کو اسی طرح ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو“ (بخاری)

اسی طرح جب رسالت پر ایمان اور صاحب رسالت سے محبت اس حد تک پہنچ جائے کہ ان کے آگے انسان اپنے آپ کو بھول جائے تو وہ کسی خوف و تکلف سے نہیں بلکہ محبت و شوق سے جان و مال سب کچھ نچھاور کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن ہشام سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپؐ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے اپنی جان کے۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے (ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا) جب تک میں تمہیں اپنی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: آپؐ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا: ہاں اب اے عمر! یعنی اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔

یہ حدیث کچھ وضاحت چاہتی ہے۔

انسانوں کے دلوں میں فضائل کی قدر ہوتی ہے۔ ایک قدیم عرب سموءل نے جب ایک شخص کو پناہ دی اور دشمنوں نے اسے گھیر لیا تو اس نے اپنے بیٹے کو تو قربان کر

Marfat.com

دیا لیکن جسے پناہ دی تھی اسے قربان کرنا گوارا نہیں کیا۔

انسان اگر اپنی عزت وشرف کے لئے اپنی جان قربان کر دے تو اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ حضرت محمد ﷺ نے لوگوں سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ آپؐ کے گوشت پوست کو مقدس سمجھیں، یا وہ آپؐ کے لئے اپنی جانیں نچھاور کر دیں یا یہ کہ آپؐ ان پر اس طرح خدائی جتائیں جیسے فرعون وغیرہ نے کیا تھا۔

ایسا ہرگز نہیں، حضرت محمد ﷺ تو مومنین سے بس یہ چاہتے ہیں کہ وہ رسالت کی عزت کریں اور آپؐ کے بہترین نمونہ کی پیروی کریں اور حق اور رحمت عام کی نشانیوں کا تحفظ کریں۔

انبیائے کرامؑ خود اپنے لئے نہیں جیتے بلکہ ساری دنیا کے لئے جیتے ہیں اور مکمل ہدایت اور عام خوش بختی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

اسی لئے ان کے لئے جانثاری ایمان وکمال کے اصولوں میں سے ہے۔

حضرت محمد ﷺ اس کے لائق تھے کہ آپؐ سے محبت کی جائے۔ دنیا نے رسالت عظمیٰ کے اس علمبردار سے بڑھ کر کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کی عزت وعظمت دلوں میں اس طرح موجزن ہو اور جس کے لئے لوگ اس طرح جان نچھاور کرنے پر آمادہ ہوں۔

دلوں کو جذب کرنے والی قیادت

حضرت عبداللہؓ بن سلام کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور پہلی بار لوگ آپؐ کے پاس اکٹھا ہوئے تو وہاں میں بھی تھا۔ میں نے جب آپؐ کے چہرے کو غور سے دیکھا تو یہ جان لیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا میں نے آپؐ سے جو پہلی بات سنی وہ یہ تھی "لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو اور رات میں جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھا کرو تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی)

اندر کی روشنی چہرے پر عکس ڈالتی ہے۔ حضرت عبداللہؓ اس مہاجر رہنما کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے گئے تھے اور آپؐ کے چہرے پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ کسی شخص کے

Marfat.com

ذہن و کردار کی علامتیں غور سے جائزہ لینے پر واضح ہو جاتی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے ساتھی آپ سے جنون کی حد تک محبت کرتے تھے اور آپؐ کے لئے سب کچھ قربان کر دینا اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔

اس مرتبہ کا کمال اور حاصل بھی کیسے ہوا تھا؟

حضرت ثوبان خادم رسول اللہ ﷺ آپؐ سے شدید محبت کرتے تھے اور تھوڑی دیر کی دوری بھی ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ ایک روز آپؐ کے پاس آئے تو رنج وغم سے ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: تمہارا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مجھے کوئی مرض یا درد لاحق نہیں ہے، لیکن میں جب آپ کو نہیں دیکھتا تو شدید وحشت کا شکار ہو جاتا ہوں، پھر جب آخرت کا دھیان آتا ہے تو مجھے ڈر لگنے لگتا ہے کہ میں وہاں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا، کیونکہ آپؐ انبیائے کرام کے ساتھ علیین کے درجہ میں ہوں گے اور میں جنت میں اس سے نچلے درجے میں، تب میں آپ کو کبھی نہیں دیکھ پاؤں گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصلحين وحسن اولئك رفيقا

جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔

(النساء:٦٩)

ایک حدیث میں آتا ہے:

المرء مع من احب (بخاری) آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔

مقصد نمونہ و اُسوہ محبت ہے، ہوس والی محبت نہیں۔ کیونکہ آدمی جب کسی ایسے شخص سے محبت کرتا ہے، جو اسی جیسا یا اس سے برتر ہو تو اس محبت سے شرافت اور بہترین خصلتوں و عادتوں کے لئے اس کا دل کھل جاتا ہے۔

کوئی بزدل کنجوس شخص شجاعت وسخاوت کی علامتوں کا خیر مقدم نہیں کرسکتا۔ ان کی قدر وہی کرے گا جس میں یہ خصلتیں کسی درجہ میں پائی جائیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوگی کہ عظیم شخصیات کو ایسے لوگوں کا ساتھ ملے، جو ان کی عظمت کے حسن و جمال سے محبت و عشق کرتے ہوں۔ اسی لئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

Marfat.com

ذلك الفضل من الله وكفى بالله عليما یہ حقیقی فضل ہے جواللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جاننے کے لئے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔ (النساء:۷۰)

حقیقت تو یہ ہے کہ محبت کرنے والا پیروکار بھی فاضل شخص ہوتا ہے۔

دُنیا میں بہت سے کمینہ خصلت لوگ ہوتے ہیں جو اگر کسی بلندی پر پہنچ جائیں تو اپنے سے کم مرتبہ لوگوں کی تحقیر اور اپنے سے بلند مرتبہ لوگوں سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے دل بغض وحسد اور ذلت سے خالی نہیں ہو پاتے۔ لیکن جو لوگ محض اصولوں سے محبت کرتے ہیں وہ جیسے ہی ان اصولوں کا حامل کوئی شخص پاتے ہیں تو اس کے ارد گرد اکٹھا ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت سے ان کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس یقین اور ایسے نیک یقین والوں کو ضائع نہیں کرتا۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس روز مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہر چیز روشن ہوگئی اور جس روز آپ کا انتقال ہوا ہر چیز پر ظلمت چھا گئی اور ابھی ہم آپ کے تدفین سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ خود اپنے دلوں کو اجنبی محسوس کرنے لگے (ترمذی)

یہ امنڈتے ہوئے جذبات دیکھئے، آپؐ کی آمد سے کس طرح ہر چیز مسرت کے رنگ میں ڈوبی نظر آرہی ہے اور آپؐ کے انتقال سے کس طرح ہر چیز حسرت وغم میں ڈوب گئی ہے۔

دارالہجرت کا یہی حال تھا وہ اللہ اور اس کے رسول سے ایسی ہی محبت کرتا تھا اور یہی غیر معمولی محبت اسلام کی بے نظیر کامرانی کا راز اور اس کیلئے ہر چیز قربان کر دینے کا محرک تھی۔

جس قوم کو اپنے رہنما کے ساتھ عزت ومحبت کا ایسا رشتہ جوڑے ہوئے ہو اس کے عزائم کے آگے بڑے سے بڑا پہاڑ بھی ٹک نہیں سکتا۔

☆☆☆

حضرت حسنؓ بن علیؓ نے حضرت ہندؓ بن ابوہالہ سے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے آپؐ کے جسمانی اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا آپ تیز رفتاری سے چلتے تھے گویا زور سے اونچائی سے نیچے اتر رہے ہوں، کسی طرف متوجہ ہوتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے، نگاہیں جھکائے رکھتے، آسمان سے زیادہ

Marfat.com

زمین کی طرف نگاہ ہوتی، نگاہ سرسری ڈالتے اور جو بھی آپؐ سے ملتا آپؐ اسے پہلے سلام کر لیتے۔

آپؐ کے طرز گفتگو کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غم و فکر میں رہتے تھے، چین حاصل نہیں تھا۔ بلا ضرورت بات نہیں کرتے تھے۔ زیادتر چپ رہتے، بات شروع اور ختم پورے منہ سے کرتے، منہ کے کناروں سے نہیں۔ جامع باتیں ارشاد فرماتے، بات واضح ہوتی، لیکن نہ زیادہ نہ کم۔ کشادہ رو تھے، خشک اور حقیر سمجھنے والے نہیں، نعمت چاہے ہلکی ہو اسے گرانقدر سمجھتے، کسی چیز کی مذمت نہ فرماتے، جو کھانا سامنے آتا تناول فرماتے، نہ اس کی برائی کرتے، نہ اس کی تعریف۔ خود اپنے لئے نہ غصہ فرماتے نہ انتقام لیتے، ہاں، اگر حق کے لئے ضرورت ہوتی تو ضرور اقدام فرماتے۔ اگر اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے فرماتے۔ اگر تعجب کا اظہار فرماتے تو ہتھیلی الٹتے پلٹتے، اگر غصہ آتا تو اعراض فرماتے، اگر خوش ہوتے تو نگاہ جھکا لیتے، آپؐ کی ہنسی مسکراہٹ ہوتی تھی۔

آپؐ اپنی زبان محفوظ رکھتے تھے، سوائے جو بات آپؐ سے متعلق ہو۔ اپنے ساتھیوں کو جوڑتے تھے انہیں منتشر نہیں فرماتے تھے۔ ہر قوم کے معزز شخص کی عزت فرماتے اور اس کو ان کا ذمہ دار مقرر کرتے، لوگوں سے بچتے اور احتیاط رکھتے تھے، لیکن ان میں سے کسی سے بھی کشادہ روئی ختم نہیں کرتے تھے۔

آپؐ اپنے ساتھیوں کی خبر گیری کرتے تھے، لوگوں کا حال دریافت فرماتے تھے۔ اچھی چیز کی تحسین فرماتے اور بری چیز کو بری قرار دیتے۔ ہر معاملے میں اعتدال سے کام لیتے اور لوگوں کو اکتاہٹ سے بچاتے۔

آپؐ کی مجلس کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا: رسول اللہ ﷺ بغیر ذکر خدا کے اٹھتے بیٹھتے نہیں تھے، مجلس میں اپنے لئے کوئی ممتاز جگہ نہیں رکھتے تھے، جہاں موقع ملتا وہیں بیٹھ جاتے اور اسی کی لوگوں کی ہدایت بھی دیتے، اپنی مجلس کے تمام شرکاء پر پوری توجہ فرماتے یہانتک کہ کوئی یہ نہیں گمان کرسکتا تھا کہ وہاں آپؐ کے نزدیک کوئی اور اس سے زیادہ معزز ہے، جو آپؐ کے ساتھ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر کسی ضرورت کے لئے بات کرتا، آپؐ صبر کے ساتھ سنتے رہتے، یہانتک کہ وہی لوٹ جاتا۔ جس نے بھی کوئی چیز مانگی آپؐ نے دے دی یا کوئی اچھی بات کہی۔ آپؐ کی کشادہ دلی اور اخلاق سارے

Marfat.com

لوگوں کے لئے عام تھے، گویا آپ سب کے باپ کی جگہ تھے اور حق کے سلسلے میں سارے لوگ آپؐ کے نزدیک یکساں تھے۔ صرف تقویٰ کی بنیاد پر کوئی افضل ہو سکتا تھا، آپؐ کی مجلس حلم وحیا اور صبر وامانت کی مجلس ہوتی تھی، اس میں آوازیں بلند نہیں کی جاتی تھیں، نہ حرمات پامال کی جاتی تھیں، لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تقویٰ کی بنیاد پر ہمدردی رکھتے تھے، بڑے کی عزت کرتے تھے، چھوٹے پر رحم کھاتے تھے، ضرورتمند کی حاجت پوری کرتے تھے اور اجنبی کو مانوس کرتے تھے۔

آپؐ ہمیشہ کشادہ رو رہتے تھے، اخلاق نرم تھے، نہ سخت دل تھے، نہ درشت خو، نہ شور مچانے والے، نہ فحش گو، نہ عتاب کرنے والے، نہ مدح سرائی کرنے والے۔ جس چیز کو ناپسند فرماتے، اس سے صرف نظر کر لیتے، آپ سے کوئی مایوس نہیں ہو سکتا تھا، آپؐ نے تین چیزوں سے اپنے نفس کو علحدہ کر رکھا تھا: ریاکاری، بسیار پسندی اور لایعنی چیزیں۔ اسی طرح نہ آپ کسی کی مذمت کرتے تھے، نہ عار دلاتے تھے، نہ پردہ دری کرتے تھے، آپؐ وہی گفتگو فرماتے جس سے ثواب کی امید ہو۔ آپؐ جب گفتگو فرماتے تو آپ کے ہم نشیں ہمہ تن گوش ہو کر سنتے، جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہوں۔ آپؐ جب خاموشی اختیار فرماتے تبھی وہ بولتے، آپؐ کے سامنے گفتگو میں جھگڑا نہیں کرتے تھے، آپؐ کے پاس جو بھی گفتگو کرتا باقی لوگ توجہ سے اس کی بات سنتے یہانتک کہ وہ خاموش ہو جاتا، جس بات پر لوگ ہنستے اس پر آپ بھی تبسم فرماتے، جس پر لوگ خوشی ظاہر کرتے اس پر آپ بھی خوش ہوتے۔ اجنبی کی درشت بات پر بھی صبر فرماتے اور ہدایت دیتے کہ ''جب تم کسی ضرورتمند کو ضرورت طلب کرتے دیکھو تو اسے پوری کرو۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں کمال کے مختصر مظاہر ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپؐ کی عظمت اور اعلیٰ خصوصیات کو سمجھنا آسان نہیں۔ ہر شخص عظیم شخصیات کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔ تب اس عظیم ترین شخصیت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جس کا کردار واخلاق قرآن کی ترجمانی کرتا تھا۔

مدینہ منورہ کی یہ امت اوج کمال پر پہنچ چکی تھی۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے عمل اور جدوجہد کرتی تھی، اپنی منزل مقصود کی طرف پورے اعتماد وسنجیدگی کے ساتھ رواں دواں تھی، اپنے نبیؐ کے اردگرد اس طرح اکٹھا تھی، جیسے شاگرد استاذ کے اردگرد

Marfat.com

،فوجی کمانڈر کے اردگرد اور اولاد اپنے مشفق باپ کے اردگرد اکٹھا ہو۔ یہ امت باہمی اخوت ومروت میں یک جان ہو چکی تھی۔ گویا ایک ہی عمارت میں چنی ہوئی مضبوط اینٹیں ہوں۔ اس نے دوسروں کے ساتھ اپنے تعلق کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھی تھی۔ ان کے پڑوس میں کسی بے گناہ پر ظلم نہیں کیا جا سکتا تھا، نہ کوئی ان کے الطاف وعنایات سے محروم رہ سکتا تھا۔

جس نے بھی جاہلیت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے پروردگار سے رجوع کر لیا اسے ماضی کی طرف پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ وہ امت مسلمہ کا ایک معزز ممبر بن جاتا تھا۔ اس کے گناہ معاف ہوتے تھے اور وہ اپنے نیک عمل سے اپنی زندگی کی کتاب کا نیا باب لکھتا تھا۔ البتہ جو لوگ پرانی سرکشی اور ظلم پر باقی تھے ان کے لئے:

ان الذین کفروا وظلموا لم یکن الله لیغفر لهم ولا لیهدیهم طریقا الا طریق جهنم خلدین فیها ابدا وکان ذلك علی الله یسیرا (النساء:١٦٨۔١٦٩)

اس طرح جن لوگوں نے کفر وبغاوت کا طریقہ اختیار کیا اور ظلم وستم پر اتر آئے اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اور انہیں کوئی راستہ بجز جہنم کے راستہ کے نہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

یہ امت صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتی تھی۔ اور اس کی راہ میں ہر جدوجہد اور قربانی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا اسے یہی لگن رہتی تھی کہ یا تو اللہ تعالیٰ کے لئے زندہ رہے یا پھر اسی کی راہ میں جان دے دے۔

اگر اس وقت کے مسلمانوں اور دوسری قوموں کے درمیان موازنہ کیا جاتا تو صاف معلوم ہوتا غلبہ وامتیاز کے سارے ضروری عناصر ان میں جمع ہو گئے ہیں۔ تب کیا تعجب کی بات ہو سکتی ہے کہ چند ہی برسوں میں ان کی نوجوان مملکت پرانے قلعوں میں زلزلے برپا کرنے لگی اور جو کچھ چاہتی حاصل کرنے لگی۔

☆☆☆

پھر مدینہ منورہ میں شریعت کی تفصیلی ہدایتیں نازل ہونے لگیں، جن سے مسلمانوں کے خاص وعام احوال منظم ہونے لگے اور تدریجی طور پر حلال وحرام کی بنیادیں واضح ہونے لگیں، یہانتک کی آخری صورت سامنے آنے لگی۔ حدود قائم ہوئیں، اور روزے فرض ہوئے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب:٦

خونریز جدوجہد

اسلام مدینہ منورہ میں اس حال میں داخل ہوا تھا کہ کفر و شرک کے گروہ ہر طرف سے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ مسلمان اپنے دارالہجرت میں اسی طرح پناہ گزین ہوئے جیسے فوجی اپنے قلعہ میں پناہ لیا کرتے تھے۔ یہاں انہوں نے معرکہ آرائیوں کے لئے تیاری شروع کر دی، کیونکہ پچھلے برسوں نے انہیں یہ سبق دیا تھا کہ کمزوری ذلت و آزمائش تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی کو عافیت کی قدر مرض سے دوچار ہونے کے بعد اور تونگری کی قدر حاجتمند کو ذلت سے نجات کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے۔

ماضی سے عبرت حاصل کرنے کا مہاجرین و انصار سے زیادہ کون حقدار ہو سکتا تھا؟ قاتل سیکڑوں میل تک ان کے نبی کا پیچھا کرتے رہے کہ آپ کو خاک و خون میں ملا دیں۔ (نعوذ باللہ) مہاجرین کے گھروں پر قبضہ کر لیا گیا اور مال و دولت لوٹ لئے جانے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔ انہیں مکہ مکرمہ سے در بدر کر دیا گیا اور اپنے نئے وطن پہنچنے کے بعد بھی مکہ کے سرکش لوگ مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ برقرار رکھے ہوئے تھے۔

یہ حماقت ہی ہوگی کہ مسلمانوں کو اس دشمنی کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی دشمنی قریش سے نکل کر پورے جزیرہ کے مشرکوں تک پھیل گئی اور خود مدینہ منورہ کے مشرکین نے اسلام کی دشمنی کا اظہار شروع کر دیا اور ان لوگوں کے ساتھ وہ یہودی بھی مل گئے جو اس دین کی اشاعت و صنم پرستی کی پسپائی سے خوفزدہ تھے۔

تب کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لئے تیاری، ہر حملہ آور کے خلاف چوکنا رہنے اور دست درازی کرنے والے مجرمین کو تمیز سکھانے کے لئے طاقت فراہم کرنے کے سوا کیا چارۂ کار رہ گیا تھا؟

Marfat.com

اسلام نے جو جنگ مشروع قرار دی اور جن معرکوں میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ شریک ہوئے انہیں جہاد کی معزز ترین شکل قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ جنگیں حق کی حمایت ودفاع، مظالم کی روک تھام اور جارحیت اور سرکشوں کا قلع قمع کرنے کے لئے تھیں مستشرقین اور اسلام سے کینہ رکھنے والے دیگر حضرات کا یہ دعویٰ کہ مسلمانوں نے بلا جواز طاقت استعمال کی، بالکل لغو و باطل اور اس مہم کا حصہ ہے جو روئے ارض سے اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو صلیبیت اور صہیونیت کا غلام بنانے کے لئے چلائی جا رہی ہے۔

کوئی دن نہیں گذرنے پاتا جس میں اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو فنا کرنے کے لئے مختلف طاقتیں سانٹھ گانٹھ نہ کریں اور اس سلسلے میں ہمیشہ کے شدید دشمن بھی اسلام کے خلاف باہم صلح نہ کرلیں۔

یہی صورت اسلام کے آغاز میں، ہجرت سے پہلے اور اس کے بعد بھی، درپیش تھی، اور آج بھی ہے، جب اسلامی علاقے دنیا کے ڈاکوؤں کے ہاتھوں میں جا پڑے ہیں اور اسے آہستہ آہستہ نیست و نابود کرنے کے انتہائی گھناؤنے منصوبے تیار کئے جا رہے ہیں۔

پھر اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے تیار رہنے کی بات کو کیسے عجیب وغریب کہا جا سکتا ہے؟

جس امت کے اردگرد ہر طرف کے قصاب گھیرا ڈال رہے ہوں، اس کے لئے جانثاری کی بات کیسے ناپسندیدہ قرار دی جائے گی؟

ولا يحسبن الذين كفروا سبقوا انهم لا يعجزون واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لاتعلمونهم الله يعلمهم وما تنفقوا من شئى فى سبيل الله يوف اليكم وانتم لا تظلمون وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انه هو السميع العليم وان يريدوا ان

منکرین حق اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ بازی لے گئے یقیناً وہ ہم کو ہرا نہیں سکتے اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہارے طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا اور اے نبی اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو

Marfat.com

یخدعوک فان حسبك الله (الانفال:۵۹۔۶۱) تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔

وحی کی ہدایت اور حقیقت کے تقاضے کے مطابق نیز اللہ تعالیٰ کے حق اور زندگی کے حق کے تحفظ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے لوگوں کو فنونِ حرب سیکھنے کی تلقین فرمائی اور اس کی مشقوں اور معرکوں میں خود بھی حصہ لیا اور اس میدان میں ہر سرگرمی کو بہترین عبادت قرار دیا کہ شاید اسی طرح کفر کی شوکت ٹوٹ سکے اور مسلمانوں کو اذیتوں سے نجات ملے۔

فقتل فی سبیل الله لا تکلف الا نفسك وحرض المومنین عسی الله ان یکف باس الذین کفروا والله اشد باسا واشد تنکیلا (النساء:۸۴) پس اے نبی تم اللہ کی راہ میں لڑو تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لئے ذمہ دار نہیں ہو البتہ اہل ایمان کو لڑنے کے لئے اکساؤ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔

حضرت عتبہؓ بن عامر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر سے فرماتے ہوئے سنا:

واعدوالهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل() اور جہاں تک بس چلے تم زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو۔

جان لو طاقت تیر اندازی کا نام ہے، طاقت تیر اندازی کا نام ہے، طاقت تیر اندازی کا نام ہے (مسلم)۔

یعنی صحیح نشانہ لگانا فیصلہ کن اثر رکھتا ہے چاہے وہ تیروں سے ہو یا گولیوں وغیرہ سے۔

فقیم لخمی بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عقبہؓ بن عامر سے عرض کیا کہ آپ ان دونشانوں کے درمیان بار بار چکر لگاتے ہیں، جب کہ آپ کافی بوڑھے ہو چکے ہیں تو آپ کو بڑی مشقت ہوتی ہوگی؟ حضرت عقبہؓ نے جواب دیا اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک بات نہ سنی ہوتی تو ایسا نہ کرتا۔ دریافت کیا: وہ کیا؟ انہوں نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں

Marfat.com

رہا (مسلم)

حضرت ابو نجیح سلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا تیر نشانہ پر بیٹھا وہ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کرے گا۔ اس روز دس تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھے۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی تیر پھینکا تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا (ابوداؤد)

حضرت عقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا۔

۱۔ جو نیکی سمجھ کر اسے بنائے۔

۲۔ جو اسے پھینکے۔

۳۔ جو اسے اٹھا کر دے۔

لہٰذا تیر اندازی اور گھوڑ سواری سیکھو اور سواری سے زیادہ مجھے تمہاری تیر اندازی پسند ہے۔ ہر کھیل باطل ہے اور کوئی قابل تعریف نہیں سوائے تین کے:

۱۔ آدمی کا اپنے گھوڑے کو سدھانا۔

۲۔ اپنی بیوی سے کھیلنا۔

۳۔ اپنی کمان سے تیر پھینکنا۔

یہ کھیل صحیح ہیں اور جس نے سیکھنے کے بعد تیر اندازی، اس سے بے رغبتی کی وجہ سے، چھوڑ دی اس نے ایک نعمت چھوڑ دی، یا اس کا انکار کیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ گھوڑوں کی پیشانی سے قیامت تک کے لئے بھلائی جڑی ہوئی ہے۔ اجر اور غنیمت۔

یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گھوڑ سواری سیکھنے کی ترغیب دینا ہے۔ کسی ایک طریقہ پر زور دینے کا مطلب دوسرے طریقوں کی اہمیت کم کرنا نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آپؐ نے سمندر میں جنگ سکھانے پر کس طرح ابھارا ہے۔ ''سمندر میں ایک غزوہ خشکی میں دس غزوات سے بہتر ہے۔ جس نے سمندر پار کیا اس نے گویا تمام وادیاں پار کر لیں اور اس میں چکر اور قے سے دوچار ہونے والا گویا اپنے خون میں لوٹ پوٹ رہا ہو۔

Marfat.com

ملکوں کو بری، بحری اور فضائی تمام بیڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اور جو لشکر دشمن کو شکست دینے، اپنی قوم کی عزت کا تحفظ کرنے میں زیادہ کارگر ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے زیادہ قریب ہوتا ہے، چاہے وہ بری لشکر ہو یا بحری یا فضائی۔

مسلح دستے

جب مسلمانوں کے حالات میں استحکام پیدا ہو گیا تو انہوں نے مسلح دستے آس پاس صحرا میں بھیجنے شروع کر دیئے تاکہ دشمن قبائل کے حالات کا پتہ چلائیں اور مکہ مکرمہ اور شام کے درمیان آنے جانے والے لشکروں کا راستہ روکیں۔

۱۔ پہلے ہجری سال میں رمضان کے مہینے میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب نے تیس مسلمانوں کے ساتھ قریش کا ایک قافلہ روکا، جس کی قیادت ابو جہل کر رہا تھا اور اس میں تین سو سوار تھے دونوں کے درمیان مجدی بن عمر جہنی آ گئے اور لڑائی نہیں ہوئی۔

۲۔ اسی سال شوال میں حضرت عبیدہؓ بن حارث ساٹھ سواروں کے ساتھ وادی رابغ پہنچے، جہاں ابو سفیان کی سربراہی میں دو سو مشرکین سے آمنا سامنا ہوا۔ دونوں فریقوں نے کچھ تیر بھی چلائے لیکن باقاعدہ لڑائی نہیں ہوئی۔

۳۔ ذوالقعدہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بیس افراد کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ کو روکنے نکلے لیکن قافلہ بچ کر نکل گیا۔

۴۔ دوسرے سال صفر کے مہینے میں خود رسول اللہ ﷺ قریش اور بنی ضمرہ کا سامنا کرنے کے لئے نکلے۔ آپؐ نے مدینہ میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اپنا جانشیں بنا دیا تھا۔ آپ ودان کے مقام تک پہنچے۔ قریش سے مڈبھیڑ تو نہیں ہو سکی البتہ بنی ضمرہ کے ساتھ ایک معاہدہ ہو گیا۔

۵۔ اسی سال ربیع الاول میں آپؐ دو سو مہاجرین وانصار کو لے کر بواط کے مقام تک گئے تاکہ قریش کے ایک قافلہ کو روکیں جس کی سربراہی امیہ بن خلف کر رہا تھا اور اس کے ساتھ سو مشرک تھے۔ یہ قافلہ بھی بچ کر نکل گیا۔

۶۔ جمادی کے مہینے میں ینبع کے مقام عشیرہ تک تشریف لے گئے اور وہاں ایک مہینہ قیام کیا جس کے دوران بنی مدلج سے صلح کا معاہدہ ہوا۔

۷۔ پھر کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ پر چھاپہ مارا اور مویشی ہانک لے

Marfat.com

گیا۔ آپؐ نے وادی صفوان تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ نہیں مل سکا۔ مورخین اسے پہلا غزوہ بدر کہتے ہیں۔

ان دستوں کو مسلسل بھیجنے میں یہ حکمت پنہاں تھی:

۱۔ مدینہ منورہ کے مشرکین، یہودیوں اور آس پاس کے بدوؤں کو یہ جتلانا کہ مسلمان اب طاقتور ہو چکے ہیں۔ پہلے کی طرح کمزور نہیں رہ گئے ہیں جس کی بنیاد پر اہل قریش ان پر مظالم توڑتے تھے اور ان کو گھروں سے در بدر کرتے اور مال و دولت چھین لیا کرتے تھے۔

۲۔ مدینہ منورہ میں بھی مخالفین کی تعداد کم نہیں تھی اور طاقت کا مظاہرہ ہی انہیں قابو میں رکھ سکتا تھا۔ یہی اس آیت کی تشریح ہے:

ترهبون به عدوالله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم (الانفال: ٦٠)

تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

مدینہ منورہ میں منافقین بھی تھے جو اسلام اور مسلمانوں سے بغض و کینہ رکھتے تھے اور صرف بزدلی اور انجام سے ڈر ہی کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

آس پاس کے مشرکین اور صحرا کے ڈاکو، اگر ان دستوں کی وجہ سے ڈر نہ جاتے تو خود مدینہ پر ہی چڑھ دوڑتے۔ کرز بن جابر کا واقعہ بار بار دہرایا جا سکتا تھا۔ ان دستوں نے ان کی ہمتیں پست کر دیں۔

۳۔ تیسری حکمت یہ تھی کہ قریش کو آگاہی دی جائے۔ اہل قریش اب تک اسلام سے برسر پیکار چلے آرہے تھے اور اپنی ذہنیت نہیں بدل رہے تھے۔ اب بھی وہ مکہ مکرمہ میں کسی شخص کو اللہ کا دین قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، نہ کسی دوسری جگہ اسے ٹھکانا لینے کی اجازت دینے پر تیار تھے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ مکہ کے سرداروں کو جتلا دیں کہ ان کا ظالمانہ رویہ انہیں سخت نقصان پہنچا سکتا ہے۔ وہ زمانہ لد چکا جب وہ مومنین کو بلا کسی خوف کے ستایا کرتے تھے۔

مستشرقین ان دستوں کو رہزنی کی قسم قرار دیتے ہیں۔ یہ اس کینہ کی ترجمانی ہے جو حقائق سے اندھا کر دیتا ہے اور خواہش نفس کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے۔

Marfat.com

مجھے یاد آتا ہے کہ جب انگریز اپنی افریقی نوآبادی کینیا میں آزادی کے طلبگاروں کو کچل رہے تھے تو ایک انگریز فوجی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ درندے ہیں۔ سمجھ لو کہ ان میں سے کسی نے تمہیں دانت کاٹ لیا ہے، لہذا اسے قتل کرنا ضروری ہے۔ مستشرقین یہی طرز فکر اہل مکہ اور اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں اپناتے ہیں۔

☆☆☆

سریہ عبداللہ بن جحش

ہجرت کے دوسرے سال رجب کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو مہاجرین کے ایک گروہ کے ساتھ بھیجا اور انہیں ایک خط دیا اور حکم دیا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد ہی اسے کھول کر پڑھیں۔ اور پھر جو کچھ اس میں ہدایت دی گئی ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں لیکن اپنے کسی ساتھی کو مجبور نہ کریں۔ دو دن کے سفر کے بعد جب انہوں نے خط کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ مکہ و طائف کے درمیان نخلہ کے مقام پر پہنچ جانا اور قریش کی گھات میں رہنا اور ان کی خبریں معلوم کرنا۔

حضرت عبداللہ نے خط میں دی گئی ہدایت سن کر بدل و جان اطاعت کا اظہار کیا اور اپنے ساتھیوں کو اس کے بارے میں بتا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے منع کر دیا ہے کہ تم میں سے کسی کو ماننے پر مجبور کروں۔ اب جو شہادت کا خواہاں ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جو نہ چاہے وہ لوٹ جائے۔ لیکن ان میں سے کوئی واپس نہیں لوٹا۔ البتہ جس اونٹ پر حضرت سعدؓ بن وقاص اور حضرت عتبہؓ بن غزوان سوار تھے وہ کہیں بھٹک گیا تو وہ دونوں اس کی تلاش میں لگ گئے۔ حضرت عبداللہؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلتے رہے یہاںتک کہ نخلہ میں قیام کیا۔ وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گذرا تو حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ اسی معرکہ میں عمر بن حضرمی قتل ہوا اور دو مشرکین گرفتار ہوئے اور حضرت عبداللہؓ بن جحش انہیں لے کر مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

چونکہ یہ لڑائی رجب کے مہینے میں ہوئی اور وہ ان مقدس مہینوں میں تھا جن میں جنگ حرام مانی جاتی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ناراضگی ظاہر فرمائی کہ میں نے تمہیں اس مہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپؐ نے قیدیوں وغیرہ کے سلسلے میں کوئی فیصلہ بھی موقوف کر دیا۔

Marfat.com

مشرکین کو اس واقعہ سے مسلمانوں پر یہ الزام لگانے کا موقع مل گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرلیا۔اور اس سلسلے میں خوب خوب باتیں پھیلائی گئیں۔یہاںتک کہ وحی نازل ہوئی:

یسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عندالله والفتنة اكبر من القتل (البقرة:٢١٦)

لوگ پوچھتے ہیں:ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو!اس میں لڑنا بہت برا ہے مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ خونریزی سے شدید تر ہے۔

مسلمانوں کے سلسلے میں مشرکین نے جو یہ پروپیگنڈہ مہم چلائی وہ سراسر لغو تھی کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے تمام حرمات وہ پہلے ہی پامال کر چکے تھے۔اب اچانک کہاں سے انہیں ان کے تقدس کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔؟

کیا مسلمان اس وقت بلد حرام میں مقیم نہیں تھے جب ان کے نبی کو قتل کرنے اور ان کے ساز و سامان کو لوٹنے کا فیصلہ کیا گیا؟

بعض لوگ جب اپنے مفاد پر ضرب پڑتی ہے،تو آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں،اور جب ان کے مفاد کا تقاضا ہوتا ہے تو تمام قوانین کو پامال کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔قانون ان کے نزدیک اپنے مفاد کا نام ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ مشرکین کو مسلمانوں اور ان کے دین کو نیست و نابود کردینے کے منصوبے کو پورا کرنے کے سلسلے میں نہ مقدس شہر آڑے آتا ہے نہ مقدس مہینہ:

ولا يزالون يقتلونكم حتى يردو كم عن دينكم ان استطعوا (البقرة:٢١٧)

وہ تو تم سے لڑے ہی جائیں گے حتی کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں اس دین سے پھیر لے جائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ ان باغی قوتوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے اور اس ایمان کے سلسلے میں کوتاہی سے کام لینے کے خلاف آگاہی دیتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر کیا تھا اور جس کے ساتھ ان کی دنیا و آخرت کی خوش بختی مربوط تھی:

Marfat.com

ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاؤلئك حبطت اعملهم فی الدنیا والآخرة واؤلئك اصحب النار هم فیها خلدون (البقرة:۲۱۷)

اور تم میں سے جو کفر کی حالت میں جان دے گا اس کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے ایسے لوگ جہنم والے ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔

اس طرح قرآن کریم نے حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں کے اقدام کو بجا ٹھہرایا، کیونکہ انہوں نے دیانت داری اور بہادری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نافذ کیا تھا اور بغیر کسی جبر کے خود اپنی مرضی سے اللہ کی راہ میں جان کو خطرہ میں ڈال کر دشمن کے علاقہ میں دور دراز تک گھس گئے تھے۔

تب وہ قابل ملامت کیوں ٹھہرائے جاتے:

ان الذین آمنوا والذین هاجروا وجهدوا فی سبیل الله اولئك یرجون رحمت الله والله غفور رحیم (البقرة:۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے وہ رحمت الٰہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے۔

قرآن کریم کی اس تائید کے دور رس اثرات پڑے۔ پہلے ایسے دستوں میں حصہ لینے والے صرف مہاجرین ہوا کرتے تھے۔ اب ان میں مہاجرین کے ساتھ انصار بھی شامل ہونے لگے۔ پھر یہ احساس بھی بڑھ گیا کہ متوقع جدوجہد کافی لمبی ہوگی لیکن اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔

مکہ نے یہ جان لیا کہ اہل قریش کو اپنی بدسلوکیوں کی جوابدہی کرنی پڑے گی اور یہ کہ اب شام کے ساتھ ان کی تجارت مسلمانوں کے رحم و کرم پر رہ گئی ہے۔

اس طرح دونوں فریقوں کے درمیان خلیج اور وسیع ہوگئی۔

گویا یہ واقعات ان شدید واقعات کا پیش خیمہ تھے جو ایک مہینہ بعد مکہ مکرمہ کے سرکشوں اور اہل مدینہ منورہ کے درمیان بدر کے مقام پر پیش آنے والے تھے۔

معرکۂ بدر

مدینہ منورہ میں یہ خبریں گرم تھیں کہ قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس ہونے والا ہے اور اس کے پاس زبردست دولت ہے، سامان سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹوں کی قیادت ابوسفیان بن حرب کر رہا ہے اور اس میں تیس چالیس سے

Marfat.com

زیادہ آدمی نہیں۔

اگر اہل مکہ اس دولت سے محروم ہو جاتے تو یہ ماران کے لئے زبردست ہوتی اور مسلمانوں کو ہجرت کے دوران جو نقصانات پہنچے تھے ان کی تلافی ہو سکتی تھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ قریش کا قافلہ ان کے مال ومتاع کے ساتھ گذر رہا ہے اس کی طرف نکلو، شاید اللہ تعالیٰ تمہیں وہ عنایت فرمادے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ پر حملہ کے لئے نہ کسی پر زور دیا، نہ کسی پیچھے رہ جانے والے کو ابھارا، بلکہ معاملہ ہر فرد کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا، تب جو نکل سکتا تھا وہ نکلا۔

اس بار جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے رہے تھے، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ پچھلے دستوں کی طرح یہ بھی ایک دستہ ہوگا۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایک ایسے دن کی طرف بڑھ رہا ہے جو اسلام کے تعلق سے سب سے اہم دن ہونے والا ہے اگر انہیں ذرا سا بھی اندیشہ ہوتا تو وہ پوری تیاری کرتے اور کسی مسلمان کو بھی مدینہ میں رہ جانے کی اجازت نہ دی جاتی۔ اسی لئے جب یہ خبریں ملیں کہ قافلہ نے اپنا راستہ بدل لیا ہے تو لوگوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔

قافلہ کا سالار ابوسفیان اسے خطرے سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ اہل مکہ کو یہ پیغام بھیج چکا تھا کہ وہ اپنے مال ودولت کی حفاظت کے لئے فوراً پہنچیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساتھیوں کو مدینہ واپسی کے برے نتائج سے آگاہ فرمایا اور مشرکین کے تعاقب پر زور دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کما اخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقا من المومنين لكارهون يجادلونك فى الحق بعد ماتبين كانما يساقون الى الموت وهم ينظرون (الانفال:٦.٥)

جیسے تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ ناگوار گذرا تھا وہ اس حق کے معاملے میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے درآنحالیکہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

Marfat.com

جو لوگ قریش سے مڈ بھیڑ کو ناپسند کر رہے تھے۔ وہ موت سے ڈر کی وجہ سے نہیں، بلکہ بغیر پوری تیاری کے کسی اچانک معرکہ میں کودنے کی حکمت نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے پورے معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ پسپائی سے بہتر اقدام ہوگا۔ کیونکہ اس طرح واپسی سے اب تک کے بھیجے جانے والے مسلح دستوں کی حکمت ہی برباد ہو جائے گی۔

تذبذب کی کیفیت بہت جلد دور ہو گئی اور سب لوگ منزل مقصود کی طرف چل پڑے۔ بدر کی طرف یہ سفر کوئی تفریحی سفر نہیں تھا۔ مدینہ منورہ اور بدر کے درمیان تقریباً ۱۶۰ کیلومیٹر کی دوری ہے۔ اور آپؐ کے ساتھ صرف ستر اونٹ تھے جن پر لوگ باری باری سوار ہو رہے تھے۔

حضرت عبدؓاللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ: ہم بدر کے دن تین تین آدمی باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ بن ابو طالب اور حضرت ابو لبابہؓ تھے۔ جب آپؐ کی اترنے کی باری آئی تو دونوں نے عرض کیا کہ آپؐ سوار رہیں ہم آپ کے بدلے پیدل چل لیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: نہ تم دونوں مجھ سے زیادہ پیدل چلنے کی صلاحیت رکھتے ہو، نہ میں تم دونوں کے مقابلے میں اجر سے زیادہ بے نیاز ہوں (احمد)

مسلمانوں نے اپنے جاسوس پھیلا دئے جو اہل قریش کی خبریں معلوم کر رہے تھے کہ ان کا قافلہ کہاں ہے اور اس کی حفاظت کے لئے آنے والے کہاں ہیں۔

☆☆☆

ابوسفیان نے جب قافلہ کے لئے خطرہ محسوس کیا تھا تو ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ بھیج دیا تھا تا کہ وہ اہل قریش کو قافلہ کی مدد کے لئے آواز دے۔ ضمضم نے پورے شہر میں تہلکہ مچا دیا۔ وہ اپنی ناک کاٹ کر اور گریباں چاک کر کے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر پورے شہر میں گھوم گھوم کر چیخنے لگا کہ اے اہل قریش! تمہارا مال و دولت جو ابوسفیان کے ساتھ ہے (حضرت) محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کی زد میں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تم اسے پا نہیں سکو گے۔ اس لئے فوراً مدد کے لئے دوڑو۔

چنانچہ قریش کے سب لوگ تیار ہو گئے۔ ہر شخص یا تو خود نکل پڑا یا اپنے بدلے

Marfat.com

کسی دوسرے کو بھیجا۔ ان کے دل غیظ وغضب سے شعلے اگل رہے تھے۔ کل ملا کر نو سو پچاس لڑنے والے تھے۔ ان کے پاس دو سو گھوڑے تھے۔ ساتھ میں لونڈیاں بھی تھیں ڈھول بجا بجا کر مسلمانوں کی ہجو کے گانے گا رہی تھیں۔

ان لوگوں نے شمال کا رخ کیا تا کہ قافلہ کو پالیں۔ لیکن ابوسفیان مدد کے انتظار میں ٹھہرا نہیں رہا۔ بلکہ وہ مسلمانوں کی زد سے بچ جانے کے لئے اپنی پوری چالاکی سے کام لے رہا تھا۔ اور اس سلسلے میں قسمت نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

روایات میں آتا ہے کہ ابوسفیان کی ملاقات مجدی بن عمرو سے ہوئی اس نے پوچھا تم نے کچھ محسوس کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جسے میں پہچانتا نہ ہوں، البتہ دو سواروں کو ضرور دیکھا ہے جو اس ٹیلے کے پاس رکے تھے پھر ڈول سے پانی پی کر چلے گئے تھے۔ ابوسفیان اس جگہ پہنچا اور سواریوں کی مینگنیوں کو توڑ کر دیکھا تو اس میں کھجور کی گٹھلیاں ملیں۔ اس نے کہا: خدا کی قسم یہ چارہ مدینہ کا ہے۔ اس نے سمجھ لیا کہ دونوں آدمی (حضرت) محمدؐ کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کا لشکر کہیں قریب ہی ہے۔ تب وہ قافلے میں لوٹا اور اسے راستے سے ہٹا کر ساحل کی طرف لے گیا۔ بدر کا مقام اس کے بائیں طرف چھوٹ گیا۔ اس طرح وہ بچ گیا۔

جب ابوسفیان نے دیکھا کہ قافلہ بچ گیا ہے تو اس نے اہل قریش کو پیغام بھیجا کہ تم قافلہ کی حفاظت کے لئے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بچا دیا ہے، اس لئے اب لوٹ جاؤ۔ ابوجہل نے کہا: خدا کی قسم ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک بدر نہ پہنچ جائیں اور وہاں تین روز رک کر اونٹ ذبح کر کے دعوتیں نہ اڑا لیں، شراب نہ پی لیں، لونڈیوں کے گانے نہ سن لیں اور سارے عرب ہمارے بارے میں جان نہ لیں تب وہ سب ہم سے ہمیشہ ڈریں گے۔

ابوجہل نے جو ظاہر کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ اس کا اندیشہ پہلے ہی سے محسوس فرما رہے تھے۔ ان علاقوں میں قریش کی طاقت وقوت کا اظہار اسلام کے لئے ایک المیہ ہی ہوتا جو اس کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا۔ مدینہ منورہ سے مسلح دستے شرک کی طاقت کمزور کرنے کے لئے ہی نکل رہے تھے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے قافلہ کے نکل جانے پر اتنی توجہ نہیں دی جتنی توجہ

Marfat.com

ان علاقوں میں مسلح گھومنے کی ضرورت پڑ دی، تاکہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی طاقت کا رعب جاگزیں ہو جائے۔

☆☆☆

اہل قریش ابو جہل کی رائے کے مطابق آگے بڑھتے رہے، یہاںتک کہ وادیٔ بدر کے ایک طرف پہنچ گئے۔ وادی کے دوسری طرف مسلمان بھی پہنچ چکے تھے۔ اس طرح دونوں فریق آمنے سامنے آگئے اور ایک خوفناک مڈبھیڑ کے آثار واضح ہو گئے۔

رات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرات علیؓ وزبیرؓ وسعدؓ کو معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ انہیں قریش کے دو غلام ملے جو انہیں پانی سپلائی کر رہے تھے انہیں پکڑ کر لائے اور پوچھ گچھ شروع کی۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔۔۔ انہوں نے بتایا کہ ہم اہل قریش کو پانی پلاتے ہیں اور انہوں نے اسی کام کے لئے ہمیں بھیجا تھا جب مار پیٹ کی تو دونوں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں اسی دوران رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کر کے سلام پھیرا اور فرمایا کہ جب انہوں نے سچ بولا تھا تب تو تم لوگوں نے مارا اور جب جھوٹ بولا تو چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم قریش (کے لشکر) کے لوگ ہیں۔ پھر آپؐ نے ان سے قریش والوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کتنے لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے۔ آپ نے دریافت فرمایا: روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کسی روز نو، کسی روز دس۔ آپؐ نے فرمایا: ان لوگوں کی تعداد ۹ سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا: ان میں قریش کے سرکردہ لوگ کون کون سے ہیں۔ انہوں نے بتایا عتبہ، شیبہ (ربیعہ کے بیٹے) ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، عمرو بن ہشام (ابو جہل) اور امیہ بن خلف وغیرہ، تب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی طرف رخ فرمایا اور کہا کہ مکہ نے تمہارے سامنے اپنے جگر گوشوں کو بھیج دیا ہے۔

اب معاملہ کی سنگینی واضح ہو چکی تھی کہ متوقع مڈبھیڑ شدید ہوگی۔ اہل قریش اپنے غرور وتکبر میں چور ہیں اور ایسا کارنامہ انجام دینا چاہتے ہیں، جس کے بارے میں بعد میں اشعار کہے جائیں، چاروں طرف اس کے قصے بیان کئے جائیں اور اسلام کے

Marfat.com

ساتھ پندرہ برس کی کشمکش کا خاتمہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اردگرد دیکھا تو کچھ مہاجرین تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال وقف کر رکھا تھا اور کچھ انصار تھے جنہوں نے اس دین کے ساتھ اپنے حال و مستقبل کو وابستہ کر کے اس کے ماننے والوں کو پناہ دی تھی اور جانثاری کے لئے تیار تھے۔ تب آپؐ نے چاہا کہ لوگوں کو حقیقی صورتحال بتا دیں تاکہ وہ اسی کی روشنی میں فیصلہ کرسکیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

کبھی آدمی اپنی راہ چل رہا ہوتا ہے اور اچانک اسے حادثات پیش آجاتے ہیں جن سے نمٹنے کے لئے اسے اپنی صلاحیتوں اور تجربات سے پوری ہوشیاری کے ساتھ اور دلجمعی کے ساتھ کام لینا پڑتا ہے۔ پہلے تیاری کے ساتھ متوقع آزمائشوں کا سامنا کرنے کے مقابلے میں اسی طرح کی آزمائشیں لوگوں کیلئے زیادہ فیصلہ کن اور ان کی قدر و قیمت متعین کرنے والی ہوتی ہیں۔

مسلمان ایک معمولی مہم (تجارتی قافلہ کو روکنے) کے لئے نکلے تھے لیکن اچانک انہوں نے اپنے آپ کو ایک سنگین آزمائش کے سامنے پایا۔ تب وہ جلدی جلدی اس کی ذمے داریوں اور نتائج پر غور کرنے لگے۔ ان کے ٹھوس ایمان نے انہیں اس آزمائش کا سامنا کرنے پر آمادہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور اچھی بات کہی پھر حضرت عمرؓ اٹھے اور اچھی بات کہی۔ پھر حضرت مقدادؓ بن اسود اٹھے اور کہا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو بھی ہدایت دی ہے اس کے مطابق اقدام فرمایئے۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ''جاؤ تم اور تمہارا رب جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے'' ہم تو یہ کہتے ہیں کہ چلئے آپ اور آپؐ کے رب جنگ کیجئے ہم آپؐ کے ساتھ جنگ کریں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر آپؐ ہم کو دنیا کے آخری سرے تک بھی لے جائیں گے تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے یہاں تک کہ آپؐ وہاں پہنچ جائیں۔

آپؐ نے ان کے لئے کلمۂ خیر کہا اور دعا دی۔

آپؐ نے لوگوں سے پھر فرمایا کہ مجھے مشورہ دو۔ آپ کا اشارہ انصار کی طرف

Marfat.com

تھا کیونکہ وہی لوگ زیادہ تھے اور انہوں نے عقبہ میں بیعت کرتے وقت کہا تھا کہ یا رسولؐ اللہ! ہماری ذمے داری اس وقت شروع ہو گی جب آپ ہمارے یہاں پہنچ جائیں۔تب ہم اسی طرح آپ کی حفاظت کریں گے جیسے اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں انصار کو یہ خیال نہ ہو کہ صرف مدینہ منورہ پر چڑھ کر آپؐ پر حملہ کرنے والوں کے مقابلے ہی میں ان پر آپ کی مدد کی ذمے داری ہے۔جب آپؐ نے پھر مشورہ طلب کیا تو حضرت سعدؓ بن معاذ اٹھے اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! شاید آپ کی مراد ہم سے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔انہوں نے عرض کیا ہم آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کی اور یہ گواہی دی کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے آپؐ سے اطاعت وفرمانبرداری پر ہم نے عہد و پیمان کیا ہے تو آپؐ، یا رسولؐ اللہ! جو چاہیں کریں۔ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر آپؐ سمندر میں بھی کود یں گے تو ہم آپؐ کے ساتھ ہی کود پڑیں گے ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ہم اسے ناپسند نہیں کرتے کہ کل آپ ہمیں لے کر دشمن کا سامنا کریں۔ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے اور مڈبھیڑ میں سچے ثابت ہونے والے ہیں۔شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ عمل دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔تو اللہ کی برکت کے ساتھ آگے بڑھئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے: شاید آپ کسی اور چیز کے لئے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسرا معاملہ درپیش کر دیا۔دیکھئے اللہ نے جو کچھ درپیش فرمادیا ہے، اس کا سامنا کیجئے۔جس سے چاہئے تعلق جوڑئے۔جس سے چاہئے کاٹئے، جس سے چاہئے دشمنی کیجئے، جس سے چاہئے دوستی، ہمارے مال میں جو چاہئے لے لیجئے او جو چاہئے ہمیں دے دیجئے اور جو کچھ آپ ہم سے لے لیں گے وہ ہمیں اس سے زیادہ پسند ہو گا جو چھوڑ دیں گے۔

حضرت سعدؓ کی بات سن کر آپؐ خوش اور پر جوش ہو گئے اور فرمایا: آگے بڑھو اور تمہیں خوش خبری ہو، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے اور خدا کی قسم گویا میں لوگوں (دشمنوں) کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں (ابن ہشام)

مسلمانوں نے معرکہ میں کودنے کی تیاری کر لی اور بدر کے نشیبی حصہ میں پڑاؤ

Marfat.com

ڈال دیا۔ حضرت حبابؓ بن منذر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا اس جگہ پڑاؤ کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہٹ سکتے ۔ یا یہ محض جنگی تدبیر ورائے ہے ۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں یہ صرف جنگی تدبیر ورائے ہے انہوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! یہ مناسب جگہ نہیں، لوگوں کے ساتھ چلئے ہم دشمنوں کے پانی سے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈال لیں اور وہاں حوض بنا کر پانی جمع کرلیں اور دشمنوں کی دسترس سے پانی دور کردیں۔ اس صورت میں ہم جنگ کریں گے تو ہمارے پاس پانی ہوگا اور دشمن پانی سے محروم ہوں گے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے صحیح رائے دی۔ پھر آپؐ نے اسی کے مطابق عمل کا حکم دیا۔ آدھی رات تک لوگ حضرت جبابؓ کی رائے کے مطابق پانی کی جگہوں پر قبضہ کر چکے تھے۔

یہ رات مسلمانوں نے دلجمعی کے ساتھ گذاری۔ ان کے دل اعتماد سے بھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ آرام سے سوئے، ہلکی سی بارش بھی ہوگئی، جس سے فضا خوشگوار ہو گئی اور نیچے کی ریت بھی پانی پا کر جم گئی اور اس پر چلنا پھرنا آسان ہوگیا۔

قرآن کہتا ہے:

اذ يغشيكم النعاس امنة منه وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به ويذهب عنكم رجز الشيطن وليربط على قلوبكم ويثبت به الاقدام (الانفال: ۱۱)

اور وہ وقت جب کہ اللہ نے اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر دی تھی اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسارہا تھا تاکہ تمہیں پاک کردے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کرے اور تمہارے ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جمادے۔

رسول اللہ ﷺ گھوم پھر کر لوگوں کی خبر گیری فرما رہے تھے، صفیں منظم کر رہے تھے، ہدایتیں دے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کی یاد دلا رہے تھے ۔ پھر آپؐ ایک سائبان میں لوٹ آئے جو آپؐ کے لئے تیار کیا گیا تھا اور وہاں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا میں مشغول ہوگئے ۔ آپؐ نہایت گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب فرما رہے تھے۔ بارالہا! اگر یہ گروہ ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد روئے ارض پر تیری عبادت نہیں ہوگی ۔۔ ''اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا کر اور مدد نازل فرما'' آپؐ نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا رکھے تھے یہانتک کہ آپؐ کی چادر کندھے سے گر گئی حضرت

Marfat.com

ابو بکرؓ جو پاس ہی کھڑے تھے چادر تھام کر پھر اوڑھا دیتے تھے انہوں نے گریہ کی کثرت دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! بس کیجئے، اللہ تعالیٰ عنقریب آپؐ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا (مسلم)

دونوں لشکر آگے بڑھے۔ حملہ مشرکین نے شروع کیا۔ سب سے پہلے اسود بن اسود نے اس حوض پر حملہ شروع کیا جو مسلمانوں نے بنایا تھا اور کہا: میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ یا تو اس حوض سے پانی پیوں گا یا اسے ڈھا دوں گا، یا پھر اس کے لئے جان دے دوں گا۔ حضرت حمزہؓ آگے بڑھے اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی آدھی پنڈلی کٹ کر دور جا گری۔ پھر بھی وہ حوض کی طرف آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہا حضرت حمزہؓ اس کا پیچھا کرتے رہے یہانتک کہ اسے قتل کر دیا۔ پھر مشرکین میں سے عتبہ وشیبہ (ربیعہ کے بیٹے) اور ولید بن عتبہ آگے بڑھے۔ ان سے مقابلے کے لئے انصار کے چند نوجوان بڑھے۔ تب مشرکین چلائے کہ ہماری قوم کے ہمسر بھیجو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصاری نوجوانوں کو واپس بلا لیا تھا کیونکہ آپؐ چاہتے تھے کہ خود آپؐ کے گھرانے والے ہی پہلے دشمن کا سامنا کریں۔ آپؐ نے فرمایا: عبیدہؓ بن حارث، حمزہؓ اور علیؓ تم لوگ جاؤ۔ حضرت عبیدہؓ عتبہ کے مقابلہ پر گئے حضرت حمزہؓ شیبہ کے اور حضرت علیؓ ولید کے۔ حضرت حمزہؓ نے لمحوں میں شیبہ کو قتل کر ڈالا، یہی حضرت علیؓ نے ولید کے ساتھ کیا البتہ حضرت عبیدہؓ اور عتبہ دونوں نے ایک دوسرے کو زخمی کیا تب حضرت حمزہؓ وحضرت علیؓ اپنی تلواریں لے کر ادھر متوجہ ہوئے اور عتبہ کو قتل کر ڈالا اور زخمی حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے، انہوں نے اپنا گال آپؐ کے پیر پر رکھ دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! آج اگر ابو طالب نے مجھے دیکھا ہوتا تو جان لیتے کہ میں ان کے اس قول کا زیادہ حقدار ہوں:

ونسلمه حتى نصرع دونه ۔ ونذهل عن ابنائنا والحلائل

چھین لے ہم سے محمد کو یہ کس میں حوصلہ
ہو نہ جائیں جب تلک اہل وعیال ان پر نثار

اور یہ کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

جنگ کے اس برے آغاز نے کفار کو آگ بگولہ کر دیا چنانچہ انہوں نے

Marfat.com

مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر دی۔ پھر تو معرکہ کارزار بالکل گرم ہو گیا اور تلواروں کی جھنکار گونجنے لگی۔ مسلمانوں کا نعرہ اس دن احد احد تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی وہ مشرکین کے حملے پسپا کر دیں اور انہیں تیر چلا کر دور بھگاتے رہیں۔ تلواروں سے تبھی حملہ کریں، جب انہیں اس کی اجازت دی جائے۔

جب تک لڑائی کا دائرہ خوب پھیلا اور وہ انتہائی شدت تک پہنچنے لگی تب تک مسلمان اپنے دشمنوں کو بھاری نقصان پہنچا چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سائبان میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرما رہے تھے اور اپنے لوگوں کی بہادری و جوانمردی کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جھپکی آ گئی پھر آپؐ چونکے اور فرمایا: ابوبکر! خوشخبری ہو۔ اللہ کی مدد آ گئی، جبرئیلؑ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

جنگ کرنے والوں کے سروں پر گرد و غبار چھایا ہوا تھا اور وہ آگے پیچھے کاروائیاں کر رہے تھے۔ حق کے سپاہی اللہ تعالیٰ کی مدد کے لئے دادِ شجاعت دے رہے تھے اور باطل کے سپاہی فریب خوردگی میں مبتلا تقدیر پر غالب آنے کی سعی رائگاں کر رہے تھے۔ تب اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ فرشتے نازل ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں یقین و اعتماد کی روح پھونکیں اور انہیں ثابت قدمی اور اقدام پر ابھاریں۔

رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھ کر لوگوں تک پہنچے اور یہ کہہ کر انہیں جوش دلایا کہ ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے آج جو بھی ان (دشمنوں) سے جنگ کرے گا اور ثواب کی نیت سے ثابت قدم رہتے ہوئے اور پیچھے نہ ہٹ کر آگے بڑھ کر جان دے گا اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دے گا۔ آخرت کی امید دلانا ہی انبیائے کرام کا سرمایہ ہوتا ہے۔ عقیدوں پر ایمان لانے والوں اور حق کے جانثاروں کو آخرت کے علاوہ اور کہاں چین مل سکتا ہے؟

مسند احمد کی روایت ہے کہ مشرکین جب قریب آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''ایسی جنت کی طرف بڑھو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے: عمیرؓ بن حمام انصاری نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آسمانوں اور زمین جتنی وسیع؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ تب انہوں نے جوش و خروش کے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے تمنا ظاہر کی کہ وہ جنت والوں میں سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تم ان

Marfat.com

لوگوں میں سے ہو۔ انہوں نے اپنی تھیلی سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ پھر کہا: اگر میں یہ کھجوریں کھانے تک زندہ رہوں تو بڑی لمبی زندگی ہوگی، چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور لڑائی میں کود پڑے اور لڑتے رہے یہانتک کہ شہید ہو گئے۔

دنیاوی زندگی سے بے نیاز اس ایمان کی ضربوں کے آگے مشرکین کی صفیں کمزور پڑنے لگیں۔ آپؐ خود میدان میں آگئے اور لڑنے لگے، آپؐ کے ساتھ آپؐ کے ساتھی بھی ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر دشمنوں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے، یہانتک کہ قریش گھبرا گئے اور ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے کفر کے غرور کو مٹی میں ملتے ہوئے دیکھا اور نعرہ لگایا "(دشمنوں کے) چہرے بگڑ جائیں"

آخرکار اہل قریش شکست کھا گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذیوحی ربك الی الملئکة انی معکم فثبتوا الذین آمنوا سألقی فی قلوب الذی کفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم کل بنان ذلك بانهم شاقوا الله ورسوله ومن یشاقق اله ورسوله فان الله شدید العقاب ذٰلکم فذوقوه وان للکافرین عذاب النار (الانفال:۱۲۔۱٤)

اور وہ وقت جبکہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ "میں تمہارے ساتھ ہوں تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں بس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ" یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے اللہ اس کے لئے نہایت سخت گیر ہے یہ ہے تم لوگوں کی سزا اب اس کا مزا چکھو اور تمہیں معلوم ہو کہ حق کا انکار کرنے والوں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔

ابوجہل نے کوشش کی کہ وہ شکست کے سیلاب کو روک لے۔ وہ چیخ چیخ کر نعرے لگانے لگا۔ غرور کا پردہ اب بھی اس کی آنکھوں پر پڑا ہوا تھا: "لات و عزیٰ کی قسم ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے، جب تک انہیں پہاڑوں میں منتشر نہ کر دیں، انہیں اچھی طرح کاٹو"۔

سنگین حقائق کے سامنے فریب خوردگی کے یہ نعرے کیا کر سکتے تھے، لیکن ابوجہل تو آخری سانس تک بغض وعداوت کا نمونہ بنا رہا، اس کی نگاہ پر پڑا ہوا پردہ اس کے وجود کا لازمی حصہ تھا، اسی لئے وہ پورے غیظ وغضب کے ساتھ لڑنے لگا اور یہ رجز

Marfat.com

پڑھنے لگا کہ جنگ میرا کیا بگاڑ سکتی ہے اسی کے لئے تو میری ماں نے مجھے جنا تھا۔"

اس کے ارد گرد مشرکین کے جنگ باز جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ ابوالحکم (ابو جہل) تک کسی کو بھی نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ لیکن اس کے ارد گرد آدمیوں کی زبردست بھیڑ بھی مسلمانوں کے جوش وخروش کے سامنے آہستہ آہستہ ہلکی پڑنے لگی اور فتح کے آثار کے درمیان ان کا نعرہ "احد، احد" فضا پر چھانے لگا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بیان کرتے ہیں کہ: میں بدر کے دن ایک صف میں تھا کہ اچانک میرے دائیں بائیں دو نوعمر نوجوان آ گئے۔ ایک نے اپنے ساتھی سے چھپاتے ہوئے مجھ سے کہا: چچا! مجھے ابوجہل کو دکھا دیجئے۔ میں نے کہا: بھتیجے تم اس کا کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے کہ اگر اسے دیکھ لوں گو تو یا تو اسے قتل کر ڈالوں گا یا اسی مقصد کے لئے خود جان دے دوں گا۔ دوسرے نوجوان نے بھی اپنے ساتھی سے چھپا کر مجھ سے وہی بات کہی۔ میں نے دونوں کو اشارہ کر کے اجوجہل کو دکھایا تو دونوں بازوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے اور مار ڈالا۔ یہ دونوں نوجوان عفراء کے بیٹے تھے اور ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے ابوجہل کو اس وقت چھوڑا جب وہ زندگی وموت کے درمیان آخری سانسیں لے رہا تھا۔

ابوجہل کے گرنے کے بعد مشرکین تتر بتر ہو گئے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود مقتولین کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ ابوجہل میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہے۔ وہ اسے ختم کرنے کے لئے اس کے سینے پر چڑھ گئے ابوجہل کو حرکت ہوئی اور اس نے پوچھا: جیت کس کی ہوئی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کی۔ پھر پوچھا اے دشمن خدا! کیا تمہیں خدا نے نامراد نہیں کر دیا! ابوجہل نے کہا: کیونکر؟ کیا اس شخص کو نامراد کہا جائے گا جس کی قوم نے اسے قتل کر ڈالا ہو؟ پھر حضرت ابن مسعود کو پہچان کر بولا: کیا تم مکہ میں ہمارے چرواہے نہیں تھے؟ حضرت ابن مسعود نے اسے تلوار سے مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

یہی انجام قریش کے ستر سر کردہ کافروں کا ہوا اور ستر ہی قیدی بنا لئے گئے باقی لوگوں نے راہ فرار اختیار کی تاکہ اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بتا سکیں کہ ظلم وسرکشی کا انجام رسوا کن اور ہولناک ہوتا ہے۔

Marfat.com

☆☆☆

مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔اس فیصلہ کن فتح نے ان کی عزت بحال کر دی، انہیں ظلم و جبر کے بھاری شکنجوں سے نجات دے دی اور ان میں زندگی اور امید کے آثار نمایاں ہو گئے۔

ولقد نصرکم الله ببدر وانتم اذلة فاتقوا الله لعلکم تشکرون (آل عمران:۱۲۳) جنگ بدر میں اللہ نے تمہاری مدد کی حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو امید ہے کہ اب تم شکر گذار بنو گے۔

مسلمانوں میں چودہ خوش نصیبوں نے جام شہادت نوش کیا اور علیین میں پہنچ گئے۔حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت حارثہ بن سراقہ بدر کے دن ایک بھٹکے ہوئے تیر کے لگنے سے جاں بحق ہو گئے تھے، وہ محض نظارہ کرنے والوں میں تھے۔ان کی ماں آئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے حارثہ کے بارے میں بتائیے، اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کرلوں گی ورنہ ایسا نوحہ کروں گی کہ اللہ تعالیٰ بھی دیکھے گا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے (بخاری)

اگر دیکھنے والے کو یہ جزا ملی، جسے بھولا بھٹکا تیر آ لگا تھا، تو جو لوگ خود موت کی دشوار گذار وادیوں میں کود رہے تھے ان کے مرتبہ و مقام کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔؟

اس معرکہ میں باپ اولاد کے ساتھ اور بھائی بھائی کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ان کے درمیان اصولوں کے اختلاف کا فیصلہ تلواروں نے کیا۔ہمارے دور میں بھی کمیونسٹوں نے اپنے نظریہ کے لئے خود اپنے ہموطنوں سے جنگیں کیں اور انسانی رشتوں کی پرواہ نہیں کی۔غزوۂ بدر میں بھی عقیدہ کی بنیاد پر مڈبھیڑ کے مناظر سامنے آئے، حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ان کا بیٹا عبدالرحمٰن ابوجہل کے ساتھ لڑ رہا تھا۔عتبہ بن ربیعہ مسلمانوں سے سب سے پہلے ٹکرانے والوں میں تھا اور اس کے لڑکے حضرت ابو حذیفہؓ آپؐ کے بہترین ساتھیوں میں تھے۔جب عتبہ کی لاش قلیب کے گڈھے میں ڈالنے کے لئے لائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو حذیفہؓ کی طرف دیکھا، ان کے چہرے کا رنگ غم و رنج سے بدل گیا تھا۔آپؐ نے دریافت فرمایا: حذیفہ! کیا تمہارے دل میں اپنے والد کے سلسلے میں کوئی بات محسوس ہو رہی ہے؟ انہوں نے

Marfat.com

عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ مجھے اپنے والد اور ان کے قتل کے بارے میں شک نہیں ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ عقل وحلم وفضل والے ہیں۔ مجھے امید تھی کہ یہ چیزیں اسلام تک ان کی راہنمائی کردیں گی لیکن جب میں نے کفر کی حالت میں انہیں اس انجام تک پہنچتے دیکھا تو مجھے رنج ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے کلمہ خیر کہا اور دعائے خیر فرمائی۔ آپؐ کی ہدایت پر مشرکین کی لاشیں قلیب کے گڈھے میں ڈال دی گئیں۔ یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: تم اپنے نبی کے بدترین خاندان والے تھے، تم نے مجھے جھٹلایا جب کہ لوگوں نے تصدیق کی، تم نے مجھے وطن سے نکالا جبکہ لوگوں نے مجھے پناہ دی اور تم نے مجھ سے جنگ کی جبکہ لوگوں نے میری مدد کی۔

جب لاشوں پر مٹی ڈال دی گئی تو لوگ یہ احساس لے کر لوٹ گئے کہ اب دنیا ودین کفر کے علمبرداروں کی شرانگیزیوں سے نجات پا گئے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ جدوجہد میں گذرے طویل ماضی کو یاد فرمایا کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے رہے۔ رات میں آپ قلیب پہنچے اور صحابہؓ نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: اے اہل قلیب! اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے امیہ بن خلف، اور اے ابوجہل بن ہشام! کیا تم نے اپنے پروردگار کے وعدے کو سچ پالیا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا۔

مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ان لوگوں کو مخاطب فرما رہے ہیں جو سڑی گلی لاشوں میں تبدیل ہو چکے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں جانتے۔

بدر کا واقعہ دوسرے ہجری سال کے ماہ رمضان کی سترہویں تاریخ کو پیش آیا آپ تین روز تک بدر میں ٹھہرے رہے، پھر مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹے۔ آپؐ نے چاہا کہ پہنچنے سے پہلے خوشخبری مدینہ میں مقیم مسلمانوں کو مل جائے چنانچہ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کو اس عظیم فتح کی خبریں لے کر پہلے ہی مدینہ بھیج دیا۔

حضرت اسامہؓ بن زید کہتے ہیں: ہمیں خبر اس وقت پہنچی جب ہم حضرت رقیہؓ

Marfat.com

بنت رسول اللہ کو دفن کر کے فارغ ہی ہوئے تھے۔ حضرت عثمانؓ بیماری میں ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ ہی میں رک گئے تھے۔ آپؐ نے بدر کے اجر اور مال غنیمت میں انہیں بھی شریک فرمایا۔

محاسبہ و عتاب

تاریخ نے مہاجرین و انصار کے درمیان بہترین خوشگوار تعلقات، ہمدردی تعاون اور اخوت و محبت کے جذبات ریکارڈ کئے ہیں لیکن اس نئے معاشرہ میں غربت و تنگدستی نے بہت سے مسائل بھی پیدا کر رکھے تھے، جو عام طور پر محبت و قربانی کے جذبات کے نیچے دبے رہتے تھے لیکن کبھی کبھی ظاہر بھی ہو جاتے تھے۔ گھات لگائے ہوئے دشمنوں کے درمیان ایک نئی مملکت کی تشکیل بہت سے بحرانوں سے گذرتی ہے، جنہیں جھیلنا پڑتا ہے اور اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں سے ہمت اور عزم کمزور نہ پڑیں۔

معرکہ بدر سے پہلے اور اس کے بعد چند باتیں ایسی پیش آئیں جن پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سرزنش فرمائی کہ عوامل و محرکات چاہے جتنے زبردست ہوں انہیں اس طرح کی چیزوں سے بالاتر رہنا چاہئے۔

مسلمان جب مشرکین مکہ کا سامنا کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے تھے تو ان کے دل و دماغ میں قریش کے تجارتی قافلہ اور اس کے ساز و سامان سے وابستہ امیدیں تھیں۔

یہ صحیح ہے کہ انہیں ان کے گھروں سے در بدر کیا گیا تھا اور مال و دولت چھین لئے گئے تھے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جانی قربانیاں بھی دی تھیں لیکن انہیں آخری مرحلہ تک جانثاری و قربانی کی راہ پر گامزن رہنا چاہئے، غربت اور تنگدستی چاہے جتنا تنگ کریں ان کی نگاہ میں منکرین خدا کو پسپا کرنا مال غنیمت سے زیادہ قابل ترجیح رہنا چاہئے:

واذ یعدکم الله احدیٰ الطائفتین انها لکم وتودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم ویرید الله ان یحق الحق بکلمته ویقطع دابر الکافرین (الانفال:۷)	یاد کرو وہ موقع جبکہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

Marfat.com

دوسری بات یہ ہوئی کہ فتح کے بعد کچھ لوگ مال غنیمت کی طرف لپکنے اور اسے اپنے لئے جمع کرنے میں لگ گئے۔ مسند احمد میں حضرت عبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ میں نے آپؐ کے ساتھ معرکۂ بدر میں شرکت کی، لوگوں میں مڈبھیڑ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی۔ ایک گروہ دشمنوں کا پیچھا کرنے چلا گیا جبکہ دوسرا گروہ مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گیا ایک تیسرے گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے اردگرد گھیرا بنا رکھا تھا کہ کہیں دشمن کو وہاں پہنچنے کا موقع نہ مل جائے جب رات ہوگئی اور سب لوگ اکٹھا ہو گئے تو جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا کہا، ہم نے اسے جمع کیا ہے اور کسی اور کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ جو لوگ دشمن کا پیچھا کرنے گئے تھے، انہوں نے کہا: تم ہم سے زیادہ اس کے حقدار نہیں ہو، ہمی نے تو دشمن کو بھگایا اور اسے شکست دی ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو حلقہ میں لئے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ہمیں دشمنوں سے اندیشہ تھا اس لئے ہم آپؐ کی حفاظت میں مشغول رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

يسئلونك عن الانفال قل الانفال لله والرسول فاتقوا الله واصلحوا ذات بينكم واطيعو الله ورسوله ان كنتم مومنين (الانفال:۱)	تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں کہو "یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول کے ہیں بس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔

مہاجرین وانصار جس تنگدستی سے دوچار تھے اس کے پس منظر میں یہ کھچاؤ افسوسناک تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھیوں کی پریشان حالی دیکھ کر تکلیف ہوئی اور آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے ان کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت عبدؓاللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے دن اپنے تین سو پندرہ (۳۱۵) ساتھیوں کے ساتھ نکلے تھے اور وہاں پہنچ کر یہ دعا فرمائی تھی:

"بار الہا! یہ بھوکے ہیں، انہیں سیری عطا فرما، یہ لباس سے محروم ہیں، انہیں لباس عطا فرما اور یہ بے سواری ہیں، انہیں سواریاں عطا فرما۔" اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور جب وہ لوٹے تو ہر ایک کے پاس ایک بوجھ یا دو بوجھ سامان تھا۔

روئی کپڑے کی قلت جب لمبے عرصہ تک دراز ہو جاتی ہے تو نفسیات پر برے

Marfat.com

اثرات چھوڑتی ہے اور خیالات تنگ ہو جاتے ہیں ۔لیکن اس طرح کے بحران عام لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بڑے دلوں والے اہل ایمان کو ان اثرات سے بالاتر ہونا چاہئے اور ،فقر وفاقہ کے احساسات کو چھپا کر کسی چیز کے لئے کشمکش نہیں کرنی چاہئے اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے سرزنش فرمائی ہے ۔کیونکہ خاص لوگ تو دوسروں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اور اگر وقتی پریشانیوں سے ان کے کردار پر بھی اثر پڑ جائے تو عام لوگ تو کہیں زیادہ تیزی سے انارکی کا شکار ہو جائیں گے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ پہلی جنگ عظیم میں جرمن اور دوسری جنگ عظیم میں انگریز غذائی بحران کے سخت گھیرے میں پھنس گئے تھے یہانتک کہ ان کے جسم دبلے اور چہرے پیلے پڑ گئے لیکن ثابت قدم اور برداشت کرنے والے رہنماؤں کی رہنمائی میں عوام نے بھی فاقہ کشیوں کو حوصلے کے ساتھ جھیلا۔

قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے موقف پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی شدید سرزنش فرمائی ۔ان کی دولت سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں زندہ چھوڑ دینے کی خواہش ان کے سابقہ گناہوں کا اس طرح بدلہ لینے کی ضرورت پر غالب آ گئی تھی کہ وہ دوسرے لوگوں کے لئے عبرت کا ذریعہ بن جاتا۔

مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ وعلیؓ سے مشورہ فرمایا: حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ اپنے ہی خاندان کے لوگ اور چچا اور بھائی ہیں، میری رائے ہے کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ہم فدیہ کی جو رقم لیں گے وہ مشرکین کے مقابلے میں ہماری طاقت کا ذریعہ بنے گی اور ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے تو وہ ہمارے دست و بازو بن جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے رائے طلب کی تو انہوں نے عرض کیا: خدا کی قسم میری رائے وہ نہیں جو ابو بکرؓ کی ہے ۔میرے خیال میں آپ مجھے فلاں شخص (حضرت عمرؓ کے رشتے دار) پر قابو دے دیں تو میں اس کی گردن مار دوں اسی طرح علی کے حوالے عقیل (ان کے بھائی) کو کر دیں تو وہ اس کی گردن مار دیں اور حمزہؓ کے حوالے فلاں (ان کے بھائی) کو کر دیں تو وہ اس کی گردن مار دیں تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لئے کوئی نرمی نہیں، اور یہ سب ان (مشرکین) کے

Marfat.com

سربرآوردہ اور رہنما لوگ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا رجحان حضرت ابوبکرؓ کی رائے کی طرف تھا، چنانچہ آپؐ نے فدیہ قبول کرلیا۔ حضرت عمرؓ کے بیان کے مطابق دوسرے دن جب وہ آپؐ کے پاس گئے تو آپ کو اور حضرت ابوبکرؓ کو روتے پایا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مجھے بھی بتایئے کہ آپ لوگ کس وجہ سے رورہے ہیں۔ اگر مجھے بھی رونا آگیا تو رووں گا ورنہ آپ کا ساتھ دینے کے لئے آنسو گرانے کی کوشش کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (مشرکین سے) فدیہ لینے نے عذاب (ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس درخت سے بھی زیادہ قریب کردیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

ماكان لنبي ان يكون له اسرىٰ حتى يثخن في الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة والله عزيز حكيم .لولا كتٰب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم (الانفال:٦٧-٦٨)	کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ اسے زمین میں غلبہ حاصل ہو جائے تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جاچکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

قیدی ہوجانے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ قیدیوں نے اپنے آزادی کے دور میں جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا ان کو عام معافی دے دی گئی۔ یہ سرکش مکہ کے بڑے لوگوں میں تھے اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیتیں پہنچانے میں ان کا ماضی نہایت بدنما تھا۔ غرور وتکبر کے نشے میں چور ہوکر وہ مکہ کے عوام کو بھی جنگ میں ڈھکیل لائے تھے، جبکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔ جب ان پر قابو حاصل ہوگیا تھا تو انہیں کیسے چھوڑ دیا جاتا؟

کیا اس لئے کہ وہ دولتمند تھے اور فدیہ کی رقم دے سکتے تھے؟ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں یہ مشرکین جو زیادتیاں کرچکے تھے، مسلمانوں کے لئے انہیں فراموش کرکے حقیر فائدوں کی طرف دیکھنا مناسب نہیں تھا۔ یہ آج کی اصطلاح کے مطابق جنگی قیدی نہیں، جنگی مجرم تھے۔ قران کریم ان کی اپنی قوم سے غداری کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

Marfat.com

الم تر الی الذین بدلوا نعمت الله کفرا واحلوا قومهم دارالبوار جهنم یصلونها وبئس القرار (ابراهیم ۲۸.۲۹)

تم نے دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت پائی اور اسے کفران نعمت سے بدل ڈالا اور (اپنے ساتھ) اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا یعنی جہنم میں جس میں وہ جھلسے جائیں گے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔

اسلام نے قیدیوں کی دیکھ بھال اور انہیں کھلانے پلانے کی ہدایات دے رکھی ہیں اور ان سے رحم دلی کے ساتھ سلوک کرنے کی تلقین کی ہے۔ لیکن یہ عام قیدیوں کے بارے میں ہے۔ جو لوگ جنگوں کے شعلے بھڑکانے والے اور اپنی ذاتی امنگوں کے لئے ان کی تجارت کرنے والے ہوں انہیں بے دست و پا کر دینا ضروری ہے۔

زندگی جس طرح نیک اور اچھے لوگوں کی بدولت آگے بڑھتی ہے، اسی طرح خبیث عناصر کی بدولت پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوتی ہے۔ درخت کی نشو ونما کے لئے اس کی تراش خراش کی جاتی ہے۔ اسی طرح زندگی کی نشو ونما کے لئے اسے سرکشوں سے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سبق دینے کے بعد مال غنیمت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت مرحمت فرمادی:

فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا واتقوا الله ان الله غفور رحیم (الانفال:۶۹)

پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ درگذر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

معرکۂ بدر کے بعد

بدر کے میدان میں مسلمانوں کو جو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی اس نے تمام عرب کو دہشت زدہ کر دیا، بلکہ اہل مکہ کو پہلی بار اس کی خبر ملی تو انہیں یقین ہی نہیں آیا اور اسے مجذوب کی بڑ سمجھا۔ لیکن جب سچائی کھل کر سامنے آ گئی تو واقعہ کی ہولناکی کے پیش نظر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں۔

جس طرح اہل مکہ کو اپنی شکست کا وہم وگمان بھی نہیں تھا یہانتک کہ وہ ننگ وعار ان کے سامنے آ گیا، اسی طرح مدینہ کے مشرکین اور یہودیوں کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا یہانتک کہ ان میں سے بعض نے تو مسلمانوں پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ وہ اپنی فتح کا جھوٹا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ یہ بڑ وہ اس وقت تک ہانکتے رہے، جب تک قیدیوں کو

Marfat.com

شکنجوں میں کسے ہوئے نہیں دیکھ لیا۔ تب ان کے ہوش اڑ گئے۔

اسلام اور مسلمانوں کے اس غلبہ کے بعد مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں ان کا رعب طاری ہو گیا اور جزیرۃ العرب کے شمالی حصہ میں قافلوں کا راستہ ان کے زیر اثر آ گیا۔ اب کوئی بھی ان کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں گذر سکتا تھا، تب کافروں کے گروہوں نے ان کے بارے میں مختلف موقف اختیار کیے۔

اہل مکہ تو اپنے زخموں کے علاج اور اپنی طاقت کی بحالی نیز انتقام کی تیاری میں لگ گئے اور یہ اعلان کرنے لگے کہ انتقام کا دن قریب آ رہا ہے۔ شکست نے اسلام سے ان کی نفرت اور حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کے ساتھ عداوت میں اضافہ ہی کیا اور اسلام قبول کرنے والوں پر وہ مزید ستم ڈھانے لگے۔ مکہ میں جو کفر کا مرکز تھا اب جس کا دل اسلام کے لیے کھل جاتا تھا وہ اسے چھپائے رکھتا تھا ورنہ اسے لاچاری و ذلت برداشت کرنی پڑتی تھی۔

دوسری طرف مدینہ میں جہاں مسلمانوں کو اکثریت و غلبہ حاصل تھا اسلام دشمنی فریب دہی اور منافقت کے راستے اختیار کرنے لگی۔ مشرکین اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ظاہری طور پر اسلام لے آئے لیکن اندر سے ان کے دل کفر و کینہ کی آگ میں جل رہے تھے۔ ان کا سرخیل عبداللہ بن ابی تھا۔

حضرت اسامہؓ بن زید کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مشرکین اور اہل کتاب سے درگذر فرماتے تھے اور ان کی اذیت رسانیوں پر صبر کرتے تھے۔

ود کثیر من اهل الكتب لو يردونكم من بعد ايمانكم كفارا حسدا من عند انفسهم من بعد ما تبين لهم الحق فاعفوا واصفحوا حتى ياتى الله بامره (البقرة:۱۰۹)

اہل کتب میں سے بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کے بنا پر تمہارے لئے ان کی یہ خواہش ہے اس کے جواب میں تم عفو و درگذر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود ہی اپنا فیصلہ نافذ کر دے۔

پھر جب غزوۂ بدر واقع ہوا اور اس میں قریش کے متعدد سردار مارے گئے اور رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فتحیاب ہو کر مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر

Marfat.com

واپس ہوئے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مشرکین نے کہا کہ اب یہ معاملہ مستحکم ہو گیا ہے اور اسے ہٹانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

لیکن جہاں ایک گروہ یہ فریب کاری کر رہا تھا، وہیں یہودیوں کا ایک گروہ حضرت محمد ﷺ پر اپنے غصہ کا اظہار کر رہا تھا۔ بدر میں قریش کی شکست نے انہیں تکلیف پہنچائی تھی۔ بلکہ کعب بن اشرف نے تو قریش کے مقتولین کے مرثیے اور ایسی نظمیں لکھ کر بھیجی تھیں جن میں انتقام لینے پر ابھارا گیا تھا۔

اس موقف کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان خلیج اور بڑھ گئی۔ پھر یہودیوں نے کوشش کی کہ اسلام کو حاصل ہونے والی فتح کو معمولی جتائیں۔ یہ کوشش بعد کے پرتشدد واقعات کا پیش خیمہ بن گئی اور یہودیوں کو انفرادی واجتماعی اعتبار سے اس کی قیمت اپنے خون سے چکانی پڑی۔

مدینہ منورہ کے آس پاس اور قافلوں کے راستے پر مقیم بدوؤں کو کفر وایمان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، انہیں تو کسی بھی ذریعہ سے روزی کمانے کی فکر رہتی تھی چاہے وہ روزی لوٹ مار کر کے ہی حاصل ہو سکے۔ حاجیوں کے قافلوں تک لوٹنے والے یہ بدو صرف طاقت کی زبان سمجھتے تھے۔ پہلے وہ مدینہ سے اونٹنیاں ہانک کر لے جا چکے تھے۔ ان کے دلی جذبات جزیرہ کے مشرکین کے ساتھ تھے۔ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے وہ خوفزدہ ہو گئے تھے اور اکٹھا ہو کر مدینہ پر ہلہ بولنے کی فکر میں تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی آگے بڑھ کر ان کے گروہوں کو منتشر کر دیا۔

یہودیوں کے ساتھ کشمکش کا آغاز

یہ کبھی مسلمانوں کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آیا تھا کہ وہ یہودیوں کے ساتھ معاہدہ توڑیں گے یا انہیں مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس سے بھگائیں گے۔ ان سے تو مسلمان کو یہ توقع تھی کہ صنم پرستی کی مخالفت اور عقیدۂ توحید کی حمایت میں وہ ان کے مددگار ہوں گے اور حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کریں گے اور یہ کہ قدیم آسمانی کتابوں سے ان کا تعلق اور سابق انبیائے کرام کے واقعات سے ان کا مانوس ہونا ان پڑھ عربوں کو یہ

Marfat.com

یقین دلانے میں معاون بنے گا کہ آسمانی رسالتیں حق ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

خود قرآن کریم میں اس امید کی طرف اشارہ ملتا ہے:

ویقول الذین کفروا لست مرسلا قل کفیٰ باللہ شھیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب (الرعد:٤٣)

یہ منکرین کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو کہو "میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور پھر اس شخص کی گواہی جو آسمانی کتاب کا علم رکھتا ہے"

والذین آتینا ھم الکتب یفرحون بما انزل الیک ومن الاحزاب من ینکر بعضہ قل انما امرت ان اعبداللہ ولا اشرک بہ الیہ ادعوا والیہ مآب (الرعد:٣٦)

اے نبی جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ اس کتاب سے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے خوش ہیں اور مختلف گروہوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے تم صاف کہہ دو کہ "مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں لہذا میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

لیکن یہودیوں نے بالکل برعکس رویہ اپنایا۔ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ وہ اپنے دلوں میں تنگی محسوس کرنے لگے اور مسلمانوں کے خلاف مدد دینے لگے۔ اگر وہ صرف اتنا ہی کرتے کہ حضرت محمد ﷺ کو نہ مانتے، جیسے پہلے حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانا تھا اور یہ اعتقاد رکھتے کہ ان کی توریت کے علاوہ سب باطل ہے، پھر اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرتے رہتے اور خدا کے نبیوں کو ہدف ملامت نہ بناتے، تو مسلمان انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے کہ وہ چاہیں تو قیامت تک اپنے انکار پر قائم رہیں۔ ان سے حرب وضرب کی کوئی ضرورت نہیں۔

لیکن جب صورتحال یہ ہو جائے کہ مسلمان اپنی مملکت کی تشکیل میں دن ورات جدوجہد کر رہے ہوں اور یہودی اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرنے لگیں اور اگر شرک کے ساتھ اسلام کا ٹکراؤ ہو تو بنی اسرائیل اپنے جذبات اور زبانی پروپیگنڈے کے ساتھ حضرت محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف مہم میں شامل ہو جائیں، تو یہ چیز قابل برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔

Marfat.com

جب مسلمان معرکہ بدر میں فتح کی خوشی منارہے تھے، تب یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہنے میں شرم محسوس نہیں کی کہ "تمہیں اس سے دھوکا نہ ہو کہ تمہارا سامنا ایسے لوگوں سے ہوا جو جنگ سے نابلد تھے۔ اور تم نے موقع سے فائدہ اٹھالیا۔ خدا کی قسم اگر ہم نے تم سے جنگ کی تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس میدان کے مرد ہم ہیں۔"

قرآن کریم میں ان لوگوں کو برے انجام سے آگاہ کیا گیا۔:

قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جهنم وبئس المهاد قد کان لکم آیة فی فئتین التقتا فئة تقتل فی سبیل اله واخری کافرة یرونهم مثلیهم رای العین والله یؤید بنصره من یشاء ان فی ذلک لعبرة لا ولی الابصار (آل عمران:۱۲۔۱۳)

بس اے نبیؐ جن لوگوں نے تمہاری دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے ان سے کہہ دو کہ قریب ہے وہ وقت جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے تمہارے لئے ان دو گروہوں میں ایک نشان عبرت ہے جو (بدر میں) ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا دوسرا گروہ کافر تھا دیکھنے والے بچشم دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن گروہ سے دو چند ہے مگر (نتیجے نے ثابت کر دیا کہ) اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔

آخری آیت میں بدر کا واقعہ یاد دلا گیا ہے۔ یہودیوں کے جس گروہ نے سب سے پہلے اپنا کینہ ظاہر کیا اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا، وہ بنی قینقاع کے لوگ تھے، جو مدینہ کے اندر ہی رہتے تھے۔ مسلمانوں نے اپنے غصے کو قابو میں رکھا اور انتظار میں رہے کہ دیکھیں آگے کیا سامنے آتا ہے۔

پھر یہ واقعہ ہوا کہ ایک عرب عورت بنوقینقاع کے بازار میں اپنے زیور لے کر ایک سنار کے پاس گئی۔ وہاں چند یہودی اکٹھا ہو گئے اور اس کا چہرہ کھولنے پر اصرار کرنے لگے۔ اس نے انکار کیا۔ سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے کا ایک کنارہ اس کی پیٹھ سے باندھ دیا۔ عورت بے خبر تھی جب وہ اٹھی تو اس کا ستر کھل گیا اور یہودی ہنس پڑے۔ عورت چلائی تو ایک مسلمان سنار پر چڑھ دوڑا اور اسے مار ڈالا۔ یہودیوں نے مل کر اس مسلمان کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی اور مسلمانوں اور بنوقینقاع کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔

Marfat.com

یہ واقعہ دوسرے ہجری سال کے نصف شوال کا ہے۔

یہودی اپنے قلعہ میں بند ہو گئے۔رسول اللہ ﷺ نے ان کا حصار کر لیا جو پندرہ روز تک جاری رہا، یہاںتک کہ یہودی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی۔تب عبداللہ بن ابی (منافقوں کا سردار) آیا اور کہنے لگا: میرے حلیفوں (بنوقینقاع قبیلہ خزرج کے حلیف تھے) سے حسن سلوک کیجئے۔رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کیا، اس نے آپ کی زرہ کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔آپؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور چہرۂ مبارک پر غصہ کے آثار نظر آنے لگے آپؐ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو۔لیکن وہ مصر رہا اور کہنے لگا میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک آپؐ میرے حلیفوں کے بارے میں اچھا سلوک نہیں کرتے۔تین سو زرہ پوشوں اور چار سو بغیر زرہ والوں کو آپؐ ایک ہی دن میں کاٹیں گے؟ خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اس کے برے نتائج نکلیں گے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، انہیں تم کو بخش دیا، بشرطیکہ اب وہ مدینہ سے نکل جائیں اور اس کے آس پاس نہ رہیں۔

تب وہ یہودی شام کے علاقہ اذرعات کی طرف چلے گئے اور زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ اکثر نیست و نابود ہو گئے۔

کیا یہودیوں کے لئے یہ بہتر نہیں تھا کہ وہ پڑوس کے حقوق کی پاسداری کرتے معاہدوں کی قدر سمجھتے اور مدینہ میں امن و عزت سے بسے رہتے؟ انہوں نے جلد بازی سے برائی شروع کر دی۔قرآن کریم کہتا ہے:

فترى الذين فى قلوبهم مرض يسارعون فيهم يقولون نخشى ان تصيبنا دائرة فعسى الله ان ياتى بالفتح او امر من عنده فيصبحوا على ما اسروا فى انفسهم نادمين (المائدہ:۵۲)	تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی میں دوڑ دھوپ کرتے پھر رہے ہیں کہتے ہیں ''ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشے گا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنے اس نفاق پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، نادم ہوں گے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ یہودیت اور اسلام کے درمیان نزاع دینی نہیں سیاسی تھی اور

Marfat.com

اس شدید جھگڑے کا اصل محرک جزیرہ عرب کے اقتدار پر تنہا قبضہ تھا؟

انسانی جذبات واحساسات کو گہرائی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ہم دیکھ چکے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے مسلمان مجوسیت اور اور عیسائیت کے درمیان کشمکش کے وقت عیسائیت کے پرجوش حامی تھے اور فارس کے ہاتھوں رومیوں کی شکست سے غمزدہ تھے، جبکہ تب تک عیسائیت کے ساتھ اسلام کا کوئی ربط بھی قائم نہیں تھا، محض اس لئے کہ عیسائی بھی خدا کو ماننے والے تھے، اگرچہ ان کے عقیدۂ توحید میں بہت سی غلط چیزیں شامل ہوگئی تھیں تب بھی وہ بہر حال اہل کتاب تھے اور شرک کے مقابلے میں ان سے ہمدردی فطری تھی اسی طرح جب مشرکین مکہ مجوسیوں کی فتح سے خوش ہو رہے تھے تو صنم پرستی کے ساتھ ان کی ہمدردی بھی قابل فہم اور منطقی تھی۔

تب آخر یہودی جو بزعم خود توحید پرست تھے کیوں اسلام کی فتح پر ناراض ہو رہے تھے اور کیوں صنم پرستوں کو نئے دین پر غالب دیکھنے کے خواہاں تھے؟

سچی بات یہ ہے کہ یہودیوں کا تعلق دین کے حقیقی مفہوم سے منقطع ہو چکا تھا اپنے پاس موجود آسمانی ورثہ سے ان کے طرز سلوک کی کوئی مطابقت باقی نہیں رہ گئی تھی انہیں اس کی بالکل پرواہ نہیں تھی کہ کیا چیز عقیدۂ توحید یا توریت کے احکام سے قریب تر ہے۔ان کے نزدیک ایمان کی قدر و قیمت ہی کچھ نہیں رہ گئی تھی۔

واذا قيل لهم آمنوا بما انزل الله قالوا نومن بما انزل علينا ويكفرون بما وراءه وهو الحق مصدقا لما معهم قل فلم تقتلون انبياء الله من قبل ان كنتم مومنين ولقد جاءكم موسىٰ بالبينت ثم اتخذتم العجل من بعده وانتم ظالمون (البقرة:۹۱-۹۲)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم تو صرف اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے یہاں یعنی (نسل اسرائیل میں) اتری ہے، اس دائرے کے باہر جو کچھ آیا ہے اسے ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور اس تعلیم کی تصدیق وتائید کر رہا ہے جو ان کے یہاں پہلے سے موجود تھی اچھا ان سے کہو اگر تم اس تعلیم ہی پر ایمان رکھنے والے ہو جو تمہارے یہاں آئی تھی تو اس سے پہلے اللہ کے ان پیغمبروں کو (جو خود بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے) کیوں قتل کرتے رہے، تمہارے پاس موسیٰ کیسی کیسی روشن نشانیوں کے ساتھ آیا پھر بھی تم ایسے ظالم تھے کہ اس کے پیٹھ موڑتے ہی بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے۔

Marfat.com

ایسا لگتا ہے کہ عربوں کے درمیان یہودیوں کے جو گروہ رہ رہے تھے وہ کرایہ کے ٹٹو تھے۔ انہوں نے دین کو اپنی دوررس اقتصادی امنگوں کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ جب انہیں یہ گمان ہوا کہ ان کے مفادات خطرے میں ہیں تو ان کے دلوں میں پوشیدہ کفر وانکار ظاہر ہو گیا اور اسلام کے خلاف ان کے شدید کینہ وغضب نے انہیں کسی بھی معاہدہ کی پاسداری اور شریفانہ رویہ کے قابل نہیں رہنے دیا۔

تب اس کے سوا راستہ ہی کیا باقی رہ گیا تھا کہ انہیں مدینہ سے جلاوطن کر کے اس سرزمین کو ان کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ مسلمانوں نے ہر غدار کا پیچھا کیا اور اسے کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کی۔ ایسے ہی لوگوں میں کعب بن اشرف بھی تھا جس نے معرکہ بدر کے بعد مشرکین سے ہمدردی جتانے اور انہیں حضرت محمد ﷺ کے خلاف ابھارنے کے لئے مکہ مکرمہ کا سفر کیا تھا اور جب ابوسفیان نے اس سے سوال کیا کہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارا دین زیادہ پسندیدہ ہے یا محمد (ﷺ) کا؟ اور ہم دونوں میں تمہارے رب سے کون زیادہ قریب اور ہدایت یافتہ ہے کیونکہ ہم لوگوں کی بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں، تو کعب نے جواب دیا تھا کہ: تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ قرآن کہتا ہے:

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتٰب یومنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدیٰ من الذین آمنوا سبیلا (النساء:۵۱)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔

کعب مدینہ لوٹا تو اس کی دشمنی اور جرأت مزید بڑھ چکی تھی، یہانتک کہ اس نے بعض مسلمانوں عورتوں کو بدنام کرنے کے لئے اشعار کہنے شروع کئے۔ تب صبر کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی اور مسلمانوں نے اسے اس کے قلعہ سے کھینچ کر اس کے انجام تک پہنچایا۔

محمدؓ بن سلمہ اور ابو نائلہؓ نامی دو صحابی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اس یہودی کے پاس پہنچے اور اور خوش کرنے کے لئے کچھ باتیں کیں۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا یہ شخص (حضرت محمدؐ) ہم سے بار بار صدقہ طلب کرتے ہیں، جس سے ہم عاجز آ چکے ہیں

Marfat.com

میں آپ کے پاس کچھ قرض لینے آیا ہوں۔کعب نے کہا خدا کی قسم تم لوگ اکتا جاؤ گے۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا ہم نے ان کی پیروی کی ہے اور نہیں چاہتے کہ یہ دیکھنے سے پہلے ساتھ چھوڑ دیں کہ ان کا معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے۔فی الحال تو آپ ہمیں کچھ قرض دے دیجئے۔کعب نے کہا: ٹھیک ہے، کچھ رہن رکھ دو۔انہوں نے پوچھا: کیا چیز چاہئے؟ اس نے کہا اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔انہوں نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے، تم خوبصورت ترین عرب ہو۔اس نے کہا تب اپنے لڑکوں کو رہن رکھ دو۔انہوں نے کہا ہمارے لڑکوں کو بعد میں برا بھلا کہا جائے گا کہ انہیں تو تھوڑی سی کھجوروں کے لئے رہن رکھ دیا گیا تھا۔البتہ ہم ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔ابونائلہؓ نے بھی ایسا ہی کیا، کعب سے کہا کہ اس شخص کی آمد ہمارے لئے مصیبت بن گئی ہے، عرب ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور ہمارے خلاف متحد ہو گئے ہیں، انہوں نے ہمارا راستہ بند کر دیا ہے، یہاں تک کہ جان اور اہل وعیال سب خطرے میں پڑ گئے ہیں، ہم اور ہمارے گھر والے سب عاجز آچکے ہیں۔آخر میں کعب انہیں بھی اسلحہ رہن لے کر کچھ قرض دینے پر تیار ہو گیا۔

ان دونوں کا یہی ارادہ بھی تھا، جب کعب نے خود طلب کیا تھا تو ان کے پاس ہتھیار دیکھ کر بھڑک نہیں سکتا تھا۔

ایک چاندنی رات میں وہ لوگ کعب کے قلعہ تک گئے۔اس کی بیوی نے آواز سن کر کہا: مجھے ایسی آواز سنائی دے رہی ہے جس سے گویا خون ٹپک رہا ہے۔کعب نے کہا کہ اگر نوجوان کو نیزہ بازی کی دعوت دی جاتی ہے تو اسے قبول کرتا ہے۔چنانچہ وہ مکان سے اترا اس سے خوشبو پھوٹی پڑ رہی تھی۔لوگوں نے اسے باتوں میں لگا لیا۔ابو نائلہ نے گویا اس کی خوشبو سونگھنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ میں نے آج رات سے زیادہ معطر رات نہیں دیکھی، کعب یہ سن کر پھولا نہیں سمایا۔ابونائلہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ ڈالا اور جب چوٹیاں پکڑ لیں تو اپنے ساتھیوں سے کہا اب دشمن خدا سے نمٹ لو بس انہوں نے اسے تلواروں کی دھار پر رکھ لیا اور وہی ہتھیار جو اس نے عورتوں اور لڑکوں کے بدلے رہن کے لئے طلب کئے تھے، اس کے جسم میں گھس گئے۔

کعب اتنی زور سے چیخا کہ آس پاس کے سارے قلعوں میں روشنی ہونے لگی صبح ہوئی تو یہودیوں نے جان لیا کہ ان کے سرکش کا کیا انجام ہوا تب سانپ جلدی سے

Marfat.com

اپنے بلوں میں چھپ گئے اور ان کے دلوں پر رعب چھا گیا۔

جہاں نصیحت کارگر نہیں ہو سکی تھی وہاں ڈنڈے نے کام کر دکھایا۔ اب یہودی اپنی حد میں رہنے لگے اور مسلمانوں کو برا بھلا کہنے کی جرأت کھو بیٹھے۔ ایسا لگنے لگا کہ آج کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی مشرک سے ساز باز نہیں کریں گے۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ کو۔۔۔ کچھ دنوں کے لئے۔۔۔ مشرک بدوؤں سے نمٹنے کا موقع مل گیا۔

قریش کے ساتھ جھڑپیں

بدر کی فتح سے مسلمان کسی غلط فہمی وغرور میں مبتلا نہیں ہوئے۔ نہ انہوں نے اپنے دشمنوں اور ان کی تیاریوں کے بارے میں چوکسی چھوڑی۔ انہیں پورا یقین تھا کہ اہل مکہ اپنی شکست کے المیہ پر چین سے نہیں بیٹھیں گے اور انتقام لینے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

ابوسفیان نے اپنی قوم کے مرتبہ ومقام کے تحفظ اور اس کی طاقت ظاہر کرنے کے لئے سوچا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس کا اثر نمایاں ہو اور خطرات کم ہوں۔ چنانچہ اس نے اچانک مدینہ پر چھاپہ مارنے کا فیصلہ کیا، تا کہ جتنا ہو سکے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جا سکے اور قریش کی ساکھ بحال ہو۔

پھر ابوسفیان نے یہ منت بھی مان رکھی تھی کہ وہ اس وقت تک غسل جنابت نہیں کرے گا جب تک حضرت محمدؐ پر حملہ نہ کر لے۔ اسے اس قسم کی لاج بھی رکھنی تھی۔ چنانچہ وہ دو سو سواروں کے ساتھ نکلا، یہانتک کہ رات کی تاریکی میں مدینہ کے اطراف میں واقع قبیلہ بنونضیر کے ٹھکانوں تک پہنچا اور ایک یہودی سردار سلام بن مشکم کے یہاں اترا۔ وہاں اس نے مسلمانوں کے حالات کا پتہ لگایا اور دونوں نے اس پر تبادلۂ خیال کیا کہ مسلمانوں کو کیسے نقصان پہنچایا جائے۔

ابوسفیان کو یہ راستہ سوجھا کہ اس نے اپنے آدمیوں کے ساتھ مدینہ کے ایک کنارے واقع عریض کے مقام پر چھاپہ مارا، وہاں کے کھجور کے درختوں کو جلا ڈالا اور وہاں موجود ایک انصاری اور ان کے ایک کھیتی کے شریک حلیف کو قتل کر کے مکہ بھاگ گیا مسلمانوں کو جیسے ہی معلوم ہوا وہ ابوسفیان اور اس کے آدمیوں کے پیچھے دوڑے لیکن

Marfat.com

مشرکین بہت تیزی سے بھاگ رہے تھے اور جب ابوسفیان نے محسوس کیا کہ خطرہ قریب آگیا ہے تو اس نے زادِ سفر پھینک کر ہلکے ہوتے ہوئے اور تیزی سے بھاگ کر نجات حاصل کی۔ مسلمانوں کو راستے میں یہ سامان، جو زیادہ تر ستو تھا، ملا اسی لئے اس کا نام غزوۂ سویق (ستو) رکھا گیا۔

☆☆☆

قریش کو اس ناکام حملے سے کوئی ایسی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی جس سے ان کا سر بلند ہو سکتا۔ تب اس نے سوچا کہ مناسب موقع آنے تک مسلمانوں سے ٹکراؤ سے بچا جائے۔ لیکن ایسا کیسے ممکن تھا، اس کی تجارت کے لئے آمد و رفت کا راستہ ہی مدینہ ہو کر گذرتا تھا۔

صفوان بن امیہ نے قریش سے کہا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں نے ہماری تجارت ہی میں رکاوٹ ڈال دی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا جائے وہ ساحل تو چھوڑتے نہیں اور ساحل والے عام طور پر ان کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اب اگر ہم گھر بیٹھے رہیں تو اپنا سرمایہ کھا جائیں گے، کچھ باقی نہیں بچے گا، کیونکہ مکہ میں ہماری زندگی گرمیوں میں شام کے ساتھ اور سردیوں میں حبشہ کے ساتھ تجارت پر منحصر ہے۔ اسود بن عبدالمطلب نے کہا کہ ساحل کا راستہ چھوڑ دو، عراق والا راستہ اختیار کر لو۔ اس سفر کے سلسلے میں اس نے فرات بن حیان (قبیلہ بکر بن وائل) کا نام رہبر کی حیثیت سے پیش کیا۔

قریش کا قافلہ صفوان بن امیہ کی سربراہی میں نئے راستے پر نکلا، لیکن اس دوران نعیم بن مسعود کی بدولت اس قافلہ اور اس کے راستے کی خبر مدینہ پہنچ گئی۔ ہوا یوں کہ (شراب کی حرمت سے پہلے) وہ ایک محفل مے نوشی میں سلیطؓ بن نعمان سے ملے اور انہیں یہ راز بتا دیا۔ سلیطؓ نے جلد ہی یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دی۔ آپؐ نے قافلہ کو روکنے کے لئے سو سوار حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں بھیج دیئے۔ حضرت زیدؓ نے ''قردہ'' نام چشمے پر انہیں جا لیا، قافلے والے ڈر کر بھاگ گئے، صرف فرات بن حیان پکڑا گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ سارا ساز و سامان آگیا، جس میں کافی چاندی بھی تھی مدینہ پہنچ کر فرات بن حیان نے اسلام قبول کر

Marfat.com

لیا۔ اہل قریش اس نئی مصیبت سے بڑے غمگین ہوئے اور پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں سے انتقام لینے پر زور بڑھ گیا۔ یہ اور اس سے پہلے کے واقعات تیسرے ہجری سال میں معرکۂ احد کا پیش خیمہ بن گئے۔

☆☆☆

مدینہ منورہ میں ہجرت کے پہلے دونوں برسوں میں کچھ اور اہم واقعات بھی پیش آئے، جو قابل ذکر ہیں۔ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے شوہر خنیسؓ بن حذافہ سہمی کا انتقال ہوگیا، یہ ایک صالح شخص تھے اور غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ حضرت عمرؓ کو بیٹی کی دوبارہ شادی کی فکر ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ میں عثمانؓ بن عفان سے ملا اور کہا کہ اگر تم چاہو تو حفصہ سے تمہارا نکاح کردوں۔ انہوں نے کہا: میں غور کروں گا۔ چند روز کے بعد پھر ان سے ملاقات ہوئی اور دریافت کیا تو انہوں نے کہا: میں نے یہ شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ پھر میں ابوبکرؓ سے ملا اور ان سے یہی پیش کش کی، وہ چپ رہے، کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے ان کے رویہ پر عثمانؓ سے بھی زیادہ غصہ آیا۔ چند دنوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھے نکاح کا پیغام دیا اور میں نے حفصہؓ کی شادی آپؐ سے کردی۔ پھر ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ شاید تمہیں اس سے تکلیف پہنچی ہے کہ میں نے حفصہؓ کے سلسلے میں تمہاری پیش کش کا جواب نہیں دیا تھا؟۔ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا میں نے صرف اس وجہ سے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھے علم ہوگیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہؓ کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش نہیں کرسکتا تھا۔ آپؐ اگر شادی نہ کرتے تو میں ضرور کرلیتا۔ (بخاری)

حضرت ابوبکرؓ سے سسرالی رشتہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ سے ویسا ہی رشتہ قائم کرنے پھر حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے اور حضرت ام کلثومؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے (حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد) کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح ان چاروں حضرات سے تعلقات مزید مضبوط بنانا چاہتے تھے ان بحرانوں میں جو پچھلے برسوں میں گذرے تھے اور جن سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کامیابی کے ساتھ نکالا تھا اسلام کے ساتھ ان حضرات کی وفاداری اور جانثاری واضح ہو

Marfat.com

چکی تھی۔

ہجرت کے دوسرے سال ہی میں رمضان کے روزے اور صدقۂ فطر لازمی کئے گئے اور مختلف چیزوں کی زکوٰۃ کے نصاب مقرر کئے گئے۔ اسی سال بیت المقدس سے کعبہ شریف کی طرف قبلہ کا رخ پھیرنے کا اہم واقعہ بھی پیش آیا۔ جو یہودیوں کے غیظ وغضب اور شدید نفرت کا مزید ذریعہ بنا۔

پہلے یہودیوں کو امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کی پیروی کریں گے انہوں نے شروع میں آپؐ کے ساتھ معاہدہ بھی غالباً اسی امید پر کیا تھا کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو اپنی حمایت میں استعمال کریں گے۔ لیکن نئے قبلہ کے ساتھ اسلام نے امتیاز پیدا کرلیا تو ان کے دلوں میں مایوسی پیدا ہوگئی اور وہ اسلام کی بدخواہی میں پیش پیش رہنے لگے۔

قرآن تحویل قبلہ کے سلسلہ میں یہودیوں کی بحث کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

سیقول السفہاء من الناس ما ولّٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا قل للہ المشرق والمغرب یھدی من یشاء الی صراط مستقیم (البقرة:١٤٢)	نادان لوگ ضرور کہیں گے کہ انہیں کیا ہوا کہ پہلے یہ جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اس سے یکایک پھر گئے اے نبی ان سے کہو "مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔
وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجه الله (البقرة:١١٥)	مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں جس طرف بھی تم رخ کرو گے اسی طرف اللہ کا رخ ہے۔
لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللّٰہ والیوم الآخر (البقرة:١٧٧)	نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کرلیے یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے۔

اللہ تعالیٰ ہی تمام زمان ومکان کا مالک ہے۔ کسی امت کا رخ کسی خاص قبلہ کی طرف پھیرنے کا مطلب اسے اسی کے دائرے میں محدود رکھنا یا اس کی پروردگاری میں کوتاہی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی کعبہ شریف کی طرف واپسی اس اصل کی طرف واپسی تھی جو بابائے انبیاء حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کی تھی۔ پھر اس واپسی کا مطلب یہ بھی تھا کہ بعد میں گمراہ ہونے والی نسلوں خصوصاً بنی اسرائیل کے انحرافات سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔

Marfat.com

معرکۂ احد

معرکۂ بدر میں جو شکست فاش نصیب ہوئی تھی اس کو اہل قریش بھولے نہیں تھے۔ان کا کینہ اور غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا اور ابھی ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ قریش نے اپنی تیاری مکمل کر لی اور اپنے مشرک حلیفوں کو اکٹھا کر لیا۔اسلام اور مسلمانوں کا ہر بدخواہ ان کے ساتھ تھا۔

چنانچہ تین ہزار سے زیادہ افراد پر مشتمل ایک لشکر ابوسفیان کی قیادت میں چل پڑا۔اس کے ساتھ عورتیں بھی تھیں تا کہ مرد اپنی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے زیادہ جانثاری کے ساتھ لڑیں۔دلوں میں غیظ و نفرت کا طوفان موجیں مار رہا تھا۔

ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں حملہ آور لشکر مدینہ پہنچا اور احد پہاڑ کے پاس پڑاؤ ڈالا۔اور وہاں پھیلے ہوئے کھیتوں میں اپنے گھوڑے چرنے کے لئے چھوڑ دیئے۔مسلمان اس معاملہ پر غور و خوض کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھا ہوئے کہ آیا مدینہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے یا دشمنوں کو مدینہ کی گلیوں میں کھینچا جائے۔اور جب وہ وہاں پہنچ جائیں تو مرد ان سے راستوں میں لڑیں اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر سے پتھر وغیرہ پھینکیں۔

رسول اللہ ﷺ دوسری رائے کی طرف مائل تھے۔دور اندیش لوگ بھی اسی رائے کے حامی تھے۔عبداللہ بن ابی نے بھی اسی کی تائید کی۔لیکن ان لوگوں نے جنہیں بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا، باہر نکلنے کے لئے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ ہم تو اس دن کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے۔اب اس نے یہ موقع عنایت فرمایا ہے۔شہادت کے تمنائی حوصلہ مند نوجوان اس رائے میں پیش پیش تھے اور ایسا لگنے لگا کہ مسلمانوں کی اکثریت باہر نکل کر لڑنے کی حامی ہے۔تب رسول اللہ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں سے جنگ کے لئے تیار ہو کر زرہ پہنے ہوئے نکلے۔

لوگوں نے محسوس کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور کیا ہے، تب انہوں نے اپنی رائے واپس لینے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپؐ نے پراگندگی خیالات کو پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ "کوئی نبی جب زرہ پہن لے تو اسے اتارنا

Marfat.com

نہیں چاہئے یہاںتک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے (ابن ہشام)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے پہلے تمہیں یہی رائے دی تھی لیکن تم نے باہر نکلنے ہی کو پسند کیا اب خدا سے ڈرو اور مقابلہ آرائی کے وقت ثابت قدم رہو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا حکم دیا ہے وہی کرو (ابن کثیر)

پھر آپؐ ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلے اور اُحد کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ عبداللہ بن ابی تین سو افراد کے ساتھ یہ کہہ کر راستے ہی سے لوٹ گیا کہ "ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ہم کس لئے اپنی جانیں دے رہے ہیں" یہ دلیل بھی اختیار کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی رائے نہیں مانی، دوسروں کی رائے مان لی۔

حضرت عبداللہؓ بن حرام (حضرت جابرؓ کے والد) نے واپس جانے والوں کے پاس جا کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر انہیں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں اور اسلام اور اس کے پیغمبر پر یقین نہیں تب بھی حملہ آوروں کے خلاف مدینہ کا دفاع ان کی ڈیوٹی ہے۔ لیکن عبداللہ ابن ابی نے بات سننے سے انکار کیا۔ اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی:

ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا قالوا لونعلم قتالا لا تبعنٰکم ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان (آل عمران:۱۶۷)	وہ منافق کہ جب ان سے کہا گیا "آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) مدافعت ہی کرو تو کہنے لگے "اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے" یہ بات جب وہ کہہ رہے تھے اس وقت وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔

مسلمانوں نے احد میں اس طرح صف بندی کی کہ پہاڑ ان کی پشت پر تھا رسول اللہ ﷺ نے یہ حکمت عملی بنائی کہ پچاس تیر اندازوں کو عبداللہؓ بن جبیر کی کمان میں پہاڑ پر مختلف اہم مقامات پر تعینات کر دیا اور انہیں ہدایت دی کہ تیروں سے گھوڑوں کو روکنا کہ ہمیں پیچھے سے نہ آلیں۔ چاہے فتح ہو یا شکست تم اپنی جگہوں پر رہنا۔ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پائے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ہماری پشتوں کی حفاظت کرنا، اگر دیکھنا کہ ہم قتل کئے جا رہے ہیں تب بھی ہماری مدد کے لئے اپنی جگہوں سے نہ ہٹنا اور اگر دیکھنا کہ

Marfat.com

ہم مال غنیم اکٹھا کر رہے ہیں تب بھی شریک مت ہونا۔

آپ تیر اندازوں کو یہ ہدایت دے کر ادھر سے مطمئن ہو گئے اور آگے لشکر کی طرف مڑے کہ آپ کی اجازت کے بغیر جنگ شروع نہ کی جائے۔

آپ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے اور آزمودہ و پختہ کار لوگوں کو آگے کر رہے تھے مسلمانوں کی تعداد دشمن کی چوتھائی تھی اور اس فرق کی تلافی ایسے ہی لوگ کر سکتے تھے جنہیں انفرادی طور پر ہزاروں کے برابر سمجھا جاتا ہو۔

مسند احمد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ احد کے دن ایک تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا "کون اس تلوار کا حق ادا کرے گا" لوگ لپکے۔ حضرت ابو دجانہؓ نے عرض کیا میں اس کا حق ادا کروں گا۔ چنانچہ انہیں تلوار دے دی گئی اور انہوں نے اس سے دشمنوں کے سر اڑانے میں کسر نہیں چھوڑی۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ابو دجانہؓ بہادر شخص تھے۔ ان کے پاس ایک سرخ عمامہ تھا، جب اسے باندھ لیتے تھے تو جان لیا جاتا تھا کہ اب وہ موت تک لڑتے رہیں گے۔ جب انہوں نے آپ سے تلوار لے لی تو پر جوش اشعار پڑھنے لگے۔

اب دونوں فریق قریب پہنچ چکے تھے۔ جنگ شروع ہو گئی۔ سات سو مسلمان اتنی بہادری اور یقین سے لڑے کہ تین ہزار دشمنوں پر بھاری پڑ گئے۔ ایک صحابی حضرت حنظلہ بن ابو عامر کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، انہوں نے جب اپنے گھر سے جنگ کے نعرے سنے تو بیوی کے پاس سے اٹھ کر جلدی سے میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑے اور جنابت کی حالت ہی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

مجاہدین کی صفیں ایمان کی روح کے ساتھ مشرکین کی صفوں میں سیلاب کی طرح گھستی جا رہی تھیں اور کوئی رکاوٹ کام نہیں کر رہی تھی۔

طلحہ بن ابو طلحہ بدری قریش کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے، انہوں نے چیلنج کرتے ہوئے مبارز طلب کیا حضرت زبیرؓ بن عوام کود کر اس کے اونٹ پر پہنچ گئے اور اسے زمین پر گرا کر قتل کر ڈالا۔

ابو دجانہؓ اپنے سرخ عمامہ کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے، جو بھی مشرک سامنے آجاتا اسے مار ڈالتے۔ حضرت کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک مشرک کو دیکھا

Marfat.com

کہ وہ جنگ میں زخمی ہونے والے مسلمانوں پر حملے کرر ہا تھا۔ایک مسلمان اس کی گھات میں ہے۔میں اس کے پیچھے پہنچ گیا دیکھا تو مشرک زیادہ تیار اور طاقتور لگ رہا تھا، ابھی میں دیکھ ہی رہا تھا کہ دونوں میں ٹکراؤ شروع ہو گیا۔مسلمان نے اس کے کندھے پر اتنے زور سے تلوار ماری کہ وہ دو ٹکرے ہو گیا۔پھر اس نے اپنا چہرہ دکھایا اور کہا کعب (کیسا پایا) میں ابو دجانہ ہوں۔

حضرت حمزہؓ بپھرے ہوئے شیروں کی طرح لڑ رہے تھے۔جو بھی مشرک کا جھنڈا اٹھاتا، ان کی تلوار اسے چاٹ جاتی۔

جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کا بیان ہے کہ جبیر نے اس سے کہا کہ اگر تم محمد (ﷺ) کے چچا حمزہؓ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔چنانچہ لوگوں کے ساتھ میں بھی نکلا۔میں حبشی ہوں اور حبشیوں کی طرح نیزہ چلانے میں ماہر ہوں۔میرا نشانہ کم ہی خطا جاتا ہے۔جب لوگوں میں مڈبھیڑ شروع ہو گئی تو میں (حضرت) حمزہؓ کی تاک میں لگ گیا، مجھے وہ اس حال میں نظر آئے کہ ان کی تلوار لوگوں کو کاٹ کر پھینکے دے رہی تھی اور کوئی بھی ان کے سامنے ٹک نہیں پا رہا تھا، میں پیڑ یا پتھر کی آڑ میں چھپ چھپ کر انتظار کر رہا تھا کہ وہ کسی طرح میرے قریب آ جائیں، اتنے میں وہاں سباع بن عبدالعزی پہنچ گیا۔حضرت حمزہؓ نے اسے للکار کر بلایا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ جیسے اس کا سر اچک لیا ہو میں نے اپنے نیزے کو حرکت دی اور جب نشانہ کا اطمینان ہو گیا تو اسے پھینک دیا، وہ ان کے پیٹ میں جا کر لگا، جس سے ان کی آنتیں نکل پڑیں۔وہ میری طرف بڑھنے لگے لیکن پھر گر پڑے، میں نے انہیں وہیں چھوڑ دیا، یہانتک کہ ان کی روح پرواز کر گئی، تب میں وہاں گیا اور اپنا نیزہ لے کر پڑاؤ پر واپس آ گیا اور وہیں بیٹھ رہا کہ اب مجھے کوئی کام نہیں رہ گیا تھا، میں نے خود کو آزاد کرانے کیلئے یہ قتل کیا تھا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت سے مسلمانوں کو جو زبردست نقصان ہوا اس کے اور اپنی کم تعداد کے باوجود وہ صورتحال پر غالب تھے، اس جنگ میں مسلمانوں کا جھنڈا اعظیم داعی حضرت مصعبؓ بن عمیر اٹھائے ہوئے تھے۔جب وہ شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ نے اٹھا لیا۔مہاجرین و انصار برابر پیش قدمی کر رہے تھے۔آج کے دن ان کا نعرہ ''امت، امت'' تھا۔

Marfat.com

قریش کی عورتیں دف بجا بجا کر اور گانے گا گا کر اپنے مردوں کو جنگ کا جوش دلا رہی تھیں۔ اہل قریش نے مسلمانوں کا زور توڑنے کی انتہائی کوشش لیکن مسلمانوں کی ثابت قدمی اور اقدامات کے آگے ہمت ہارنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہونے لگی اور عبداللہ بن زبیرؓ کی اپنے والد سے روایت کے مطابق حضرت زبیرؓ نے ہند بنت عتبہ وغیرہ کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگتے دیکھا۔

☆☆☆

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چاروں طرف چماچم روشنی ہو رہی ہے، اچانک بجلی کا کرنٹ کٹ گیا اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ معرکۂ احد میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ تیراندازوں میں انسانی کمزوری کے ایک لمحے نے پانسہ ہی پلٹ دیا اور بے مثال شجاعت و قربانی نے جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ لمحوں میں ضائع ہو گیا۔

پہلے گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیراندازوں کو پہاڑی پوزیشنوں پر مقرر کر کے تاکید کی تھی کہ وہاں سے کسی صورت میں بھی نہ ہٹیں۔ لیکن مال غنیمت کی کشش نے انہیں تھوڑی دیر کے لئے غفلت میں مبتلا کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا قریش کو ہار ہو چکی اور مشرکین بھاگ رہے ہیں تو وہ بھی مال غنیمت لوٹنے کے لئے اپنی پوزیشن چھوڑ کر اتر آئے۔

خالدؓ بن ولید کی کمانڈ میں مشرکین کے شہ سواروں کا ایک دستہ اسی کی تاک میں تھا کہ کہاں سے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا جائے۔ جب خالد نے دیکھا کہ مسلمانوں کی پشت خالی ہو گئی ہے اور وہاں کوئی پہرہ دار باقی نہیں رہ گیا ہے تو انہوں نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں پر ہلہ بول دیا۔ بھاگنے والے قریشیوں نے صورتحال بدلتے دیکھی تو وہ بھی پلٹ پڑے۔ یہانتک کہ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نامی ایک عورت نے قریش کا جھنڈا، جو زمین میں پڑا ہوا تھا، اٹھا کر پھر بلند کر دیا۔ اب مسلمان آگے پیچھے دونوں طرف سے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پھنس چکے تھے۔

لیکن جوانمرد اتنی آسانی سے شکار نہیں ہوتے۔ جو کچھ ہو گیا تھا اس سے شروع میں دہشت زدہ ہونے کے بعد مسلمان پھر جوش وخروش سے لڑنے لگے، لیکن اب ان کا مقصد صرف بچنا رہ گیا تھا یہانتک کہ اس پیچیدہ صورتحال سے نکلنے کا کوئی راستہ ملے۔ اس

Marfat.com

کوشش میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور مشرکین رسول اللہ ﷺ کے قریب تک پہنچ گئے۔ ایک ملعون نے پتھر پھینکا جس سے آپ کی ناک ٹوٹ گئی، آگے کے دانت شہید ہو گئے اور چہرہ زخمی ہو گیا، جس سے خون جاری ہو گیا۔ یہ افواہ بھی مشہور ہو گئی کہ آپؐ (نعوذ باللہ) شہید ہو گئے۔ یہ سن کر مسلمان ادھر ادھر بکھر گئے یہاں تک کہ بعض مدینہ چلے گئے کچھ لوگ پہاڑی پر چڑھ گئے۔ صحابہ کو اس افرتفری میں معلوم نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

تب رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو پکارنا شروع کیا:

اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ۔ اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ۔ چنانچہ تقریباً تیس مسلمان آپؐ کے اردگرد اکٹھا ہو گئے۔ مشرکین نے یہ دیکھ کر حملہ کر دیا۔ طلحہؓ بن عبداللہ اور سہیلؓ بن حنیف آپؐ کے لئے سپر بن گئے۔ حضرت طلحہؓ کا تو ایک ہاتھ تیر سے زخمی ہو کر مفلوج ہو گیا اتنے میں ابی بن خلف جمحی آگے آیا اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر ڈالے گا۔ اسے یقین ہو گیا کہ موقع اچھا ہے۔ کہنے لگا: جھوٹے! کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اور تلوار سے آپؐ پر حملہ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انشاء اللہ اسے میں ہی قتل کروں گا، آپؐ نے اس کی زرہ میں نیزہ مارا جس کے زخم سے وہ بیل کی طرح ڈکارنے لگا، پھر بعد میں مر ہی گیا۔

آپؐ لوگوں کو اپنی طرف بلاتے رہے اور اپنے ساتھ موجود تھوڑے آدمیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں اور لوگ بھی جمع ہو گئے اور یہ دیکھ کر کہ آپؐ زندہ ہیں ان کے ہوش وحواس درست ہو گئے۔

ایسا لگتا ہے کہ آپؐ کی شہادت کی افواہ کافی پھیل گئی تھی۔ کیونکہ انسؓ بن نضر کچھ مسلمانوں کے پاس سے گذرے، جو ہمت ہار چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا: کیا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ انسؓ نے کہا: پھر آپؐ کے بعد جی کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور جس مقصد کے لئے آپؐ نے جان دی ہے، اسی کے لئے تم بھی جانیں دے دو۔ یہ کہہ کر وہ مشرکین پر ٹوٹ پڑے اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک جان باقی رہی۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش

Marfat.com

کی ۔ یہ گھڑی دنیا کی تاریخ کی چند انتہائی مشکل گھڑیوں میں سے تھی ۔ مشرکین کے شہ سوار اور تیر انداز اپنے مقصد کے حصول کے لئے پوری شدت سے حملے کر رہے تھے ۔ آپ کا دفاع کرتے ہوئے بہت سے مسلمانوں نے جانیں دے دیں ۔ حضرت طلحہؓ پوری شدت سے لڑتے رہے یہانتک کہ انہیں دور ہٹا دیا لیکن تقریباً بے ہوش ہو کر گر پڑے ۔ حضرت ابو دجانہؓ نے اپنی پیٹھ کو آپؐ کے لئے ڈھال بنالیا، ان پر تیر آ کر لگتے رہے لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلے نہیں ۔

مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اردگرد احد کے ایک موقع پر سات انصاری اور دو مہاجر رہ گئے تھے، جب مشرکین نے گھیرا بالکل تنگ کر دیا تو آپؐ نے فرمایا جنت کے بدلے انہیں کون پیچھے بھگائے گا ۔ ایک انصاری آگے بڑھے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، یہ سلسلہ برابر چلتا رہا یہانتک کہ سات آدمی شہید ہو گئے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے ساتھیوں نے (جو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے) ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا ۔ اس جانثاری نے اپنا اثر ڈالا ۔ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی مشرکین کی کوشش ڈھیلی پڑ گئی ۔ چاروں طرف سے آپؐ کے ساتھی وہاں اکٹھے ہونے لگے ۔ رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کو ہدایت دی کہ وہ اہل قریش کو پہاڑی کی چوٹی سے نیچے ڈھکیل دیں ۔

انہیں ہم سے اوپر نہیں رہنا چاہئے ۔ چنانچہ صحابہؓ نے پتھر مار مار کر چوٹی خالی کرالی ۔

☆☆☆

بری شکست کے نتائج کم سے کم کرنا بھی کم اہم کام نہیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل قریش کی مزاحمت کی پوری کوشش فرمائی تاکہ وہ کامیابی کو آسان نہ سمجھ لیں اور مسلمانوں کو مزید تکلیف پہنچانے کا حوصلہ نہ کریں ۔ آپؐ اپنے ترکش سے تیر نکال نکال کر حضرت سعدؓ بن وقاص کو دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے ۔ ''تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں'' (بخاری)

حضرت ابو طلحہؓ انصاری ایک ماہر تیر انداز تھے جن کا نشانہ بہت صحیح تھا، وہ آپؐ کی حفاظت میں لڑ رہے تھے، جب وہ کوئی تیر پھینکتے تو آپؐ سر اٹھا کر دیکھتے کہ تیر کہاں جا کر لگا ۔ ابو طلحہ اپنا سینہ اوپر کر لیتے اور کہتے: میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، آپ کو

Marfat.com

کوئی تیر نہ لگ جائے (بخاری) وہ یہ بھی عرض کرتے: یارسول اللہ! میں سخت جان ہوں جہاں ضرورت سمجھئے مجھے بھیجئے اور جو چاہئے مجھے حکم دیجئے۔ آخر کار آپؐ کے آس پاس اکٹھا ہونے والے تیر اندازوں نے ان مشرکین کا رخ پھیر دیا جو پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طرح ادھر ادھر بکھرے ہوئے مسلمانوں کو آپؐ کے پاس جمع ہونے کا موقع مل گیا۔ اب گویا ان کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور وہ اتنے غیظ وغضب میں تھے کہ یہ سوچے بغیر کہ کس سے لڑ رہے ہیں لڑنے لگے۔

اس واقعہ کے بعد جب مسلمان جمع ہوئے تو عجب پراگندگی کی حالت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سکون عطا کر دیا اور اس بھونچال کے بعد ان کی امید اور اعتماد پھر بحال ہو گئے۔ کتنے تو تھک کر اتنے چور ہو چکے تھے کہ نیند آنے لگتی تھی لیکن پھر چونک کر تلوار اٹھا لیتے تھے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ان پر ایک نعمت تھی۔

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا یغشی طائفة منکم (آل عمران:۱۵۴) اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے۔

اس سخت دن کی ہولناکیوں سے اہل قریش بھی کم پریشان نہیں ہوئے تھے۔ پہلے مرحلے میں شکست کے بعد جب پانسہ پلٹا تو انہیں امید ہوگئی کہ اب معرکہ فیصلہ کن ہو جائے گا۔ لیکن مسلمانوں کی سخت جانی نے ان کی امید پوری نہیں ہونے دی اور انہیں یقین ہو گیا کہ اس سے زیادہ انہیں کچھ حاصل نہیں ہو پائے گا، واپس چلے جانے ہی میں بہتری ہے۔

مسلمانوں نے پہلے یہ گمان کیا کہ اہل قریش واپس ہوتے ہوئے خود مدینہ پر حملہ کر بیٹھیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا ''ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کرتے ہیں، اگر وہ گھوڑوں کے بجائے اونٹوں کی سواری اختیار کرتے ہیں تو مکہ کا ارادہ ہوگا اور اگر گھوڑوں پر سوار رہتے ہیں اور اونٹوں کو ساتھ ہنکاتے ہیں تو مدینہ کا ارادہ ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ کا ارادہ کیا تو میں وہاں پہنچ کر انہیں چیلنج کروں گا۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان کا پیچھا کیا تو دیکھا کہ وہ گھوڑوں کے بجائے اونٹوں پر سوار ہو گئے ہیں اور مکہ کا رخ کر لیا ہے۔

Marfat.com

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ابوسفیان نے جب واپسی کا ارادہ کرلیا تو پہاڑ کے پاس آیا اور پوری طاقت سے چیخا۔ جنگ برابر سرابر کی چیز ہے، آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے، ہبل بلند ہو۔

آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ عمر! اٹھو، جواب دو کہ: اللہ زیادہ بلند و برتر ہے اور کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں۔

ابوسفیان نے کہا: عمرؓ! میرے پاس آؤ۔

آپؐ نے فرمایا: جاؤ دیکھو کیا بات ہے۔

ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کو پاس دیکھ کر کہا۔ عمرؓ! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا ہم نے محمدؐ کو قتل کردیا ہے؟

حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں۔ وہ تو اس وقت بھی تمہاری بات سن رہے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا کہ تم میرے نزدیک ابن قمیہ سے زیادہ سچے ہو، جس نے گمان کررکھا ہے کہ اس نے نبیؐ کو قتل کردیا ہے۔

پھر ابوسفیان پکارا: تمہارے مقتولین میں مثلہ (لاشوں کو مسخ کرنا) ہوا ہے، خدا کی قسم، نہ مجھے یہ بات پسند تھی، نہ ناپسند اور نہ میں نے حکم دیا تھا، نہ منع کیا تھا (حاکم)

ابوسفیان نے لوٹتے ہوئے کہا: اب ہمارا آمنا سامنا اگلے سال بدر میں ہوگا

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا کہ کہو: ہاں یہ ہمارے اور تمہارے درمیان مقرر رہا۔

آزمائش کے بعد

معرکۂ احد قیمتی اسباق اور نصیحتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے سلسلے میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کا گہرا اثر رسول اللہ ﷺ کے دل پر رہا اور آپؐ اپنی وفات سے کچھ پہلے تک اسے یاد کرتے رہے۔ یہ بھاری آزمائش تھی جس میں ایمان اور نفاق میں واضح فرق نمایاں ہوگیا، بلکہ خود ایمان کے درجے بھی واضح ہوگئے۔ کچھ لوگوں نے دنیا کو اپنے جوتوں کے نیچے روند ڈالا اور کچھ لوگ معمولی لالچ کی طرف مائل ہوگئے، جس کے بھیانک نتائج نکلے۔

Marfat.com

معرکہ شروع ہونے سے پہلے ہی منافقوں کا سردار ابن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس ہوگیا تھا۔ یہ انتہائی سخت حالات میں اسلام کے مستقبل سے غداری تھی۔ جو نفاق کی سب سے بڑی علامت ہے۔

کسی بھی دعوت وتحریک کے پھیلاؤ اور کامیابی کے وقت اس میں مخلص اور غیر مخلص دونوں طرح کے لوگ شامل ہوجاتے ہیں یہ بات خود دعوت کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

یہ دعوت کے حق میں ہوتا ہے کہ ایسے شدید جھٹکے لگیں جن سے غیر مخلص مفاد پرست اس سے الگ ہوجائیں۔ معرکۂ احد میں اللہ تعالیٰ کی حکمت نے ایسا ہی چاہا:

ماكان الله ليذر المومنين على ما انتم عليه حتى يميز الخبيث من الطيب وماكان الله ليطلعكم على الغيب (آل عمران:۱۷۹)	اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم لوگ اس وقت پائے جاتے ہو۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کرکے رہے گا مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کردے۔

بزدلی و پست ہمتی نے منافقین کے دلوں کی حالت ظاہر کردی اور اس سے پہلے کہ آسمان کی طرف سے ان کا نفاق ظاہر کیا جائے انہوں نے خود کو لوگوں کے سامنے اور خود اپنے سامنے رسوا کرلیا۔

خالص اور صاف ستھرا ایمان نکھر کر سامنے آگیا، پہلے فاتحانہ پیش قدمی میں، پھر نہایت ہولناک مردانہ وار دفاع میں، جب مشرکین کا پلڑا بھاری ہوگیا تھا۔

جو لوگ اپنے خون سے تاریخ لکھتے ہیں اور اپنے عزم سے اس کا رخ پھیرتے ہیں وہی اس جنگ میں لوہا لینے والے اور روئے ارض پر اسلام کے مستقبل کا تحفظ کرنے والے تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ ابوخیثمہؓ کے صاحبزادے غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ: میں غزوۂ بدر میں چوک گیا تھا، جبکہ خدا کی قسم میں شرکت کا خواہاں تھا، یہاںتک کہ میں نے اس کے لئے نکلنے میں اپنے بیٹے کے ساتھ قرعہ اندازی کی تھی لیکن قرعہ میں اسی کا نام نکل آیا اور اسے شہادت نصیب ہوگئی آج میں نے سحر کے وقت خواب میں دیکھا ہے کہ میرا بیٹا بہترین حالت میں جنت کے

Marfat.com

پھلوں اور نہروں کے درمیان گشت کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے: میرے پاس آ جایئے اور جنت میں ساتھ رہئے۔ میرے رب نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے میں نے سچا پایا ہے۔ اب یارسول اللہ! مجھے اس کے ساتھ کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری ہڈیاں تک گل چکی ہیں۔ مجھے اپنے پروردگار سے ملاقات کا شوق ہے۔ آپ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے اور جنت میں اپنے بیٹے خیثمہ سے ملا دے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرما دی، چنانچہ وہ احد میں شہید ہو گئے۔

حضرت عمروؓ بن جموح کافی لنگڑے تھے ان کے چار نوجوان بیٹے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے۔ جب آپؐ نے احد کا رخ کیا تو انہوں نے بھی نکلنا چاہا۔ بیٹوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو رخصت دی ہے، آپ بیٹھے رہیں، ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں،۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جہاد کی ذمہ داری ہٹا دی ہے۔ حضرت عمروؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے یہ بیٹے مجھے آپؐ کے ساتھ جہاد کرنے سے روک رہے ہیں اور خدا کی قسم میں امید کرتا ہوں کہ شہادت پا جاؤں اور اپنے اس لنگڑے پن کے سات جنت میں چلوں پھروں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے جہاد ساقط کر دیا ہے۔ اور ان کے بیٹوں سے فرمایا: کیا حرج ہے کہ تم انہیں (اپنی مرضی پر) چھوڑ دو، شاید اللہ تعالیٰ انہیں شہادت نصیب فرما دے" چنانچہ وہ آپؐ کے ساتھ نکلے اور احد میں شہید ہو گئے (ابن ہشام)

ایک دوسرے صحابیؓ حضرت نعمانؓ بن مالک نے (جنگ شروع ہونے سے پہلے) عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں جنت سے محروم نہ کیجئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اس میں داخل ہو کر رہوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کس طرح؟ انہوں نے عرض کیا اس طرح کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں اور حملہ کے دن بھاگتا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ اور وہ اس دن شہید ہو گئے۔

ایک اور صحابی حضرت عبداللہؓ بن جحش نے اس دن کہا: اے اللہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ کل دشمن سے بھڑوں اور وہ مجھے قتل کر دیں پھر میرا پیٹ چاک کر ڈالیں اور میری ناک اور کان کاٹ لیں پھر تو مجھ سے پوچھے: کس لئے ایسا؟ تو میں عرض کروں تیرے لئے (حاکم)

Marfat.com

یہ ہیں اس بے مثال مردانگی کی تصویریں جس سے کفر ٹکرایا اور اس کے سامنے اس کے قدم ٹک نہیں پائے اور وہ زائل ہو کر رہ گیا۔

ہیروؤں والی یہ شجاعت اسلامی تاریخ کی دیواروں کے نیچے دفن ہے۔ اسلام کی عمارت ایسی ہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی۔

سرفروشی کا یہ بے نظیر جذبہ پیدا کرنے والے کون تھے؟ حضرت محمد ﷺ جنہوں نے اس عظیم الشان نسل کی تربیت فرمائی تھی اور اسے اللہ کی راہ میں جان نچھاور کرنا اور سب کچھ قربان کر دینا سکھایا تھا۔

عظیم پیغمبرؐ کو خود احد میں کافی مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ دشمن کے حملہ میں خود کے حلقے آپؐ کے چہرہ مبارک میں گھس گئے۔ حضرت ابوعبادہؓ نے منہ سے کھینچ کر نکالا تو آپؐ کے اگلے دانت بھی ٹوٹ کر گر پڑے اور خون تیزی سے بہنے لگا۔ جتنا اس پر پانی ڈالا جاتا اتنا ہی اور تیزی سے بہتا، پھر چٹائی کا ٹکڑا جلا کر لگایا گیا، تب کہیں جا کر خون تھما۔ تب بھی آپؐ پوری بیدار مغزی کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔

آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔ پیٹ میں خنجر لگنے سے آنتیں باہر آ گئیں، ابوسفیان کی بیوی ہند نے وہاں پہنچ کر پیٹ سے جگر نکالا اور اسے چبانے لگی، لیکن پھر تلخی کی وجہ سے منہ سے پھینک دیا۔ آپ حضرت حمزہؓ سے شدید محبت فرماتے تھے، جب آپؐ نے ان کے جسم کا اس طرح مثلہ دیکھا تو نہایت تکلیف محسوس کی اور فرمایا 'ایسی مصیبت مجھ پر کبھی نہیں آئے گی، آج تک مجھے کبھی اس سے زیادہ ناپسندیدہ پوزیشن کا سامنا نہیں کرنا پڑا (بخاری)

تاہم اللہ تعالیٰ کے آگے خود سپردگی کا جذبہ تمام غموں پر غالب آ گیا، آپؐ اپنے ساتھیوں کی دیکھ ریکھ کرنے لگے اور انہیں تسلی دینے لگے۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ جب مشرکین چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صفیں سیدھی کر لو کہ میں اپنے رب کی حمد وثنا کروں'' چنانچہ لوگوں نے آپؐ کے پیچھے صفیں باندھ لیں۔ آپؐ نے دعا فرمائی ''اے اللہ! تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے، جسے تو کشادہ کر دے اسے کوئی تنگ کرنے والا نہیں اور جسے تنگ کر دے اسے کوئی کشادہ کرنے والا نہیں۔ جسے تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں

Marfat.com

، جسے تو روک دے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے دے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جسے تو دور کر دے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جسے تو قریب کر دے اسے کوئی دور نہیں کر سکتا، اے اللہ ہم پر اپنی برکتوں، رحمت، فضل اور رزق کے دروازے کھول دے، اے اللہ! میں تجھ سے نہ زائل ہونے والی نعمت مانگتا ہوں اور مصیبت کے دن مدد اور خوف کے دن امن کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! تو نے جو ہمیں دیا ہے اور نہیں دیا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ ہمارے لئے ایمان کو محبوب کر دے اور اسے ہمارے دلوں میں سنوار دے اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ہمارے لئے ناپسندیدہ بنا دے۔ ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے بنا۔ اے اللہ! ہمیں موت و زندگی دونوں مسلمان ہونے کی حالت میں دے اور رسوائی و آزمائش میں ڈالے بغیر صالحین کے زمرے میں ملا۔ اے اللہ ان کافروں سے جنگ کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور ان پر اپنا عذاب اور بربادی نازل فرما۔"

قرآن کریم نے احد میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں فرمایا:

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرة ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقدعفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین (آل عمران:۱۵۲)

اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف کر ہی دیا۔

پھر شکست کی وجہ سے مایوسی و حسرت سے بچانے اور بہترین سبق لینے کی ہدایت فرمائی۔:

قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین ھذا بیان للناس وھدی وموعظة للمتقین ولاتھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (آل عمران:۱۳۹.۱۳۷)

تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے (اللہ کے احکام وہدایات) کو جھٹلایا۔ یہ لوگوں کے لئے ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ہدایت اور نصیحت۔ دل شکستہ نہ ہو غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

پھر دین اور زندگی کے بھولے ہوئے اسباق یاد دلائے گئے اور یہ واضح کیا گیا

Marfat.com

کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق چاہے جتنا مضبوط ہو، مومن کو اس پر غرور نہیں کرنا چاہئے اور یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ دنیا اس کے آگے جھک گئی ہے اور قوانین فطرت اس کی مٹھی میں ہیں۔ کیونکہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اپنے متعینہ مقاصد کے حصول کے لئے انتہائی احتیاط اور مسلسل عمل ضروری ہیں۔ جس دن مسلمان یہ سمجھ لے گا کہ تمام زمانہ اس کے تابع ہوگیا ہے اور کبھی اس کے خلاف نہیں جاسکتا اور دین و دنیا کی سربلندیاں بغیر محنت ومشقت کے حاصل ہوں گی اسی دن ناکامی کے راستے پر چل پڑے گا۔

ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلك الایام نداولها بین الناس (آل عمران:۱٤۰)

اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم الله الذین جهدوا منکم ویعلم الصٰبرین (آل عمران:۱٤۲)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔

اہل دانش شرماتے ہیں کہ قیمتی چیز معمولی دام میں طلب کریں۔ وہ تو اپنی جان تک نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

امن کے دنوں کی تیاری خوف کے دنوں میں زائل نہیں ہوجانی چاہئے۔ کبھی امن وعافیت کے زمانے میں انسان سوچ سکتا ہے کہ معاملات نہایت آسان اور سادہ ہیں، اس طرح وہ دھوکے میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ لیکن مسلمان کو اس سے محتاط رہنا چاہئے اور اس آگاہی کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوه فقد رأیتموه وانتم تنظرون (آل عمران:۱٤۳)

تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے! مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی، لو اب وہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اسے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

اس طرح ان لوگوں کو سرزنش کی جو یہ افواہ سن کر ہمت ہار بیٹھے تھے کہ رسول اللہ ﷺ (نعوذ باللہ) شہید ہوگئے۔ اصول پرست لوگ تو اشخاص کے بجائے اصولوں کے پیروکار ہوا کرتے ہیں۔ اگر یہ فرض بھی کرلیا جاتا کہ (نعوذ باللہ) آپ اللہ کے دین

Marfat.com

کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوگئے تو آپ کے ساتھیوں کے لئے مناسب یہی تھا کہ وہ شکست و پسپائی کے بجائے اپنے قائد کی طرح جان نچھاور کردیں۔

اگر ضمیر کو روشنی فراہم کرنے والا رخصت ہو جائے تو کیا بیدار ضمیر والے کو پھر تاریکی میں لوٹ جانا چاہئے۔؟

رسول اللہ ﷺ نے تو لوگوں کو اس بات پر جمع فرمایا تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور آپ سے تعلق قائم کرنے والے آپ کو راہ حق کا رہبر ہی سمجھتے تھے۔ اب اگر آپ کا انتقال ہو جاتا ہے تو خدائے لایزال کے ساتھ تعلق تو برقرار رہے گا:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل أفائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على غقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزى الله الشكرين (آل عمران:١٤٤)

محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ انتقال کر جائیں یا قتل کردیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔

ان آیات میں مسلمانوں کو سبق دینے کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ وہ مستقبل میں کس طرح ایسی کسی پیچیدہ صورتحال سے بچ سکیں گے۔

غزوۂ بدر نے جہاں کافروں کو نامراد کیا تھا وہیں واقعہ اُحد نے منافقین کو عریاں و رسوا کردیا۔ بہت سی مضر چیزیں بھی مفید ہو جاتی ہیں۔

اس موقع پر احکام کی جو خلاف ورزی ہوئی اس سے مسلمان اطاعت کی قدر و قیمت جان سکتے ہیں۔ اجتماعی معاملات میں انفرادی رائے اور رجحان پر عمل لامحالہ ناکامی کی طرف لے جاتا ہے۔ ساری قومیں اس حقیقت کو جانتی ہیں۔ فوجوں کی بنیاد ہی مکمل اطاعت پر قائم کی جاتی ہے۔ اور بہترین ڈسپلن اور اطاعت کی بھی وہی اہمیت ہے جو بہترین کمانڈ کی ہوتی ہے۔ جس طرح احکام جاری کرنے کے لئے حکمت و دانشمندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے نفاذ کے لئے بھی لازمی ہوتی ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اطاعت ہی کامیابی اور بھلائی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

سرکشی و نافرمانی کی طرف سب سے پہلے وہ لوگ مائل ہوتے ہیں، جنہیں ان

Marfat.com

کی امنگوں کے باوجود سر براہی سپرد نہیں کی جاتی۔ عبداللہ بن ابی اس طرح کے لوگوں کی واضح مثال تھا، جو اپنی ذاتی امنگوں کے لئے قوم کے مستقبل کو قربان کر دیتے ہیں۔

البتہ جن تیر اندازوں نے اپنی جگہ سے نہ ہٹنے کے حکم کی خلاف ورزی کی، وہ غفلت ولا پرواہی کا شکار ہو گئے تھے۔ ابھی تک ان کے دلوں میں دنیا اور اس کے عارضی سازوسامان کی کچھ محبت باقی رہ گئی تھی، جس نے ان سے ایسی غلطی کرادی۔ اسی لئے جب مسلمان اس المیہ سے دہشت زدہ رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ اس کی ذمہ داری خود ان پر عائد ہوتی ہے۔:

اولما اضبتکم مصیبة قد اصبتم مثلیها قلتم انی هذا قل هو من عند انفسکم ان الله علی کل شئی قدیر (آل عمران:١٦٥)

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں)اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر پڑ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

اسلام تو عمل کے درجۂ کمال وقبولیت تک پہنچنے کے لئے پختہ ایمان اور مکمل اخلاص وجانثاری کو شرط قرار دیتا ہے۔

شہدائے احد

اہل قریش کو جو برائے نام کامیابی ملی، اسے لے کر وہ تیزی سے مکہ کی طرف بھاگے۔ گویا پہلی فیصلہ کن شکست کے بعد جو کامیابی ملی تھی اس پر انہیں پورا بھروسہ نہیں تھا۔

مسلمان اپنے شہداء کو تلاش کرنے اور انہیں دفن کرنے میں لگ گئے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون پتہ لگائے گا کہ سعد بن ربیع زندہ ہیں یا شہید ہو گئے۔ ایک انصاری نے کہا: میں۔ چنانچہ انہوں نے تلاش کیا تو وہ زخمیوں میں ملے، ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کی خبر لینے بھیجا ہے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ مجھے جان دے دینے والوں میں سمجھو۔ رسول اللہ ﷺ کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ سعد بن ربیع کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ بہترین جزادے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی گئی ہو۔ اور قوم سے میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ سعد بن ربیع تم سے کہتا ہے کہ اگر دشمن تمہارے نبی تک پہنچ گئے اور تم میں

Marfat.com

ایک بھی آنکھ پھڑکنے کے قابل رہ گئی ہے (یعنی زندہ ہے) تو اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

انصاری کہتے ہیں کہ میں وہیں رکا رہا یہانتک کہ ان کی روح پرواز کر گئی پھر آکر آپ کو خبر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ شہداء کی لاشیں جہاں ملیں وہیں ان کو دفن کر دیا جائے۔خاندانی قبرستانوں میں نہ لے جایا جائے، دو دو شہیدوں کو ایک ایک کفن دیا گیا پھر آپؐ فرماتے کہ قرآن کا علم کس کے پاس زیادہ تھا؟ پھر اس کو پہلے قبر میں اتارا جاتا آپؐ نے انہیں اسی خون آلودہ حالت میں دفن کرایا، غسل نہیں دلوایا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں پر گواہ ہوں (بخاری)

پھر وہاں سے واپسی کے بعد فرمایا: میں ان لوگوں پر گواہ ہوں۔جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے زخم کے خون کے ساتھ اٹھائے گا۔خون کا رنگ وہی ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی (احمد)

☆☆☆

معرکۂ احد کے گہرے اثرات رسول اللہ ﷺ کے دل پر تازندگی باقی رہے۔ یہاں آپؐ نے اپنے عزیز و قریب ترین لوگوں کو رخصت کیا تھا اور اس منتخب پاکباز گروہ کے متعدد افراد کا ساتھ چھوٹا تھا جنہوں نے دعوت کا بوجھ اٹھانے اور ہجرت سے پہلے اور اس کے بعد اپنے عقیدے کے لئے بے مثال قربانیاں دینے اور جان و مال سب کچھ نچھاور کر دینے کے بے مثال نمونے قائم کئے تھے۔آپؐ ان ہیروؤں اور ان کے کارناموں کو برابر یاد کرتے تھے اور یہانتک فرماتے تھے کہ "احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں (بخاری)

اپنی وفات سے کچھ پہلے آپ نے شہدائے احد کی زیارت فرمائی اور ان کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت عقبہؓ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد پر آٹھ برس بعد، زندوں اور مُردوں کو رخصت کرنے والے کی طرح، دعا فرمائی پھر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا "میں تمہارا پیش رو ہوں گا اور تم پر گواہ ہوں گا تم سے حوض پر ملاقات ہو

Marfat.com

گی اور اسے میں اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ دنیا کی دوڑ میں لگ جاؤ گے۔ (بخاری)

بہر حال مسلمانوں نے اپنے غم واندوہ کو دلوں میں دفن کر لیا۔ اپنے اوپر طاری نہیں رہنے دیا۔ آس پاس دشمنوں کی کثرت بھی یہی تقاضا کر رہی تھی کہ وہ کمزوری کے بجائے طاقت اور شیر دلی کا مظاہرہ کریں۔ کیونکہ منافقین اور یہودی احد کی ''شکست'' سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ ان کی دشمنیاں اب کھل کر سامنے آرہی تھیں اور وہ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ آسمان نے خدا کے رسول کو نامراد کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ وہ جلد از جلد اپنے لوگوں کی از سر نو تنظیم کریں اور نئی فوج تشکیل دے کر قریش کا پیچھا کرنے کے لئے نکل پڑیں۔

احد کا معرکہ ۱۵ شوال بروز سنیچر پیش آیا۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو لے کر نکلے۔ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے جہاں سے ابوسفیان کا لشکر قریب ہی تھا۔ اہل قریش جو کچھ ہوا تھا اس پر غور کر رہے تھے کوئی کہتا کہ تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم نے دشمن کی طاقت توڑ دی پھر انہیں وہیں چھوڑ دیا، نیست ونابود نہیں کیا۔ جو لوگ بچ گئے ہیں وہ پھر تمہارے خلاف اکٹھا ہو جائیں گے۔

لیکن یہ جان کر کہ مسلمان پھر جنگ کے لئے نکل پڑے ہیں، یہ رائے دب گئی اور وہ تذبذب میں پڑ گئے کہ آیا انہیں پھر جنگ کے لئے لوٹنا چاہئے جس کا انجام معلوم نہیں کیا ہو، ہوسکتا ہے جتنی کامیابی ملی ہے وہ بھی خاک میں مل جائے۔ یا پھر انہیں مکہ لوٹ جانا چاہئے ایسی صورت میں مسلمانوں کی پوزیشن بہتر ہو جائے گی اور شکست کی تلخی کم محسوس ہوگی۔

ابوسفیان نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ واپسی کو ترجیح دے اور مسلمانوں کے پاس کوئی پیغام رساں بھیج دے جو ان کے دلوں میں رعب ڈال دے اور انہیں یہ بتائے کہ قریش انہیں چھوڑ دینے کی غلطی محسوس کر رہے ہیں اور انہیں بالکل نیست ونابود کر دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

ابوسفیان کا پیغام رساں حمراء الاسد پہنچا، جہاں مسلمانوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا

Marfat.com

اور انہیں مشرکین کی دوبارہ یلغار سے ڈرا کر مدینہ واپس جانے کی ترغیب دینے کی کوشش کی، لیکن مسلمان ذ... ن مرعوب نہیں ہوئے۔ بلکہ تین دن تک وہاں اطمینان سے ٹھہر کر قریش کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ پھر قریش کے مکہ لوٹ جانے کے بعد سر اٹھائے ہوئے مدینہ واپس آگئے۔ اس کامیاب مظاہرے کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

الذین استجابوا الله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذین احسنوا منهم واتقوا اجر عظیم الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم ایمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم یمسسهم سوء واتبعوا رضوان الله والله ذو فضل عظیم (آل عمران:۱۷۲۔۱۷۴)

جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا ان میں سے جو اشخاص نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لئے بڑا اجر ہے جن سے لوگوں نے کہا کہ ''تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں ان سے ڈرو'' تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ''ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے'' آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

احد کے اثرات

مسلمانوں کے مشرکین کا حمراء الاسد کے مقام تک پیچھا کر کے اپنی سخت جانی وطاقت کا مظاہرہ کرنے کے باوجود احد کی شکست کے اثرات کافی دوررس نکلے۔ بدوؤں کی جرأت بڑھ گئی اور انہیں ہمت ہونے لگی کہ وہ مدینہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیں۔ دوسری طرف یہودی مذاق اڑانے میں لگ گئے۔ ان کے دل کا کینہ عملی شکل اختیار کرنے کے رخ پر چل پڑا۔

زبردست شکستوں اور اہم پسپائیوں کے بعد قوموں کی قیادت ورہنمائی نہایت مشکل کام ہے۔

ہجرت کا چوتھا سال آگیا اور ابھی تک احد کے زخم مندمل نہیں ہو پائے تھے۔ مگر واقعات وحادثات تو کسی چیز کا انتظار کرتے نہیں۔ بدوؤں نے مدینہ کی طرف قدم بڑھانے شروع کر دئے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مدینہ آسانی سے مال غنیمت میں تبدیل

Marfat.com

ہو چکا ہے۔سب سے پہلے قبیلۂ بنو اسد نے مدینہ پر حملہ کی تیار کی۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ کی قیادت میں ڈیڑھ سو آدمی بھیج دیئے کہ ان کے حملے سے پہلے ان کے علاقہ ہی پر چڑھائی کر دیں۔حضرت ابو سلمہؓ بنو اسد کو تتر بتر کرنے میں کامیاب ہوئے اور کچھ مال غنیمت لے کر واپس لوٹے۔حضرت ابو سلمہؓ آپؐ کے بہترین کمانڈروں میں تھے غزوۂ احد میں زخمی ہوئے تھے اس حملہ میں وہ زخم پھر تازہ ہو گئے۔اور جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

خالد بن سفیان ہذلی نے بھی مسلمانوں سے جنگ کے لئے کچھ لوگ اکٹھا کئے اور ابھی مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے قبائل سے ساز باز کر ہی رہا تھا کہ آپؐ نے حضرت عبدؐاللہ بن انیس کو سرکوبی کے لئے بھیج دیا۔ہذیل نے اس کا انتقام یہ لیا کہ غزوۂ رجیع میں مسلمان قیدیوں کو اہل مکہ کے سپرد کرنے میں مدد کی۔

رجیع کا واقعہ یوں ہوا کہ عضل وقارہ قبائل کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں تک اسلام کی خبریں پہنچی ہیں،اب انہیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو انہیں دین سکھا سکیں اور قرآن پڑھا سکیں۔آپؐ نے حضرت عاصمؓ بن ثابت کی رہنمائی میں داعیوں کا ایک گروپ بھیج دیا۔یہ لوگ ہذیل کے چشموں کے قریب عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچے تو داعیوں کو محسوس ہوا کہ ان کو بلا کر لانے والے غداری کر چکے ہیں اور ہذیل والوں کو بلا لیا ہے۔داعیوں نے بھی ہتھیار اٹھا لئے اور لڑنے لگے۔لیکن تقریباً سو تیر اندازوں اور ان کے پیچھے ان کے مددگاروں کے سامنے چند افراد کیا کر سکتے تھے،چنانچہ سب شہید ہو گئے،البتہ تین افراد خبیب،زید بن دثنہ او عبداللہ بن طارق نے ہتھیار ڈال دیئے۔ہذیلیوں نے انہیں غلام بنا لیا اور انہیں بیچنے کے لئے مکہ لے جانے لگے،تاکہ اہل مکہ انتقاماً انہیں قتل کر سکیں۔ان میں سے عبداللہ نے نکل بھاگنے کی کوشش کی اور مارے گئے۔خبیب اور زید کو قریش والوں نے انتقاماً قتل کرنے کے لئے لے لیا۔زید کو تو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ کے انتقام میں قتل کے لئے خریدا اور جب وہ لوگ انہیں لے کر حرم سے نکلے تو قریش کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے جن میں ابو سفیان بن حرب بھی تھا۔اس نے کہا زید! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں یہ اچھا لگے گا کہ اس وقت تمہاری جگہ محمدؐ ہوتے،ہم ان کی گردن

Marfat.com

مارتے اور تم اپنے گھر والوں میں ہوتے؟ انہوں نے جواب دیا: خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمدؐ اپنی جگہ ہوں اور انہیں کانٹا بھی چبھ جائے اور میں اپنے گھر والوں میں بیٹھا رہوں۔

ابوسفیان نے کہا: ''میں نے کسی شخص کو بھی کسی شخص سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمدؐ کے ساتھی ان سے کرتے ہیں'' پھر زید کو قتل کر دیا گیا۔

خبیبؓ کو عقبہ بن حارث نے اپنے باپ کے انتقام میں قتل کے لئے خریدا جب انہیں لے کر پھانسی دینے کے لئے حرم سے نکلے تو انہوں نے کہا اگر ہو سکے تو مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، پڑھ لو۔ انہوں نے دو رکعتیں بہترین انداز میں پڑھیں، پھر کہا: خدا کی قسم اگر تم یہ نہ سمجھتے کہ میں نے قتل کے ڈر سے نماز لمبی کر دی تو میں اور پڑھتا۔ پھر انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ یہیں سے شروع ہوا ہے۔

جب انہیں باندھ دیا گیا تو انہوں نے کہا: یا اللہ! ہم نے تیرے پیغمبر کا پیغام پہنچا دیا۔ ہمارے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کی خبر انہیں پہنچا دے، پھر دعا کی: اے اللہ! ''انہیں خوب گن لے اور مار اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔ اور یہ شعر پڑھتے ہوئے موت کو گلے لگا لیا کہ (ترجمہ)

''جب مسلمان کی حیثیت سے قتل کیا جا رہا ہے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر میری جان جاتی ہے۔ یہ تو اللہ کی راہ میں ہے اور اگر وہ چاہے تو ٹکڑے ٹکڑے جسم میں بھی برکت دے سکتا ہے۔''

مسلمانوں کو حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں کے انجام اور اس دردناک انداز میں قیدیوں کے قتل سے بڑا رنج ہوا۔ اس وقت ان باصلاحیت اور بہادر داعیوں کی کتنی زیادہ ضرورت تھی۔ پھر اس طرح انہیں جال میں پھنسانے کی کوشش مشرکین عرب کے کینہ وعداوت اور مسلمانوں کی طرف سے جواب نہ ملنے کی توقع کی بنیاد پر ان کی یہ جرأت وہمت نہایت تشویشناک تھی۔

اس واقعہ نے دور دراز کے علاقوں میں اسلام کی اشاعت کے لئے کوئی وفد بھیجنا دشوار بنا دیا تھا۔ لیکن چاہے جتنی قربانیاں دینی پڑیں، دعوت کو پھیلانا بھی ناگزیر تھا

Marfat.com

اسی لئے جب ابو براء بن مالک (جس کا لقب ملاعب الاسنہ تھا) نے رسول اللہ ﷺ سے نجد کے قبائل میں اسلام کی اشاعت کے لئے ایک وفد بھیجنے کی درخواست کی تو آپ نے ان کے سلسلے میں اندیشہ ظاہر کیا لیکن ابو براءؓ کی ضمانت کی یقین دہانی پر وفد بھیجنا منظور کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر مدینہ منورہ سے ستر بہترین پڑھے لکھے داعی نکل پڑے۔ انہیں کیا علم تھا کہ وہ غداروں کے علاقہ میں اپنی جانیں دینے جا رہے ہیں۔ جب وہ بئر معونہ کے مقام پر پہنچ گئے تو انہوں نے اس علاقہ کے کافروں کے سرخیل عامر بن طفیل کے پاس اپنا ایک نمائندہ بھیجا جس نے عامر کو رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچایا۔ اس خط میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ عامر نے خط دیکھا بھی نہیں اور اپنے ایک آدمی کو حکم دیا کہ خط لانے والے کو قتل کر ڈالے۔ حضرت حرامؓ (نمائندہ) نے اچانک محسوس کیا کہ ایک نیزہ ان کی پشت میں گھستا ہوا سینہ سے نکل پڑا۔ اچانک شہادت کی اپنی تمنا پوری ہونے پر حضرت حرام چیخ پڑے "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"۔

عامر نے اپنے سارے مددگاروں کو طلب کر لیا اعلی، ذکوان اور قارہ قبائل کے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ عامر نے انہیں ساتھ لے کر داعیوں کے گروپ پر حلہ بول دیا۔ جب انہوں نے یہ صورت دیکھی تو جلدی سے اپنی تلواریں سنبھال لیں لیکن اتنے سارے بدوؤں کے سامنے وہ بے بس ہو گئے اور ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر لیا۔

ان داعیوں میں (جنہیں قاری کہا جاتا تھا) سے دو حضرات اس جگہ سے کہیں دور تھے ان میں حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری بھی تھے۔ انہیں یہ المناک خبر ان وحشی پرندوں سے ملی جو پڑاؤ کی جگہ ریت پر بکھری ہوئی لاشوں پر چکر لگا رہے تھے۔ انہوں نے آ کر دیکھا تو ان کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں اور دشمن بھی ابھی رکے ہوئے تھے حضرت عمرو کے ساتھی نے پوچھا: کیا کیا جائے۔ حضرت عمروؓ نے کہا: میرے خیال میں چل کر رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا جائے۔ لیکن ان کے ساتھی کے ایک عزیز دوست حضرت منذر بھی وہیں شہید ہو گئے تھے انہوں نے کہا جہاں منذر قتل ہوئے ہیں میں وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتا۔ نہ ان کی خبر لوگوں کو سنانے کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے بدوؤں پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اور حضرت عمروؓ قید ہو گئے پھر غداروں کے سردار عامر بن طفیل نے انہیں اس خون کے بدلہ میں چھوڑ دیا جو اس کے

Marfat.com

خیال میں اس کی ماں پر واجب تھا۔

حضرت عمرؓ ستر بہترین مسلمانوں کے اس المناک انجام کی خبر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ اس المیہ نے احد کے واقعہ کی یاد تازہ کر دی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ احد میں لوگ کھلی جنگ میں شریک ہوئے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ بدترین غداری کی گئی تھی۔

اس واقعہ نے مسلمانوں کے دلوں کو غیظ وغضب سے بھر دیا۔ انہیں نہ صرف زبردست نقصان سے دوچار ہونا پڑا تھا بلکہ مشرکین کے اپنا کینہ ظاہر کرنے اور جب اور جیسے چاہیں مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کی جرأت پر بھی کافی تشویش پیدا ہو گئی تھی۔

حضرت عمرؓو کو مدینہ کے راستے میں دو آدمی ملے، جنہیں انہوں نے بنی عامر قبیلہ کا سمجھا اور اپنے ساتھیوں کے انتقام میں قتل کر ڈالا۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ ان کا تعلق قبیلۂ بنی کلاب سے تھا، جن سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے دو آدمیوں کو قتل کر ڈالا ہے، جن کی دیت دینا لازمی ہے، چنانچہ آپؐ دیت (خون بہا) جمع کرنے میں لگ گئے۔

آپؐ نے صحابہؓ کو بتایا کہ (بئر معونہ میں) شہید ہونے والے تمہارے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ ان کے بھائیوں کو مطلع فرما دے، کہ خدا ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں (بخاری)

جزیرۂ عرب میں اسلام کی بڑھتی ہوئی کامیابی اور روشن مستقبل کی توقعات نے دشمنوں کے کینہ وحسد میں اور اضافہ کر دیا تھا اور وہ کہتے پھرتے تھے کہ مسلمانوں کو غرور ہو گیا ہے۔

اذ یقول المنفقون والذین فی قلوبهم مرض غر هؤلاء دینهم ومن یتوکل علی الله فان الله عزیز حکیم (الانفال:۴۹)	جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو تو ان کے دین نے خبط میں مبتلا کر رکھا ہے حالانکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو یقیناً اللہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔

یہ نفرت غزوۂ بدر کے بعد کچھ دب گئی تھی، جس سے متذبذب لوگ نئے دین کی طرف مائل ہونے لگے تھے۔ لیکن جیسے ہی مسلمانوں کو پسپائی ہوئی اسلام کے دشمن ہر

Marfat.com

جگہ اٹھ کر اسے چیلنج کرنے لگے۔

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس صورتحال کو معرکۂ احد کے بعد ہی سمجھ لیا تھا، اسی لئے آپؐ نے مسلمانوں کا رعب بحال کرنے کی کوششیں فرمائیں۔ کیونکہ مشرکین یہ گمان کرنے لگے تھے کہ احد کی طرح مسلمانوں کو پسپا کرنے کا اچھا موقع آ گیا ہے۔

لیکن ''رجیع'' اور ''بئر معونہ'' میں مسلمانوں کو جو نقصانات اٹھانے پڑے اور پے در پے جن آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا ان سے اہل ایمان کا اپنے رب پر اعتماد اور اپنے مستقبل پر یقین متزلزل نہیں ہوا۔ اور انہوں نے جوابی کاروائیاں شروع کر دیں چنانچہ جب اس سخت وقت میں یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے جوابی کاروائی میں دیر نہیں لگائی۔

بنی نضیر کی جلاوطنی

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بئر معونہ سے لوٹتے ہوئے حضرت عمروؓ بن امیہ نے جن دو آدمیوں کو غلطی سے قتل کر ڈالا تھا ان کا خون بہا جمع کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ اپنے حلیفوں، یعنی یہودیوں کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ جب ان سے گفتگو فرمائی تو انہوں نے مدد پر رضامندی ظاہر کی۔ آپؐ ان کے گھروں کے نزدیک ایک دیوار کے پاس بیٹھ گئے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کر سکیں۔ یہودی جب آپؐ سے الگ ہو کر آپس میں ملے تو کہنے لگے کہ تم اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کو اس اطمینان سے بیٹھے ہوئے پھر کبھی نہیں پاؤ گے۔ کوئی اس گھر کی چھت پر چڑھ جائے اور وہاں سے آپؐ پر بھاری پتھر لڑھکا دے کہ ہمیں نجات ہی مل جائے۔

یہودی اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے ہی والے تھے کہ آپؐ کو اس کے بارے میں الہام ہو گیا، چنانچہ آپؐ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر مدینہ واپس چل پڑے۔ آپؐ کے ساتھیوں نے جب آپ کو وہاں نہیں پایا تو تلاش کرنے لگے۔ اسی دوران مدینہ سے ایک شخص آیا اور بتایا کہ اس نے آپؐ کو مدینہ داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو وہ بھی جلد از جلد وہاں پہنچے، آپؐ نے انہیں یہودیوں کی سازش سے آگاہ کیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ جو

Marfat.com

شخص چکی کا پاٹ گرا کر آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا اس کا نام عمرو بن مجاش تھا۔ بالآخر اسے اور اس کی قوم کو اس کا برا انجام بھگتنا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے محمدؓ بن مسلمہ کو بلا کر حکم دیا کہ بنی نضیر کے پاس جا کر ان سے کہو کہ وہ مدینہ منورہ سے نکل جائیں اور میرے ساتھ نہ رہیں۔ میں نے انہیں دس روز کی مہلت دے دی ہے۔ اس کے بعد جو ملے گا اس کی گردن ماردی جائے گی (ابن سعد)۔

یہودیوں نے دیکھا کہ نکل جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تو وہ کوچ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ لیکن مدینہ کے منافقین نے جن کی سربراہی عبداللہ بن ابی کر رہا تھا انہیں کہلا بھیجا کہ ٹھہرے رہو، ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اس سے یہودیوں کا اعتماد بحال ہو گیا اور وہ چیلنج کرنے کا ارادہ کر بیٹھے اور کہلا بھیجا کہ ہم ہرگز نہیں نکلیں گے، جو چاہو کرلو۔ پھر وہ اپنے قلعوں میں بند ہو کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ انہیں ان خبروں سے بھی حوصلہ مل رہا تھا کہ عبداللہ ابن ابی نے ان کی مدد کے لئے دو ہزار جنگجو تیار کر لئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ بنی نضیر اور ان کا ساتھ دینے والے دیگر یہودیوں اور مشرکین عرب سے لوہا لینے نکل پڑے۔ مسلمانوں نے بنی نضیر کے گھروں کا محاصرہ کرلیا اور ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے لگے، تب معاملہ کی سنجیدگی ظاہر ہوئی اور یہودیوں کو سامنے موت نظر آنے لگی۔ اور ان کے مددگاروں پر ہیبت چھا گئی، کوئی بھی ان کی مدد کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ جبکہ اس نازک وقت میں مسلمانوں کی اپنے دشمنوں کے ساتھ معرکہ آرائی کا انجام واضح بھی نہیں تھا۔ مشرکین عرب جہاں تہاں انہیں قتل کر رہے تھے، پھر بنی نضیر کے پاس تو پھر بھی طاقت تھی اور ان سے جنگ خوفناک انجام تک پہنچ سکتی تھی لیکن بئر معونہ کے المیہ کے بعد انفرادی و اجتماعی غداریوں اور پرفریب خونریزیوں نے مسلمانوں کی حساسیت بڑھا دی تھی۔ اسی لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ چاہے جو بھی انجام ہو، بنی نضیر سے جنگ کی جائے گی۔

لیکن نتیجہ مسلمانوں کے حق میں نکلا اور وہ بھی توقع سے بہت پہلے۔ یہودی ہمت ہار بیٹھے اور اس فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر دیا گیا کہ وہ ہتھیاروں کے علاوہ جتنا مال لاد کر لے جا سکتے ہوں، لے کر مدینہ سے نکل جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

Marfat.com

هـو الـذى اخـرج الـذيـن كـفـروا من اهـل الكتاب من ديرهم لاول الحشر ماظننتم ان يـخرجوا وظنوا انهم مانعتهم حصونهم من الله فاتهم الله من حيث لم يحتسبوا وقذف فى قلوبهم الرعب يخربون بيوتهم بايديهم وايـدى الـمـؤمـنـيـن فـاعتبروا يـاولـى الابصٰر (الحشر:۲)

وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو پہلے ہی ملے میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا تمہیں ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ان کی گڑھیاں انہیں اللہ سے بچالیں گی مگر اللہ ایسے رخ سے ان پر آیا جدھر سے ان کا خیال بھی نہ کیا تھا اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی برباد کروا رہے تھے پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینار کھنے والو۔

پھر قرآن مدینہ کے ان منافقین کے رویہ کی مذمت کرتا ہے جنہوں نے یہودیوں کی غداری میں ان کی مدد کی کوشش کی اور مدد وحمایت کا وعدہ کر کے انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے پر ابھارا:

الـم تـر الى الذين نافقوا يقولون لاخوانهم الـذيـن كـفـروا من اهل الكتٰب لئن اخرجتم لـنـخـرجـن مـعكم ولانطيع فيكم احدا ابدا وان قـوتـلـتـم لـنـنـصرنكم والله يشهد انهم لكٰذبون لـئـن اخرجوا لا يـخـرجون معهم ولـئـن قـوتلوا لاينصرونهم ولئن نصروهم ليـولـن الادبـار ثـم لا يـنـصـرون (الحشر:۱۱۔۱۲)

تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت کی روش اختیار کی ہے؟ یہ اپنے کافر اہل کتاب بھائیوں سے کہتے ہیں "اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملے میں ہم کسی کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ ہرگز نہ نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی ہرگز مدد نہ کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کریں بھی تو پیٹھ پھیر جائیں گے اور پھر کہیں سے کوئی مدد نہ پائیں گے۔

اس فتحیابی نے جو مسلمانوں کو بغیر قربانیوں کے حاصل ہوئی، مدینہ میں ان کا اقتدار مستحکم کر دیا اور منافقین اپنے ارادوں کا کھل کر اظہار کرنے کی ہمت چھوڑ بیٹھے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ موقع مل گیا کہ احد کے بعد جن بدوؤں نے مسلمانوں کو اذیتیں پہنچائی تھیں اور غداری و بے شرمی کے ساتھ داعیوں کو قتل کیا تھا، ان کے خلاف کاروائیاں کر سکیں۔

Marfat.com

ان غداروں کی سرزنش کے لئے رسول اللہ ﷺ نے نجد کے علاقوں میں کارروائیاں شروع کیں تاکہ "رجیع" اور بئر معونہ" کا بدلہ لیا جاسکے اور سنگدل بدوؤں کے دلوں میں ڈر پیدا کیا جاسکے تاکہ وہ دوبارہ اس طرح کی جرأت نہ کریں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آپؐ نے کئی حملے کئے جن سے سرکش قبائل ہیبت زدہ ہوگئے۔ جو بدو رہزنی اور لوٹ مار کے عادی ہو چکے تھے وہ جیسے ہی مسلمانوں کی آمد کے بارے میں سنتے ڈر کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ جاتے۔ ان میں بنولحیان، بنومحارب اور غطفان کی شاخ بنوثعلبہ قبائل شامل تھے۔

جب تک مسلمانوں نے ان کی طاقت توڑ کر ان کی شرانگیزیوں سے نجات حاصل کی، سال پورا ہو چکا تھا اور اہل قریش کے ساتھ، جو مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے، بڑے معرکہ کا مقررہ وقت آگیا تھا، جس کی تیاری بھی ضروری تھی۔

ظاہر ہے حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو یہی کرنا تھا کہ ابوسفیان اور اس کی قوم کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلیں اور ایک بار پھر فیصلہ کن فتح حاصل کر کے زمانہ کا رخ بدل دیں تاکہ حق پرستوں کے لئے وجود و بقا کا راستہ صاف ہو جائے۔

بدر کا دوسرا واقعہ

احد سے واپسی کے بعد اگلے سال کا وعدہ پورا کرنے کے سلسلے میں ابوسفیان میں کوئی جوش و خروش نہیں تھا۔ اس کی قوم معرکۂ بدر میں اپنی تعداد کی کثرت اور پوری تیاریوں کے باوجود شکست کھا چکی تھی۔ اور معرکۂ احد میں ناکام کوشش کے بعد جو نام نہاد کامیابی حاصل ہو پائی تھی، وہ بھی توحید کے ماننے والے لشکر کے چند افراد کی غلطی کی بدولت اتفاق سے مل گئی تھی۔

ابوسفیان مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے انجام کے بارے میں فکرمند تھا اور ذہن میں یہی بوجھ لئے نکلا، لیکن ظہران پہنچتے پہنچتے اس نے لوٹنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ اس نے اہل قریش سے کہا کہ یہ خشک سالی کا وقت ہے، نہ مویشیوں کے لئے چارہ وافر ہے، نہ تمہیں دودھ ہی کافی مل رہا ہے اور جنگ تو شادابی کے وقت ہی مناسب ہوگی اس لئے میں لوٹ رہا ہوں تم بھی لوٹ چلو۔

اس طرح متوقع معرکہ چھوڑ کر اہل قریش لوٹ گئے۔ جبکہ مسلمان تیاری و جوش

Marfat.com

کے ساتھ بدر کے مقام پر آ کر پڑاؤ ڈال چکے تھے۔اور جنگ کے وعدہ کی پابندی کا مظاہرہ کررہے تھے۔وہاں وہ آٹھ روز تک اہل مکہ کی آمد کا انتظار کرتے رہے اور احد کی شکست کا داغ دھوتے رہے۔یہ واقعہ چوتھے ہجری سال کے ماہ شعبان کا ہے۔

دومۃ الجندل

اہل قریش کے مقابلہ سے گریز وپسپائی کی بدولت پھر حالات کی لگام مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گئی۔چنانچہ وہ جنوب میں اپنی ہیبت جمانے کے بعد شمال کی طرف متوجہ ہوئے جس کی سرحدیں قدیم رومی سلطنت سے جا ملتی تھیں اور عرب قیصر روم سے ڈرتے تھے۔خود قیصر کو بھی توقع نہیں تھی کہ جزیرۂ عرب میں کوئی ایسی طاقت ابھر سکتی ہے جو اسے چیلنج کر سکے۔

مدینہ میں خبریں پہنچ رہی تھیں کہ شام کے قریب دومۃ الجندل کے آس پاس کے قبائل رہزنی کررہے ہیں اور جو بھی وہاں سے گذرتا ہے اسے لوٹ لیتے ہیں اور ان کے حوصلے یہاںتک بڑھ چکے ہیں کہ وہ مدینہ پر حملہ کی سوچ رہے ہیں بلکہ اس مقصد سے ایک بڑی بھیڑ جمع بھی ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کو لے کر نکلے۔رات کو سفر ہوتا اور دن میں کہیں خاموشی سے پڑاؤ ڈال دیتے تاکہ دشمن پر اچانک جا پڑیں۔مدینہ اور دومۃ الجندل کے درمیان پندرہ رات کی مسافت تھی جسے مسلمانوں نے ایک ماہر گائڈ کی مدد سے طے کیا۔جب وہاں اچانک پہنچے تو حملہ کرنے کے لئے تیار بھیڑ بھاگ کھڑی ہوئی اور مسلمانوں کو ان کے مویشی وغیرہ مال غنیمت میں ملے، جو قبیلہ بنی تمیم کے تھے۔رہے دومۃ الجندل کے لوگ تو ہر طرف بھاگ نکلے اور مسلمانوں کو وہاں کوئی نہیں ملا۔رسول اللہ ﷺ وہاں چند روز قیام فرما کر ادھر ادھر دستے بھیجتے رہے لیکن کسی نے سامنا کرنے کی ہمت نہیں کی اور مسلمان مدینہ واپس آ گئے۔

یہ پانچویں صدی ہجری سال کے ماہ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔

جب تک اسلام بالکل مغلوب تھا تب تک اس کی دشمنی کھلم کھلا کی جارہی تھی لیکن جب اس کا معاملہ کچھ مستحکم ہو گیا اور مسلمانوں کو طاقت کے ذرائع حاصل ہونے لگے، تب دشمنی نے خفیہ سازشوں کی صورت اختیار کر لی، جو پہلی صورت سے زیادہ

Marfat.com

خطرناک تھی۔ کیونکہ آدمی کھلے وار کا مقابلہ پشت کے خنجر کے مقابلہ میں زیادہ آسانی سے کرسکتا ہے۔

دشمنان اسلام وہ تمام حربے اختیار کر رہے تھے جن سے کوئی بھی شریف آدمی شرم محسوس کرتا۔ مدینہ کے منافقین اپنی کمزوری کی وجہ سے کینہ وحسد کا اظہار کبھی طنز و تعریض سے کرتے، کبھی تہمت و بہتان کے ذریعہ، مسلمانوں کا اقتدار جیسے جیسے مستحکم ہوتا جاتا تھا منافقین کا بغض وکینہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے کچھ یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا اعلان کیا تو منافقین نے ان کی حمایت کی کوشش کی لیکن کچھ کرنے کی ہمت نہیں کر سکے۔ دشمن قبائل یکے بعد دیگرے پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔ منافقین مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر فتنہ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتے رہتے۔

پھر غزوۂ بنی مصطلق میں منافقین کا کردار بالکل عیاں ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبریں پہنچیں کہ یہ قبیلہ جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے بلکہ اس کے سردار حارث بن ابوضرار نے تو حملے کی تیاری بھی مکمل کر لی ہے چنانچہ آپ فتنہ کی آگ کو بھڑکنے سے پہلے ہی بجھا دینے کے لئے مسلمانوں کو لے کر نکلے پڑے۔ اس بار خلاف معمول کچھ منافقین بھی ساتھ دے رہے تھے غالباً آپ کی فتح کے یقین اور مال غنیمت کی صورت میں دنیاوی فائدے کی امید نے انہیں اس پر آمادہ کیا تھا۔

جب مسلمان ''مریسیع'' چشمہ کے پاس پہنچے تو وہاں بنو مصطلق اکٹھا ہو گئے آپ نے حضرت عمرؓ کو ہدایت کی کہ ان لوگوں پر اسلام پیش کریں۔ حضرت عمرؓ کی بات سن کر انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور فریقین میں تیراندازی شروع ہوگئی۔ تب آپ کے حکم پر صحابہؓ نے ایک جٹ ہو کر حملہ کر دیا۔ دس جانیں کھونے کے بعد مشرکین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں میں ایک شخص غلطی سے شہید ہوا۔ پورا قبیلہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ نے شکست خوردہ لوگوں پر احسان کرنا چاہا، چنانچہ قبیلہ کے سردار حارث کی بیٹی حضرت جویریہؓ کو آزاد کر کے آپ نے شادی کر لی۔ اب لوگوں کو شرم محسوس ہوئی کہ آپ کی سسرال والوں کو کیسے غلامی میں رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا اس طرح حضرت جویریہؓ اپنے قبیلہ والوں کے لئے سب

Marfat.com

سے بابرکت ثابت ہوئیں کہ ان کی شادی کی بدولت بنی مصطلق کے سو گھرانے آزاد ہو گئے۔

لیکن اس کامیابی کو منافقین کی حرکتوں نے مکدر کر دیا۔ ہوا یوں کہ حضرت عمرؓ کا ایک خادم مریسیع کے چشمہ سے ان کے لئے پانی لے رہا تھا کہ بنی عوف بن خزرج کے ایک خادم کے ساتھ پہلے پانی لینے پر جھگڑا ہو گیا۔ پہلے نے مہاجرین کو آواز دی دوسرے نے انصار کو۔ عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں نے جیسے ہی یہ آواز سنی، موقع کو غنیمت جانا کہ جاہلی نعروں کو زندہ کرنے کا سنہرا موقع آ گیا ہے۔ جھٹ سے بولا، کیا ایسا ہو گیا۔ یہ لوگ خود ہمارے ملک میں آ کر ہم پر غالب ہو رہے ہیں۔ خدا کی قسم اگر ہم مدینہ لوٹے تو جو زیادہ عزت دار ہے وہ کم تر عزت والے کو وہاں سے ضرور نکال دے گا۔ پھر وہ اپنے لوگوں میں گھوم گھوم کر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کے خلاف بھڑکانے لگا۔ حضرت زید بنؓ ارقم نے جا کر آپؐ کو یہ خبر دی، جلد ہی عبداللہ بن ابی بھی وہاں پہنچ گیا اور اس کی تردید کر کے اپنی براءت ظاہر کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کے مقام کو دیکھتے ہوئے اس کی بات مان لی اور کہہ دیا کہ زید ابھی لڑکے ہیں بات سمجھ نہیں سکے ہوں گے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ سے تو حقیقت چھپ نہیں سکتی تھی۔ آپؐ کو رنج ہوا اور آپؐ نے خیال فرمایا کہ اس کا بہترین علاج یہی ہے کہ لوگوں کو مشغول کر دیا جائے تاکہ اس ناگوار واقعہ کا اثر مٹ جائے۔ چنانچہ آپؐ نے خلاف معمول کوچ کرنے کا حکم دے دیا پھر سب کو لے کر پورے دن چلتے رہے، پوری رات چلتے رہے، پھر صبح جب دھوپ کافی چڑھ گئی تب کہیں جا کر ٹھہرے۔ لوگ اتنے تھک چکے تھے کہ رکتے ہی سونے لگے۔ البتہ آپؐ نے سفر جاری رکھا یہاںتک کہ مدینہ لوٹ آئے۔

اب سورہ منافقون نازل ہوئی تو حضرت زیدؓ بن ارقم کی بات کی تصدیق ہو گئی

یقولون لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعزمنها الاذل ولله العزة ولرسوله وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون (المنافقون:۸)	یہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔

عبداللہ ابن ابی نے جھوٹی قسم کھائی تھی اگر وہ اپنے گناہ کی معافی طلب کرتا تو اس کے لئے زیادہ مناسب ہوتا لیکن آپؐ کی درگذر نے اسے اور کھل کھیلنے پر آمادہ کیا۔

Marfat.com

دشمنی دشمنی میں بھی زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ابوجہل مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا اور اس کی عداوت کی کوئی انتہا نہیں تھی، لیکن وہ کھلا دشمن تھا۔ دن کی روشنی میں تلوار اٹھائی اور اپنی موت تک لڑتا رہا۔ لیکن عبداللہ بن ابی تو بچھو تھا، چھپ کر ڈنک مارتا تھا اور بغض و کینہ کی شدت میں پاکباز عورتوں کے خلاف تہمت تراشنے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔

قصۂ افک

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے سفر میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمن منافقین کو افک کا قصہ گھڑنے اور پھیلانے کا موقع مل گیا۔ اس بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کو درہم برہم کرنے اور مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی پیدا کر دینے کے لئے آپؐ کی عزیز ترین ہستی کو اپنا نشانہ بنایا۔ یعنی حضرت عائشہؓ جو ابھی معصوم بچی ہی تھیں اور کسی برائی سے واقف ہی نہیں ہو سکتی تھیں۔ پھر ان کی پیدائش و تربیت حضرت ابوبکرؓ جیسے صدیق و پاکباز کے گھر میں ہوئی تھی اور انہیں دنیا و آخرت میں انبیاءؑ کے سردار کی رفاقت کے لئے چنا گیا تھا۔ عام مسلمان یہ افواہ سن کر دہشت زدہ رہ گئے۔ واقعہ کی تفصیل خود حضرت عائشہؓ کی زبانی سنئے جو بخاری و مسلم اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں منقول ہے:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا وہی سفر میں ساتھ جاتا۔ جب غزوۂ بنی مصطلق پیش آیا تو میرا نام نکلا، چنانچہ میں سفر میں ساتھ ہوئی۔ تب عورتیں پُرگوشت ہونے سے بھاری نہیں ہوتی تھیں۔ جب میرا اونٹ چلنے والا ہوتا تو میں ہودج میں بیٹھ جاتی پھر لوگ آ کر ہودج نیچے سے پکڑ کر اٹھاتے اور اونٹ پر لاد دیتے اور اسے رسیوں سے کس دیتے پھر چل پڑتے۔ جب آپؐ نے اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپسی کا سفر شروع کیا اور مدینہ کے قریب پہنچ کر منزل کی، تو رات میں کچھ دیر آرام کے بعد پھر کوچ کرنے کا اعلان ہوا، لوگ تیار ہونے لگے۔ میں کسی ضرورت سے نکلی۔ میرے گلے میں ایک ہار تھا، جب واپس ہونے لگی تو ہار نکل کر کہیں گر پڑا اور مجھے

Marfat.com

پتہ بھی نہیں چلا۔ لوگوں نے کوچ کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں اس جگہ دوبارہ گئی تو تلاش کرنے پر ہار مل گیا۔ اس دوران جو لوگ میرا ہودج اٹھاتے تھے آ گئے اور انہوں نے سمجھا کہ میں حسب عادت ہودج میں سوار ہوں، چنانچہ انہوں نے اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ کر کس دیا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر چل پڑے۔

میں پڑاؤ پر لوٹی تو وہاں کوئی نہیں رہ گیا تھا، سب لوگ جا چکے تھے، تب مجبوراً میں نے اپنی چادر جسم سے لپیٹ لی اور وہیں لیٹ گئی اور سوچا کہ جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ میں ہودج میں سوار نہیں ہو پائی تھی تو لوٹیں گے۔ خدا کی قسم میں لیٹی ہوئی ہی تھی کہ (حضرت) صفوان بن معطل سلمی جو اپنی کسی ضرورت سے پیچھے رہ گئے تھے اور لوگوں کے ساتھ رات میں پڑاؤ نہیں کر سکے تھے، وہاں سے گذرے، جب انہوں نے کسی کی موجودگی کا احساس کیا تو آئے۔ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے۔ جب مجھے پڑے دیکھا تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور بولے: رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ؟ اللہ آپ پر رحم کرے، کس لئے پیچھے رہ گئیں؟ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر انہوں نے اپنا اونٹ میرے قریب کیا اور کہا سوار ہو جائیے۔ یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گئے۔ تب میں سوار ہو گئی پھر انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑ کر قافلے کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ خدا کی قسم نہ ہمیں لوگ ملے اور نہ مجھے گم سمجھ کر تلاش کیا گیا، یہانتک کہ صبح (دھوپ چڑھنے کے بعد) لوگ پڑاؤ کے لئے اتر پڑے۔ ابھی وہ ٹھہرے ہی تھے کہ وہ (حضرت صفوان) میرے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے پہنچ گئے۔ بہتان والوں نے معلوم نہیں کیا کیا کہا کہ پورے لشکر میں ہلچل مچ گئی لیکن مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہوا۔

پھر ہم مدینہ آ گئے اور میں شدید طور پر بیمار پڑ گئی۔ ابھی مجھے کوئی بھی خبر نہیں پہنچ سکی تھی۔ بات رسول اللہؐ اور میرے والدین کے درمیان محدود تھی اور وہ مجھے کم زیادہ کچھ نہیں بتاتے تھے۔ البتہ مجھے اس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی اپنے اوپر مہربانی میں کچھ کمی محسوس رہی تھی۔ جب آپؐ میرے پاس تشریف لاتے تو میری والدہ میری تیمارداری کے لئے موجود ہوتیں۔ آپؐ صرف اتنا کہتے کہ کیسی ہیں؟ یہانتک کہ مجھے دل میں غصہ محسوس ہونے لگا۔ جب میں نے آپ کی یہ بے مروتی دیکھی تو ایک بار عرض کیا یا رسولؐ اللہ! اگر آپؐ اجازت دیں تو میں اپنی ماں کے مکان میں منتقل ہو جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا:

Marfat.com

کوئی حرج نہیں۔تب میں اپنی ماں کے گھر چلی گئی۔

مجھے اب بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ (بیماری کو) بیس روز سے زیادہ گذر گئے اور درد سے مجھ میں کمزوری آگئی۔ ہم لوگ دیہاتی لوگ تھے۔ عجمیوں کی طرح اپنے گھروں میں استنجا خانے نہیں بناتے تھے۔ ہم اسے ناپسند کرتے تھے۔عورتیں قضائے حاجت کے لئے رات میں باہر میدان میں نکل جاتی تھیں۔ایک رات میں نکلی تو میرے ساتھ ام مسطح تھیں وہ میرے ساتھ چل رہی تھیں کہ اپنی چادر میں پھنس کر لڑکھڑا گئیں، انہوں نے کہا مسطح کی بربادی ہو۔ میں نے کہا: خدا کی قسم، تم نے مہاجرین میں سے ایک شخص کے لئے جو غزوۂ بدر میں شرکت کر چکا ہے بدترین بات کہی۔انہوں نے کہا ابوبکر کی بیٹی! کیا تمہیں ابھی تک خبر نہیں پہنچی؟ میں نے کہا: کون سی خبر؟ تب انہوں نے پوری بات بتائی۔ میں نے کہا کیا ایسا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں خدا کی قسم!

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم میں اپنی ضرورت بھول گئی اور لوٹ آئی اور برابر روتی رہی یہاںتک مجھے ایسا لگنے لگا کہ رونا میرا جگر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ میں نے اپنی ماں سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے، لوگوں نے اتنی باتیں کرلیں اور آپ نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا؟ انہوں نے کہا: بیٹی! اپنے احساسات ہلکے کرو۔خدا کی قسم کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خوبصورت عورت کسی مرد کے پاس ہو اور وہ اس سے محبت کرتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ اور لوگ اس کے خلاف خوب باتیں نہ بنائیں۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں کے سامنے تقریر کی ــــــ اور مجھے علم نہیں تھا ــــــ اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: لوگو! کچھ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ میرے اہل خانہ کے سلسلے میں مجھے اذیت پہنچا رہے ہیں اور ان کے خلاف غلط بات کر رہے ہیں؟ خدا کی قسم مجھے صرف ان کے تعلق سے بھلائی ہی کا علم ہے۔اور جس شخص کے بارے میں لوگ باتیں بنا رہے ہیں اس کے بارے میں بھی مجھے بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں۔حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق اس معاملہ میں پیش پیش عبداللہ ابن ابی اور خزرج کے کچھ لوگ تھے ان کے علاوہ مسطح اور حمنہؓ بنت جحش بھی تھیں۔وہ اس لئے کہ ان کی بہن حضرت زینب بنت جحش رسول اللہ ﷺ کی بیگمات میں شامل تھیں اور بیگمات میں وہی ان کی کسی حد تک ہمسری کرتی تھیں۔حضرت زینبؓ کو تو ان کے دین کی

Marfat.com

وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بچالیا اور انہوں نے بھلائی کے علاوہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالا، لیکن حمنہ نے اپنی بہن کا درجہ بڑھانے کے لئے افواہ پھیلانے میں حصہ لیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات ارشاد فرمائی تو حضرت اسیدؓ بن حضیر نے کہا یارسول اللہ! اگر ان لوگوں کا تعلق قبیلہ اوس سے ہے تو ہم ان کے لئے کافی ہو جائیں گے اور اگر ہمارے بھائیوں خزرج والوں سے تعلق رکھتے ہیں تو ہمیں حکم فرمایئے، خدا کی قسم وہ گردن ماردینے ہی کے لائق ہیں۔ یہ سن کر سعد بن عبادہ اٹھے۔۔ اس سے پہلے انہیں نیک آدمی سمجھا جاتا تھا۔۔ اور کہنے لگے: خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا۔ ان کی گردنیں نہیں ماری جائیں گی۔ تم نے یہ بات صرف اس لئے کہی ہے کہ تم جانتے ہو کہ ان لوگوں کا تعلق خزرج سے ہے۔ اگر وہ تمہارے قبیلہ کے ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔

حضرت اسیدؓ نے کہا: خدا کی قسم، تم نے جھوٹ کہا، تم منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے بحث کر رہے ہو۔

لوگوں میں بات بڑھنے لگی اور ایسا لگنے لگا کہ دونوں قبیلے بھڑ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے آئے۔ پھر علیؓ اور اسامہؓ بن زید کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا۔ اسامہؓ نے بھلی بات ہی کی اور کہا: یارسول اللہ! آپ کے اہل خانہ ہیں ہم ان کے تعلق سے بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔ یہ جھوٹ اور باطل ہے۔ اور علیؓ نے کہا: یارسولؐ اللہ! عورتیں بہت ہیں اور آپؐ بدل بھی سکتے ہیں۔ پھر لونڈی سے پوچھ لیجئے وہ سچ بتائے گی۔ چنانچہ آپؐ نے بریرہؓ (لونڈی) کو پوچھنے کے لئے بلایا۔ علیؓ نے اٹھ کر اسے سخت مار ماری اور کہا: رسولؐ اللہ کو سچ سچ بتانا۔ بریرہؓ نے یہی کہا کہ خدا کی قسم مجھے بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں معلوم۔ میں تو عائشہؓ میں بس یہ کمی پاتی ہوں کہ میں آٹا گوندھتی تھی اور ان سے کہتی تھی کہ ذرا اس کی نگرانی کیجئے گا اور وہ سو جاتی تھیں اور بکری آ کر اسے کھا لیتی تھی۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے میرے پاس میرے والدین بھی تھے اور ایک انصاری خاتون بھی تھیں میں اور وہ رو رہی تھیں۔ آپؐ بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: عائشہ! لوگوں کی باتیں تم تک پہنچ چکی ہیں۔ اللہ سے ڈرو اور اگر تم سے ایسی کوئی برائی سرزد ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے

Marfat.com

توبہ کرلو وہ اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ نے جیسے ہی یہ فرمایا، میرے آنسو رک گئے آپؐ نے کچھ محسوس نہیں فرمایا۔ میں نے انتظار کیا کہ میرے والدین میری طرف سے جواب دیں لیکن وہ چپ رہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں خدا کی قسم میں اپنے دل میں اپنے آپ کو اس سے کہیں کمتر سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کوئی آیت نازل فرمائے گا، البتہ یہ امید کرتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ خواب میں کوئی چیز دیکھ لیں گے جس سے اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی ظاہر فرمادے گا، کہ وہ تو میری براءت جانتا ہی ہے میرے بارے میں قرآن نازل ہو، خدا کی قسم میں اپنے نزدیک اس سے کہیں کمتر تھی۔

جب میں نے دیکھا کہ میرے والدین بولتے ہی نہیں تو میں نے کہا۔ آپ لوگ رسولؐ اللہ کو جواب نہیں دیں گے؟ انہوں کہا: خدا کی قسم سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ کسی گھر والوں پر ایسی حالت طاری ہوئی ہو جو ان دنوں ابوبکرؓ کے گھر والوں پر تھی۔ پھر فرمایا: کہ جب وہ دونوں چپ رہے تو میں اشکبار ہوگئی اور رو پڑی پھر کہا: خدا کی قسم آپ نے جو کہا ہے، اس سے میں اللہ تعالیٰ سے ہرگز توبہ نہیں کرسکتی۔ حدا کی قسم میں جانتی ہوں کہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر میں اس کا اقرار بھی کرلوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو میں یقیناً غلط کہوں گی اور اگر انکار کرتی ہوں تو آپ لوگ سچ نہیں مانیں گے، پھر میں نے حضرت یعقوبؑ کا نام یاد کرنے کی کوشش کی تو نہیں یاد آیا تب میں نے کہا کہ میں وہی کہتی ہوں جو حضرت یوسفؑ کے والد نے کہا تھا:

فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون (یوسف:۱۸)
اچھا صبر کروں گا اور بخوبی صبر کرونگا جو بات تم بتارہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابھی مجلس سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ ان پر وحی والی غشی چھا گئی۔ آپ کو کپڑے سے ڈھانک دیا گیا اور سر کے نیچے تکیہ لگا دیا گیا میں نے جب یہ دیکھا تو نہ خوفزدہ ہوئی، نہ مجھے کوئی پرواہ ہوئی، کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ رہے میرے والدین تو اس

Marfat.com

ذات کی قسم، جس کے قبضے میں عائشہ کی جان ہے رسول اللہ ﷺ کی غشی کی حالت ختم ہوئی کہ مجھے گمان ہوا جیسے اس خوف سے ان کی جان نکل جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی بات کی تصدیق نہ آ جائے۔ پھر آپؐ ہوش میں آ کر اٹھ بیٹھے۔ سردی کے دن بھی آپؐ کے چہرے سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ آپؐ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگے اور فرمانے لگے۔ عائشہ تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت نازل کردی ہے۔ میں نے کہا الحمد للہ۔ پھر آپؐ نکل کر لوگوں کے پاس گئے اور ان سے خطاب کرتے ہوئے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

ان الذین جاءوا بالافك عصبة منكم لا تحسبوه شرا لكم بل هو خير لكم لكل امرئ منهم ما اكتسب من الاثم والذی تولی كبره منهم له عذاب عظيم (النور: ۱۱)	جو لوگ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لئے خیر ہی ہے۔ جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لئے تو عذاب عظیم ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جن پر تہمت طرازی کا الزام ثابت ہو گیا تھا ان پر حد جاری کی گئی۔ یہ تھے حضرت حسانؓ بن ثابت، مسطح اور حمنہ۔ اور اس سازش کا بانی مبانی عبداللہ ابن ابی اپنی چالاکی سے دوسروں کو پھنسا کر بچ گیا۔

بہت سے سیرت نگار واقعہ افک اور غزوہ بنی مصطلق کو غزوۂ خندق کے بعد کے واقعات مانتے ہیں جبکہ میرے نزدیک امام ابن قیمؒ وغیرہ کی تحقیق زیادہ صحیح لگتی ہے کہ یہ غزوہ خندق سے پہلے پانچویں ہجری سال کے واقعات ہیں۔

غزوۂ احزاب (خندق)

مشرکین عرب کے گروپوں کو اب تک یقین ہو چکا تھا کہ وہ علیحدہ علیحدہ جنگ کر کے اسلام پر غالب نہیں آ سکتے، البتہ اگر متحد ہو کر حملہ آور ہوں تو شاید کامیاب ہو جائیں جزیرۂ عرب کے یہودیوں کے رہنما اس حقیقت کو سب سے زیادہ سمجھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ تمام عربوں کو اسلام کے خلاف بھڑکا کر ایک زبردست لشکر کی صورت میں اکٹھا کر دیا جائے جو حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں سے فیصلہ کن

Marfat.com

جنگ لڑ لے۔

چند یہودی رہنما قریش کے پاس بھی پہنچے اور انہیں یہ کہہ کر جنگ پر ابھارا کہ ہم تمہارا ساتھ دیں گے تا کہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔قریش پچھلے سال معرکہ آرائی کا وعدہ ٹال چکے تھے۔اس لئے اپنی بات کی لاج رکھنے اور اپنی ساکھ کو بچانے کے لئے انہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنا ناگزیر ہی تھا۔اب جب یہودی بھی اس مہم میں ساتھ دے رہے تھے، تذبذب کی کیا گنجائش رہ گئی تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ توریت کے علماء نے مکہ کے صنم پرستوں سے کہا کہ حضرت محمد ﷺ سے جنگ برحق ہے اور آپ کو نیست ونابود کر دینا اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والا کام ہے، کیونکہ قریش کا دین آپ کے دین سے افضل ہے اور دور جاہلیت کی روایتیں قرآنی تعلیمات سے افضل ہیں۔اہل قریش یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کی جارحیت پسندی اور بڑھ گئی۔یہودیوں نے وعدہ کیا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کی صورت میں وہ ان کا ساتھ دیں گے۔یہودیوں نے اہل قریش کو غطفان اور دیگر اسلام دشمن قبائل سے بھی ایسے ہی معاہدے کرنے پر آمادہ کیا۔

اس طرح یہودیوں کے سیاستداں اور لیڈر کفر وشرک کی طاقتوں کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت کے خلاف مورچہ بند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔مسلمانوں نے بڑھتے ہوئے خطرہ کو بھانپ لیا اور جلدی سے اپنے دفاع کے لئے ایک ایسا منصوبہ بنالیا جس سے عرب بالکل ناواقف تھے وہ تو کھلے میدانوں میں لڑنا جانتے تھے۔اس بار مسلمانوں نے مدینہ منورہ کے میدانی اطراف میں (جہاں پہاڑوں کی قدرتی فصیل نہیں تھی) گہری خندق کھود لی۔

مشرکین کے گروہ اتنی زبردست تعداد میں وہاں پہنچے کہ مسلمانوں کے لئے انہیں پسپا کرنا نہایت مشکل نظر آرہا تھا۔اس لشکر میں قریش کے ساتھ کنانہ، تہامہ، غطفان اور نجد کے دیگر قبائل سے تعلق رکھنے والے دس ہزار افراد شامل تھے۔

مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو محفوظ پناہ گاہوں میں پہنچادیا اور خود چیلنج کا سامنا کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، انہوں نے اس طرح پوزیشن سنبھالی کہ سلع پہاڑ کی طرف ان کی پشت تھی اور شدید مشقتوں کے ساتھ کھودی ہوئی خندق کے ایک

Marfat.com

طرف مورچے بنائے ہوئے تھے۔ان کی مجموعی تعداد تین ہزار کے قریب تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے خیال فرمایا کہ اس زبردست لشکر کے ساتھ کھلے میدان کی لڑائی کامیابی کا راستہ نہیں۔مومنین کی چھوٹی سی تعداد اس امنڈتے ہوئے سیلاب کو کیسے روک سکتی تھی۔اسی لئے آپؐ نے یہ ترکیب اختیار کی جو روایات کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ نے بتائی تھی۔پتھریلی زمین میں خندق کھودنا معمولی کام نہیں تھا آپؐ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے کھدائی کرنے اور اپنے کاندھوں پر مٹی اور پتھر ڈھونے میں برابر حصہ لے رہے تھے۔معمر و نفیس لوگ تک اس عجیب و غریب کام میں جوش و خروش کے ساتھ اپنی جانیں کھپا رہے تھے۔

حضرت براءؓ بن عازب روایت کرتے ہیں کہ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ مٹی ہٹا رہے تھے اور گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے۔یہ نغمہ آپ کی زبان پر تھا۔

(ترجمہ) خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نہ ہوتا تو ہمیں نہ ہدایت ملتی، نہ ہم نماز پڑھتے، نہ صدقہ کرتے، تو اے پروردگار ہم پر سکینت نازل فرما اور ان دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ جو ہم پر چڑھ آئے ہیں۔وہ جب فتنہ کی آگ بھڑکاتے ہیں ہم اس میں پھنسنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

یہ اشعار حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے تھے۔لوگ تھکن کا احساس کم کرنے کے لئے انہیں پڑھتے تھے اور آپؐ بھی ان کے ساتھ دہراتے تھے۔

اسلام کی مدافعت اور مشرکین کی فتح کی صورت میں پیدا ہونے والے فتنہ کے اندیشہ کے پیش نظر آپؐ اور آپؐ کے ساتھی خوش خوش یہ بھاری مشقت جھیل رہے تھے۔خندق کی کھدائی اور مٹی ہٹانے میں آپ کا عمل موجودہ زمانہ کے لیڈروں کی طرح کی ڈرامابازی ہرگز نہیں تھا۔یہ تو بہترین عملی نمونہ کی صورت تھی۔

سچے ہیرو اداکاری نہیں کیا کرتے۔

موسم سردی کا تھا اور ہوا سخت ٹھنڈی۔شدید حصار کی وجہ سے مدینہ میں غذائی قلت کا بحران بھی پیدا ہو سکتا تھا۔اور مایوسی سے بڑھ کر مزاحمت کا جذبہ ختم کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔اسی لئے آپؐ اپنے لوگوں کے حوصلے بڑھانے کی کوشش فرماتے رہے تاکہ انہیں یقین رہے کہ مصیبت کے یہ بادل جلد چھٹ جائیں گے، اسلام کا کارواں پھر رواں دواں ہو جائے گا، لوگ گروہ در گروہ اسے قبول کریں گے اور ظلم و ستم

Marfat.com

کے شکنجے ٹوٹ جائیں گے، تب کوئی آزمائش باقی نہیں رہ جائے گی۔

حضرت عمروؓ بن عوف روایت کرتے ہیں کہ میں، حضرات سلمانؓ وحذیفہؓ ونعمانؓ بن مقرن اور چھ دیگر انصاریوں کے ذمہ چالیس گز زمین کی کھدائی تھی۔ ہم کھودتے رہے یہانتک کہ ایک سفید چٹان درمیان میں آ گئی، جس سے ہمارے پھاوڑے وغیرہ ٹوٹ گئے اور وہ ہم سے ٹوٹ نہیں سکی۔ تب حضرت سلمانؓ آپؐ کے پاس گئے اور صورتحال بیان کی۔ آپ تشریف لائے، حضرت سلمانؓ سے پھاوڑا لیا اور چٹان پر ایسی ضرب لگائی کہ اس میں شگاف پڑ گیا اور اس سے اڑنے والی چنگاریوں سے گھپ اندھیرے میں لمحہ بھر کو اجالا ہو گیا۔ آپؐ نے فاتحانہ نعرۂ تکبیر لگایا اور مسلمانوں نے بھی لگایا۔ پھر آپؐ نے دوسری، تیسری اور مزید ضربیں لگائیں، یہانتک کہ چٹان چور چور ہو گئی۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا، آپؐ کے دل میں امید واعتماد کی شعاعیں روشن تھیں اور ان شعاعوں سے آپؐ اپنے ساتھیوں کے دل ودماغ بھی روشن کر رہے تھے۔ فرمایا کہ چٹان کی پہلی ضرب سے جو شرارے نکلے ان سے میرے لئے حیرہ ومدائن میں کسریٰ کے محل ظاہر ہوئے، جیسے کتوں کے دانت ہوں۔ جبرئیلؑ نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر قابض ہوگی۔ دوسری ضرب سے نکلنے والے شراروں سے روم کے سرخ محل ظاہر ہوئے جیسے کتوں کے دانت ہوں اور جبرئیلؑ نے مجھے بتایا کہ ان پر میری امت قابض ہوگی، تیسری ضرب کے شرارہ سے صنعاء کے محل کتوں کے دانتوں کی طرح نمایاں ہوئے اور جبرئیلؑ نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر قابض ہوگی۔ تمہیں خوش خبری ہو۔

مسلمان ان خوش خبریوں سے سرشار ہو گئے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ جب مشرکین نے مدینہ منورہ کو پوری طرح گھیر لیا تو مسلمانوں میں کوئی گھبراہٹ پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ پورے یقین واعتماد کے ساتھ سخت حالات کا مقابلہ کرنے لگے۔

ولما رای المومنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله ومازادهم الا ایمانا وتسليما (الاحزاب:۲۲)	اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ "یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

ہاں کمزور وبیمار دلوں والے اور شک وشبہ میں گرفتار لوگ فتح کی باتوں پر یقین

Marfat.com

نہیں کر رہے تھے اور اسے فریب خوردگی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا کہ ''وہ تمہیں بتا رہے ہیں کہ وہ مدینہ سے حیرہ و مدائن کسریٰ کے محل دیکھ رہے ہیں اور تم یہاں خندق کھود رہے ہو، باہر نہیں نکل سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غرورا (الاحزاب:۱۲)

یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو وعدے ہم سے کئے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے۔

غزوۂ خندق (احزاب) طاقت آزمائی سے زیادہ اعصابی جنگ ثابت ہوئی۔ فریقین کے مقتولین کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔

لیکن یہ تاریخ اسلام کے انتہائی فیصلہ کن معرکوں میں سے ایک تھا۔ کیونکہ اس وقت اسلام کی رسالت عظمیٰ کی پوزیشن ایسی ہو گئی تھی جیسے کوئی شخص پہاڑ کی کسی بلند اور خطرناک چوٹی پر چل رہا ہو، یا کسی رسی سے جھولتے ہوئے کوئی خطرناک گھاٹی طے کر رہا ہو اور اگر ذرا سا بھی توازن بگڑ جائے تو اگلے لمحے کسی گہرے گڈھے میں دم توڑتا نظر آئے اور اس کا بدن ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائے۔ صورتحال یہ تھی کہ گویا مسلمان ایک ایسا جزیرہ بن گئے ہیں جو سب سے الگ تھلگ ہو کر ایک ایسے طوفان میں گھر گیا ہو جو دن رات اسے غرق کر دینے کے لئے کوشاں ہو۔ مدافعت و مزاحمت کرنے والے تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد اچک اچک کر دیکھتے ہوں کہ ان کی دفاعی لائن کہیں سے ٹوٹ تو نہیں رہی ہے۔ مشرکین جوش غضب کے ساتھ مدینہ کے ارد گرد چکر لگا لگا کر کوئی کمزور پوئنٹ تلاش کرتے پھرتے تھے تاکہ وہاں سے در اندازی کر کے اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر سکیں۔

مسلمان بھی بخوبی واقف تھے کہ اس حصار کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما ہیں چنانچہ انہوں نے بھی طے کر رکھا تھا کہ وہ اپنی پوزیشنوں سے لمحہ بھر کے لئے بھی نہیں ہٹیں گے اور جو بھی قریب آنے کی کوشش کرے گا اسے اپنے تیروں سے چھلنی کر ڈالیں گے۔ یہ جو کسی میدانی علاقوں سے لے کر پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کی حدود

Marfat.com

دن بدن پھیلتی جارہی تھیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذ جاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیداً (الاحزاب: ۱۰۔۱۱)	جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔

قریش کے شہسوار مدینہ کے اردگرد اس طرح کھڑے رہنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔حصار ڈالنا اور اس کے نتائج کا انتظار کرنا ان کی عادت نہیں تھی۔چنانچہ عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابو جہل اور ضرار بن خطوب گھوڑوں پر سوار آگے بڑھے اور جب خندق کے کنارے پہنچے تو بول پڑے، خدا کی قسم یہ ایسا جنگی حربہ ہے جس سے عرب واقف نہیں۔پھر انہوں نے ایسی جگہ کا ارادہ کیا جہاں خندق کچھ تنگ تھی۔انہوں نے گھوڑوں کو چابک رسید کی تو وہ کود کر پار ہونے لگے۔مسلمانوں نے قریب آتے ہوئے اس خطرہ کو محسوس کرلیا ان کے شہ سوار حضرت علیؓ بن ابو طالب کی کمان میں فوراً آگے بڑھے۔

حضرت علیؓ نے عمرو بن عبدود سے جو مشہور بہادر جنگجو شہ سوار تھا کہا: عمرو! تم نے خدا سے عہد کر رکھا تھا کہ قریش کا کوئی فرد جب بھی تم کو دو چیزوں کی طرف بلائے گا تو تم ایک ضرور مان لوگے۔عمرو نے کہا: ہاں۔حضرت علیؓ نے کہا: میں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔عمرو نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔حضرت علیؓ نے کہا: تب میں تمہیں مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں۔عمرو نے کہا: بھتیجے! ایسا کیوں! خدا کی قسم میں تجھے۔۔۔کمتر سمجھتے ہوئے۔۔۔قتل نہیں کرنا چاہتا۔حضرت علیؓ نے کہا: لیکن خدا کی قسم میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔تب عمرو کو بھی کو جوش آ گیا، وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اسے مار کر حضرت علیؓ کی طرف بڑھا۔دونوں میں مقابلہ ہوا تو میدان حضرت علیؓ کے ہاتھ رہا۔مشرکین کے گھوڑے شکست کھا کر خندق سے بھاگ نکلے۔

بچے گھروں سے مجاہدین کی سرگرمیاں دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح حملہ کو پسپا کر رہے ہیں حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ مجھے عمروؓ بن ابو سلمہ کے ساتھ خندق کے دن عورتوں اور بچوں کے ساتھ ایک قلعہ پر رکھ دیا گیا تھا۔وہ میرے لئے جھک

Marfat.com

جاتے اور میں ان کی پیٹھ پر چڑھ کر نگاہ دوڑاتا۔ میں نے اپنے والد (حضرت زبیرؓ) کو دیکھا کہ کبھی ادھر حملہ آور ہو رہے ہیں کبھی اُدھر۔ جو چیز بھی ان کے سامنے ابھرتی اسی کی طرف دوڑ پڑتے۔ جب شام کو گھر آئے تو میں نے کہا: ابا جان! آج میں نے دیکھا تھا کہ آپ کیا کر رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا: بیٹے کیا تم نے مجھے دیکھا تھا؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا تم پر میرے ماں باپ نثار ہوں۔

اس سخت ترین گھڑی میں یہ خبریں پہنچیں کہ بنوقریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا جانے والا اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے اور مدینہ کو گھیر لینے والے دشمنوں کیساتھ جا ملے ہیں۔

ہوا یوں کہ حی بن اخطب، جو قریش اور تمام عربوں کو اسلام کے خلاف جنگ کے لئے بھڑکانے والوں یں شامل تھا، قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس پہنچا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب سے مشرکین کی فوجوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ کعب نے قلعہ بند ہو کر اپنے دروازے بند کر لئے تھے اور فیصلہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی پابندی کرے گا اور ان کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کرے گا۔ کاش وہ اسی ارادہ پر برقرار رہ گیا ہوتا۔ لیکن حی بن اخطب دروازے پر کھڑا رہا اور کھولنے کے لئے زور دیتا رہا۔ کعب نے کہا: تم منحوس آدمی ہو۔ میں نے محمدؐ سے معاہدہ کر رکھا ہے۔ میں اسے توڑنے والا نہیں، میں نے ان کی طرف سے سچائی اور عہد کی پابندی کے علاوہ کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حی نے کہا: دروازہ تو کھولو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ کعب نے کہا کہ میں ایسا نہیں کرنے والا۔ حی نے کہا: خدا کی قسم، تم نے صرف اس ڈر سے دروازہ بند کر رکھا ہے کہ میں تمہارے کھانے میں شریک ہو جاؤں۔ تب کعب نے دروازہ کھول دیا۔ حی اندر پہنچا اور کہنے لگا میں تمہارے پاس زمانہ بھر کی عزت لے کر آیا ہوں۔ کعب نے کہا: وہ کیا؟ حی نے کہا: میں قریش کے سرداروں اور کمانڈروں کو کھینچ لایا ہوں، اسی طرح غطفانیوں کو بھی۔ یہ لوگ چڑھ آئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ مسلمانوں کو بالکل ختم کئے بغیر یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

کعب نے کہا: خدا کی قسم تم زمانہ بھر کی ذلت اور ایسا بادل لے کر آئے ہو جس کا پانی خشک ہو چکا ہے، بس وہ گرج چمک دکھا سکتا ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں

Marfat.com

نے محمدؐ سے وفاداری وسچائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔

کچھ دوسرے لوگوں نے بھی کہا کہ اگر تم معاہدے کے مطابق محمدؐ کی مدد نہیں کرتے تو انہیں ان کے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے دو۔

لیکن حی بن اخطب سارے یہودیوں کو اپنے نقطہ نظر کا قائل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس سخت گھڑی میں غداری کرنے اور مشرکین کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ معاہدہ کا کاغذ پھاڑ ڈالا گیا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے نمائندے بھیجے کہ مشرکین کے حملہ کے سلسلے میں بنوقریظہ کا موقف معلوم کریں تو وہ کہنے لگے: کون رسولُ اللہ! ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ نے انہیں ان کا معاہدہ یاد دلانے کی کوشش کی تو چپ سادھ لی، پھر جب انہوں نے غداری کے انجام سے ڈرایا اور بنونضیر کے انجام سے سبق لینے کو کہا تو انہیں فحش گالی دی۔

اب یہ بالکل واضح ہوگیا کہ بنوقریظہ معاہدہ کی پابندی صرف غداری کے انجام کے ڈر سے کر رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مسلمان چاروں طرف سے گھیر لئے گئے ہیں اور ان کی غداری کی باز پرس نہیں کرسکیں گے، تب انہوں نے غداری عیاں کردی اور حملہ آور مشرکین کے ساتھ مل گئے۔

جب مسلمانوں کے نمائندے یہ تشویشناک خبریں لے کر واپس آئے تو مسلمانوں کے دل یہودیوں سے نفرت سے بھر گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بنی اسرائیل نے یہ فیصلہ نتائج پر غور کرنے کے بعد کیا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ اس امت اور اس کے دین کو نیست ونابود کردینے کی سوچی سمجھی کوشش ہے اور یہودی اس طرح یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان مردوں کو قتل اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلامی کی طرف ڈھکیل دیں۔

جب قریظہ کی غداری کی خبر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ چادر لپیٹ کر لیٹ گئے۔ یہ صورت دیکھ کر لوگوں کو مصیبت کی سنگینی کا اور احساس ہوا۔ لیکن جلد ہی امید کی روح غالب آگئی اور آپؐ نے اٹھ کر فرمایا: تمہیں اللہ تعالیٰ کی فتح ونصرت کی خوشخبری ہو۔ آپؐ نے سوچا کہ حصار کرنے والے بعض قبائل کو مدینے کے پھلوں کی پیداوار کے ایک تہائی حصہ کی پیش کش کرکے واپس کردیا جائے اور ان کے شر سے بچ جایا جائے۔ آپ غطفان

Marfat.com

کے رہنماؤں سے بات چیت کے ذریعہ اس حل تک پہنچ جاتے اگر اوس وخزرج (انصاری قبیلوں) کے لئے اس پر رضا مند ہو جانا بھاری نہ پڑتا۔انہوں نے اپنے اوپر رسول اللہ ﷺ کی مہربانی اور اپنے خلاف عربوں کے اکٹھا ہجوم پر آپ کی تکلیف کو پوری طرح محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ یہ عرض کیا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ہم انہیں صرف تلوار ہی دیں گے یہانتک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔اس طرح حصار طویل ہوتا گیا۔

حضرت موسیٰؒ بن عقبہ بیان کرتے ہیں: مشرکین نے مسلمانوں کا گھیراؤ تقریباً بیس روز تک کیا۔ مسلمان گویا ایک قلعہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔مشرکین ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور یہ معلوم نہیں ہو پاتا تھا کہ کسی طرف سے شہر میں گھس تو نہیں گئے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مکان کی طرف ایک بھاری دستہ بھیجا، دن بھر لڑائی جاری رہی عصر کے وقت مشرکین گھر کے قریب پہنچ گئے۔رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی عصر کی نماز بھی ٹھیک سے ادا نہیں کر پائے۔رات ہوگئی تب کہیں جا کر مشرکین کا دستہ واپس گیا۔اور بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے ہمیں عصر کی نماز نہیں پڑھنے دی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور پیٹ میں آگ بھر دے۔

جب آزمائش سخت ہوگئی تو بہت سے لوگوں نے منافقت اختیار کی اور بری باتیں کرنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی آزمائش وتکلیف دیکھی تو انہیں یہ کہہ کر خوشخبری دینے لگے کہ ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم جو سخت حالات دیکھ رہے ہو وہ ہٹ جائیں گے اور مجھے امید ہے کہ میں کعبہ شریف کا طواف امن کے ساتھ کروں گا اور اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کی کنجیاں میرے حوالے کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کسریٰ وقیصر کو ہلاک کر دے گا اور تم لوگ ان کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

مزاحمت ودفاع کا بوجھ پختہ ایمان وہمت والوں پر پڑا۔ان کی ذمہ داری یہ بھی ہوگئی کہ وہ پست ہمت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی بے اطمینانی وتشویش کو دبائیں اور اقدام وشجاعت کے جذبہ کو بزدلی وتذبذب کے روکنے کا ذریعہ بنائیں۔

بڑے بحرانوں کے دوران لوگوں کے مزاجوں میں کافی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

کوئی فوراً گھبرا جاتا ہے اور سیلاب کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔
کوئی چٹان کی طرح سخت ہو جاتا ہے جس سے ٹکرا کر تیز آندھیاں بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔
کچھ لوگ خود سخت حالات کو چیلنج کر بیٹھتے ہیں۔
کچھ گھبرا کر اور زندگی کی محبت میں راہ فرار اختیار کر بیٹھتے ہیں۔
اسی قسم کے لوگوں کے لئے قرآن کریم نے فرمایا:

قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذا لاتمتعون الا قلیلا قل من ذا الذی یعصمکم من اللہ ان اراد بکم سوأ أو ازاد بکم رحمۃ ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا (الاحزاب: ۱۷،۱۶)

اے نبی" ان سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے لئے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا اس کے بعد زندگی کے مزے لوٹنے کا تھوڑا ہی موقع تمہیں مل سکے گا۔ ان سے کہو کون اس کی رحمت کو روک سکتا ہے اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے؟ اللہ کے مقابلے میں تو یہ لوگ کوئی حامی و مددگار نہیں پا سکتے ہیں۔

قریش نے جب خندق پار کرنے کی کوشش کی، جب رسول اللہ ﷺ کے گھر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور جب بھی دشمنوں نے مدینہ میں گھسنے کے لئے کوئی کمزور پوزیشن تلاش کرنے کی کوشش کی، تو یہی ٹھوس ایمان والے تھے جو فوراً آگے بڑھے اور دشمنوں کو جتلا دیا کہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے انہیں ہولناک مقابلہ کرنا پڑے گا۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہؓ خندق کے دن بنو حارثہ کے قلعہ میں تھیں، جو محفوظ ترین سمجھا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت ام سعدؓ بن معاذ بھی تھیں۔ ابھی حجاب کا حکم نہیں آیا تھا۔ حضرت سعدؓ رجز پڑھتے ہوئے نکلے ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور پورا بازو زرہ سے باہر نکلا ہوا تھا۔ ان کی ماں نے کہا میرے بیٹے جلدی کرو تم لیٹ ہو چکے ہو۔ میں نے ام سعدؓ سے کہا: کاش ان کی زرہ زیادہ مکمل ہوتی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سعدؓ کو تیر لگا جسے انہوں نے نکال کر باہر تو پھینک دیا لیکن زخم بہت شدید تھا۔ حضرت سعدؓ موت سے ڈرنے والے نہیں تھے لیکن اس کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ اس وقت تک جہاد میں حصہ لیتے رہیں جب تک اسلام کا معاملہ مستحکم نہ ہو جائے اور اس کے دشمن پست نہ ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی:

Marfat.com

اے اللہ! اگر قریش کے ساتھ جنگ کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہو تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھنا اور اگر اب ہمارے درمیان جنگ کا سلسلہ ختم ہو چکا ہو تو اس (زخم) کو میرے لئے شہادت کا ذریعہ بنا دینا، اور مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جبتک میری آنکھیں بنی قریظہ سے ٹھنڈی نہ جائیں۔

حضرت سعدؓ کی دعا سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہودیوں کی غداری اور معاہدہ شکنی سے مسلمانوں کے دلوں میں کس قدر غم و غصہ پیدا ہو چکا تھا۔

معاہدوں کے سلسلے میں بنی اسرائیل کا موقف قدیم زمانہ سے لے کر آج تک ایسا ہی رہا ہے کہ وہ اپنی کمینگی کبھی نہیں چھوڑتے۔ جب تک معاہدے ان کی خواہشات اور فائدے کے مطابق رہتے ہیں تب تک ان کی پاسداری کرتے ہیں اور جب ایسا نہیں رہ جاتا تو اسے بیکار گٹھلی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

سانپ ڈسنا نہیں چھوڑ سکتا۔

قرآن کریم بنی اسرائیل کی اس گھناؤنی عادت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس نے انہیں انسانوں سے جانوروں میں تبدیل کر دیا ہے:

ان شر الدواب عندالله الذين كفروا فهم لا يومنون الذين عاهدت منهم ثم ينقضون عهدهم فى كل مره وهم لا يتقون (الانفال: ۵۵-۵۶)

یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا پھر کسی طرح وہ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ (خصوصاً) ان میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف نہیں کرتے۔

حضرت سعدؓ کو دیکھ بھال کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ میں منتقل کر دیا گیا۔

☆☆☆

مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ کیا ہم کوئی دعا کریں کیونکہ اب تو جان حلق تک آ پہنچی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اے اللہ! ہماری ستر پوشی کر اور ہمارے خوف کو امن سے بدل دے۔ (احمد)

حضرت عبداللہؓ بن اوفی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احزاب کو بد دعا دیتے ہوئے کہا: اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے! احزاب

Marfat.com

کو شکست دے اور ہمیں فتح نصیب فرما (بخاری)

اللہ تعالیٰ کاہل و بے عمل کی دعا قبول نہیں کرتا۔ وہ تو کوشش کرنے والے یا صبر کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہے اور جلد کرتا ہے۔

مسلمان اپنے پیغام اور اپنے شہر کے دفاع میں اپنی سی ہر کوشش کر چکے تھے انسانی طاقت میں جو کچھ تھا اس میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اب یہی باقی رہ گیا تھا کہ عنایت الٰہی ان مظلوموں کی دستگیری کے لئے سامنے آ جائے۔ چنانچہ اب معرکہ عجیب غریب انداز میں پیش رفت کرنے لگا۔

وما یعلم جنود ربك الا هو (المدثر: ۳۱) اور تمہارے رب کے لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حملہ میں شامل بدو اس عجیب و غریب صورتحال سے بددل ہونے لگے۔ انہوں نے مدینہ کے اطراف میں خیمے ڈال رکھے تھے اور اس حصار کے خاتمہ کے آثار بھی کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اس لئے تو آئے نہیں تھے کہ ایک ناقابل عبور خندق اور اس کے پیچھے جانفروش مسلمانوں کی ناقابل شکست ثابت قدمی کے سامنے ڈیرہ ڈالے پڑے رہیں اور خود اپنے غذائی ذخیرے ختم کرتے رہیں۔

پھر ہوا بھی مخالف ہوگئی، ایسی چنگھاڑتی ہوئی تند و تیز آندھی چلنے لگی جو خیمے اکھاڑ کر فضا میں اڑانے لگی۔ دوسری طرف حلیفوں کے مفادات و مقاصد بھی مختلف تھے غطفان اور نجد کے قبائل تو صرف لوٹ مار کے لئے آئے تھے۔ اگر مسلمانوں کو شاق نہ گذرا ہوتا کہ وہ ڈر سے کچھ دے دیں اور انہیں مدینہ کی پیداوار کا ایک حصہ دینے پر رضا مند ہو گئے ہوتے تو یہ قبائل پہلے ہی لوٹ گئے ہوتے۔

پھر قریظہ نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ مشرکین کے ساتھ معاہدے کے خلاف ورزی کرتے ہوئے حملہ میں شرکت سے دور ہی رہے اور یہ انتظار کرتے رہے کہ عرب خود یہ کام انجام دیں۔

ایک یہودی نکلا بھی تو مسلمانوں کی ایک پناہ گاہ کے ارد گرد چکر لگانے لگا حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے نیچے اتر کر اسے قتل کر ڈالا۔

حضرت صفیہؓ آخر حضرت حمزہؓ ہی کی بہن تو تھیں۔

ابوسفیان نے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی صورت نظر نہیں آئی، جس سے اس کے دل

Marfat.com

میں کمزوری پیدا ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ حملہ آور گروہوں کے درمیان اس دراڑ سے واقف تھے۔ آپ ؐ نے کوشش فرمائی کہ اس دراڑ کو اور وسیع کر کے اپنے حق میں استعمال کر لیں۔ چنانچہ جب حضرت نعیمؓ بن مسعود مسلمان ہو کر آپ ؐ کے پاس آئے تو آپ ؐ نے فرمایا کہ وہ اپنے اسلام کو ابھی پوشیدہ رکھیں اور مشرکین میں واپس جا کر پھوٹ ڈالنے کی مہم سر کریں۔ آپ ؐ نے فرمایا: ''اگر کر سکو تو (حملہ آوروں کو) ہم سے دور بھگانے کی کوشش کرو، جنگ حیلہ کا نام ہے'' چنانچہ نعیم بنو قریظہ کے پاس پہنچے۔ دور جاہلیت میں وہ ان کے ہم مجلس رہ چکے تھے۔ ان سے کہا: بنو قریظہ! تم میری محبت اور اپنے ساتھ خاص تعلق سے واقف ہو انہوں نے کہا: تم ہمارے نزدیک قابل الزام نہیں ہو۔ نعیم نے کہا: قریش اور غطفان تمہاری طرح نہیں ہیں، یہ تمہارا وطن ہے، جہاں تمہارا مال و دولت اور آل و اولاد ہیں، تم یہاں سے کہیں اور نہیں جا سکتے۔ قریش اور غطفان (حضرت) محمدؐ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے آئے ہیں اور تم نے ان کی حمایت کی ہے۔ ان کا نہ یہ وطن ہے نہ یہاں ان کا مال و دولت اور آل و اولاد ہیں۔ اگر انہوں نے کامیابی دیکھی تو موقع سے فائدہ اٹھا لیں گے اور اگر دوسری صورت پیش آئی تو وہ اپنے وطن لوٹ جائیں گے اور تمہیں اور اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کو تمہارے ہی وطن میں تم سے نمٹنے کے لئے چھوڑ دیں گے اور اگر وہ لوگ چلے گئے تو تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ لہٰذا تم ان لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک وہ اپنے چند معزز لوگوں کو تمہارے پاس یرغمال نہ رکھ دیں۔ وہ تمہارے قابو میں ہوں گے تو تم اعتماد کے ساتھ جنگ کر سکو گے۔ انہوں نے کہا تم نے صحیح رائے دی۔

پھر نعیم قریش کے پاس پہنچے اور سفیان اور ان کے ساتھیوں سے کہا: تم جانتے ہو کہ مجھے تم سے محبت ہے اور میں نے محمد کو چھوڑ رکھا ہے۔ مجھے ایک بات معلوم ہوئی تو مجھے ضروری معلوم ہوا کہ تم تک پہنچا دوں کہ یہی خیر خواہی کا تقاضا ہے۔ تم اسے راز رکھنا۔ انہوں نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا تب انہوں نے کہا۔ جان لو کہ یہودی اپنے کیے پر پشیمان ہیں اور انہوں نے محمدؐ کے پاس پیغام بھیجا ہے کہ ہم اپنے کیے پر نادم ہیں کیا آپ اس سے مطمئن ہو جائیں گے کہ ہم قریش و غطفان کے چند بڑے لوگوں کو یرغمال

Marfat.com

بنا کر آپ کے حوالے کر دیں اور آپ ان کی گردن مار دیں۔ محمدؐ نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ اب اگر یہودی تمہارے پاس کچھ آدمی یرغمال رکھنے کے لئے پیغام بھیجیں تو ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔

پھر نعیم غطفان کے پاس پہنچے اور کہا تم میرے گھرانے کے لوگ اور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ میرے خیال میں تم مجھ پر کوئی الزام بھی نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا تم نے سچ کہا۔ تم ہمارے نزدیک قابل الزام نہیں ہو۔ نعیم نے کہا یہ بات راز رکھنا۔ انہوں نے کہا ہم ایسا کریں گے چنانچہ انہوں نے ان سے بھی وہی بات کہی جو قریش سے کہی تھی۔

جب ہجرت کے پانچویں سال کے ماہ شوال میں سنیچر کی رات آئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ مدد فرمائی کہ ابو سفیان اور غطفان کے سرداروں نے بنو قریظہ کے پاس عکرمہ بن ابو جہل کو قریش وغطفان کے چند افراد کے ساتھ بھیجا انہوں نے جا کر کہا کہ ہم اپنے وطن میں نہیں ہیں اور مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔ تو ایسا کرو کہ کل جنگ کے لئے نکل پڑو تا کہ ہم محمدؐ سے نمٹ لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ آج سنیچر کا دن ہے اور اس دن ہم کچھ نہیں کرتے۔ ایک بار ہم میں سے کسی نے کچھ کر دیا تھا تو جو انجام ہوا تم سے مخفی نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ مل کر محمدؐ سے جنگ نہیں کریں گے، جب تک تم اپنے کچھ لوگوں کو ہمارے پاس یرغمال نہ رکھ دو تا کہ ہم اعتماد کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ اگر جنگ نے سنگین صورت اختیار کی تو تم اپنے وطن بھاگ جاؤ گے اور ہمیں اس شخص کے ساتھ خود ہمارے وطن میں نمٹنے کے لئے چھوڑ دو گے، جو ہمارے بس کی بات نہیں۔

جب پیغام رساں بنو قریظہ کا پیغام لے کر پہنچے تو قریش وغطفان نے کہا کہ نعیم نے جو کچھ کہا تھا سچ نکلا۔ بنو قریظہ سے کہلوا دو کہ ہم اپنا ایک آدمی بھی تمہارے حوالے نہیں کریں گے، اگر تم جنگ کرنا چاہتے ہو تو نکل کر جنگ کرو۔ جب بنو قریظہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا کہ نعیم نے جو بتایا تھا وہ سچ تھا۔ یہ لوگ لڑنا نہیں چاہتے، بس کوئی موقع پائیں گے تو فائدہ اٹھا لیں گے ورنہ اپنے وطن واپس لوٹ جائیں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

اس طرح مسلمان اپنے خلاف اکٹھا ہونے والے گروپوں کے درمیان اتحاد کا سلسلہ توڑنے میں کامیاب ہوگئے اور ابھی حصار قائم کیے ہوئے تین ہفتے ہی گذرے تھے کہ حملہ آوروں کی صفوں میں مایوسی و پسپائی کے آثار پیدا ہوگئے، جبکہ مدافعت کرنے والوں کا محاذ بدستور مستحکم رہا، اس میں کوئی شگاف نہیں پڑا۔

پھر ایک، سرد رات میں جب سردی روئیں روئیں میں گھسی جارہی تھی، لوگ اپنے اپنے خیموں میں دبکے ہوئے اپنے جسموں کو گرمانے کی کوشش کررہے تھے ریت اور پتھروں سے بچ رہے تھے، اس ناکام جنگ کے سلسلہ میں واضح فیصلہ کرنے کی طرف مائل ہوگئے۔ گویا چنگھاڑتی ہوئی آندھی حملہ آوروں پر کوڑے برسا رہی تھی کہ وہ اس صورتحال سے چھٹکارا حاصل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی دیواروں کے پیچھے سے دیکھا، آپؐ کے ساتھ آپؐ کے ساتھی بھی افق کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وسیع صحرا میں ہر چیز پر سرد تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

حضرت حذیفہؓ بن یمان بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوہ احزاب کے دوران ایک رات صف بند بیٹھے تھے، ابوسفیان اور اس کے ساتھی ہم سے اونچائی کی طرف تھے اور بنو قریظہ ہم سے نچلے حصے میں۔ ان سے ہمیں آل اولاد کے سلسلہ میں ڈر بھی لگ رہا تھا ہم نے اس سے زیادہ تاریک اور سخت ترین آندھی والی رات کبھی نہیں دیکھی تھی آندھیاں گویا چنگھاڑ رہی تھیں۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میرے پاس کوئی ڈھال بھی نہیں تھی جو دشمن اور سردی سے بچا سکتی، صرف میری بیوی کی ایک چھوٹی سی چادر تھی جو میرے گھٹنے سے آگے تک نہیں پہنچتی تھی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں زمین پر دبکا بیٹھا تھا۔ آپؐ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: حذیفہ۔ آپؐ نے فرمایا: حذیفہ؟ میں نے جواب دیا: ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: محاصرہ کرنے والوں کے تعلق سے کچھ ہونے والا ہے، جاؤ پتہ لگا کر مجھے خبر کردو۔ میں نکل پڑا لیکن انتہائی گھبراہٹ اور ٹھٹھرتے ہوئے۔ آپؐ نے میرے لئے دعائے خیر فرمائی، تب میں اس طرح چلنے لگا جیسے گرم حمام میں چل رہا ہوں۔

یہ ایمان کی گرمی اور اطاعت کا جوش تھا جو موسم کی شدت کا بخوشی مقابلہ کرنے پر آمادہ کر رہا تھا۔

Marfat.com

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب میں جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں کچھ کرنا نہیں، بس دیکھ کر واپس آ جانا۔ جب میں ان لوگوں کے پڑاؤ کے قریب پہنچا تو میں نے آگ کی روشنی دیکھی اور ایک بھاری بھر کم شخص کو ہاتھ بڑھا کر تاپتے اور پھر جسم پر پھیرتے دیکھا، وہ کوچ کر جانے کا اعلان کر رہا تھا۔ اس سے پہلے میں ابوسفیان کو پہچانتا نہیں تھا۔ میں نے کمان پر تیر چڑھایا اور چلانے کا ارادہ کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یاد آ گئی تو ہاتھ روک لیا۔ اگر میں نے تیر چلا دیا ہوتا تو یقیناً نشانہ پر لگا ہوتا۔

میں نے محسوس کیا کہ آندھی کے جھکڑ پڑاؤ میں کوئی چیز اپنی جگہ نہیں رہنے دے رہے ہیں۔ نہ کوئی ہانڈی، نہ آگ اور نہ کوئی خیمہ۔ ابوسفیان نے کہا: قریش کے لوگو! تم اپنے ٹھکانے پر نہیں ہو، ہر چیز تباہ ہو رہی ہے۔ بنو قریظہ خلاف ورزی کر چکے ہیں اور ان کی طرف سے ہمیں وہ خبریں مل چکی ہیں، جنہیں ہم ناپسند کرتے ہیں۔ پھر آندھی کی شدت کا حال تم دیکھ ہی رہے ہو، نہ کوئی چولہا ٹھہر رہا ہے، نہ ہانڈی، نہ خیمہ۔ لہذا کوچ کر چلو، میں کوچ کر رہا ہوں۔ پھر وہ اپنے اونٹ کی طرف بڑھا جو بندھا ہوا تھا۔ اس پر بیٹھ کر اسے ڈنڈا مارا تو وہ کود کر کھڑا ہوا اور چل پڑا۔

حضرت حذیفہؓ نے جو کچھ دیکھا تھا واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔ دن نکلا تو مدینہ منورہ کے آس پاس کا علاقہ خالی ہو چکا تھا، حصار ختم ہو چکا تھا، محاصرین واپس جا چکے تھے، امن واپس آ چکا تھا اور ایمان آزمائش میں کامیاب ہو چکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے زور سے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یگانہ ہے اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی، اپنی فوج کو طاقت بخشی اور تنہا حملہ آور گروہوں کو شکست دی۔ اس کے بعد کوئی چیز نہیں (بخاری)

☆☆☆

حملہ آوروں کی پسپائی کے بعد دلوں کا اطمینان واپس آ گیا۔ جو گروپ ہر طرف سے مدینہ کو تاراج کرنے آئے تھے ان کی ناکامی عیاں ہوگئی، اور سخت ترین بحرانوں میں بھی مسلمانوں کی صلابت و ثابت قدمی نمایاں ہو کر رہی۔ اسی لئے اس واضح نتیجہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اب سے ہم ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے''

Marfat.com

بنو قریظہ کے ساتھ

مدینہ کے اردگرد سے اپنا گھیرا ختم کر کے حملہ آور گروپ ناکامی ونامرادی کے ساتھ پسپا ہو گئے، بنو قریظہ اپنی رسوا کن وشرمناک غداری کے ساتھ تنہا باقی رہ گئے اور ان کی حالت وہی ہوگئی جو جرم ثابت ہونے کے بعد اس مجرم کی ہوتی ہے، جو اپنے سیاہ چہرے کے ساتھ عدالت کی سزا کا انتظار کرتا ہے۔

ان یہودیوں کے سلسلے میں مسلمانوں کے دلوں کا غیظ وغضب اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ یہی یہودی ان عربوں کو بھڑکا کر مدینہ لائے تھے کہ مسلمانوں کو نیست ونابود کرسکیں۔ اپنے عقیدہ کے ساتھ دشمنی کی بنا پر اپنے گھروں سے جلاوطنی اور ہر لٹیرے قاتل کے لئے جان ومال کی حرمت پامال کرنے کی آزادی دینے کے مسلمانوں کے زخم ابھی بھرے نہیں تھے، بلکہ کبھی نہیں بھر سکتے تھے۔ تب بنی اسرائیل کے ان غداروں کے لئے یہ بات کیسے مناسب ہوگئی کہ وہ اس ذلت آمیز طریقہ سے اسلام اور مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کا منصوبہ بنائیں؟

پھر بنی قریظہ کو، جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی طرف سے بھلائی اور وفاداری کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا تھا، کس چیز نے آمادہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دشمنان اسلام کی لوٹ مار میں شریک ہوجائیں۔

ان قلعوں میں حی بن اخطب بھی ٹھکانہ بنائے ہوئے تھا، جو اس گروہ کا سردار تھا اور جس نے مکہ ونجد میں گھوم گھوم کر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف مشرکین کو بھڑکایا تھا اور انہیں یقین دلایا تھا کہ بت پرستی توحید سے افضل ہے۔

اس لئے جیسے ہی مسلمانوں کو اطمئنان ہو گیا کہ حملہ آور گروپ مدینہ منورہ سے واپس جا چکے ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کروایا ''جو بات سننے والا اور اطاعت گزار ہو وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے (بخاری)

نجات وکامرانی کی اس فضا میں مسلمان اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت واضح طور پر محسوس کر رہے تھے۔ اپنی زندگی وعزت کے لئے وہ عنایت الٰہیہ کے سراپا شکر گذار تھے، کل تک شدت ومصیبت کے جو سیاہ بادل گھیرے ہوئے تھے آج وہ چھٹ چکے تھے، جبکہ ان کے دشمنوں کو قدرت الٰہی منتشر کر چکی تھی۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل کا یہ پیغام سنایا ''ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں اتارے ہیں۔ محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ بنو قریظہ تک پہنچے میں ان کی طرف جا رہا ہوں اور انہیں ہلا ڈالنے والا ہوں، (ابن ہشام)

رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کو پوری تندہی سے نافذ کرنے کی کوشش فرمائی بیہقی کی روایت کے مطابق آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھنا جب تک بنو قریظہ نہ پہنچ جاؤ۔ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی سورج ڈوبنے لگا کچھ لوگوں نے خیال ظاہر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد نماز چھوڑنا نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے (راستے ہی میں) نماز پڑھ لی۔ کچھ دوسرے لوگوں نے کہا کہ نہیں رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی بجا آوری لازم ہے۔ چنانچہ انہوں نے بنو قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھی۔ آپؐ نے کسی کو سرزنش نہیں فرمائی۔

یہ مختلف نقطہ ہائے نظر کے اختلاف کے سلسلہ میں، جب تک ان کی بنیاد نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد پر ہو، اسلام کے احترام کی دلیل ہے۔ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو کسی حکم کے ظاہری الفاظ سے تجاوز نہیں کرتا، دوسرا وہ جو حکم کی حکمت ومقصد کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، پھر اس کے مطابق عمل کرتا ہے، چاہے وہ ظاہری مفہوم کے خلاف ہو۔ دونوں طرح کے لوگوں کے لئے ایمان اور ثواب کی نیت سفارشی ہوں گے چاہے وہ حق تک پہنچ سکے ہوں یا نہیں۔

بعض علماء نے جنگ کی عذر سے نماز کے مقررہ وقت میں ڈھیل دی ہے، یہی بخاری وغیرہ کا مسلک ہے اور میرے نزدیک یہی درست سے قریب تر ہے، کیونکہ بندوں پر جو ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں زندگی میں ان کی ترتیب اہمیت رکھتی ہے۔ ایک مسلمان دین کو صحیح طور پر سمجھ ہی نہیں سکتا جب تک اس ترتیب کو سمجھ نہ لے۔

اسلام مختلف ہدایات واعمال کا نام ہے۔

کچھ فرائض ہیں اور کچھ نوافل۔

ہمیں لازمی طور پر یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ فرض کی ادائیگی سے پہلے کوئی نفل قبول نہیں کرتا۔ جو شخص ضروری فرائض کو چھوڑ کر نفلی اعمال زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ گمراہ شخص ہے۔

Marfat.com

اور ایمان کے تحفظ سے متعلق فرائض کی اہمیت ویسی ہی ہے جیسے جسم کے تحفظ کے لئے مطلوبہ غذاؤں کی۔

جس طرح جسم کسی ایک خاص قسم کی غذا سے برقرار نہیں رہ سکتا، بلکہ اسے مختلف قسم کی غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ جسم بیمار یا ہلاک ہو جائے گا، اسی طرح دین بھی ہے۔ وہ کسی فرد یا جماعت کے وجود میں قائم نہیں رہ سکتا، جب تک مختلف قسم کے فرائض ادا نہ کئے جائیں، جو اس کی زندگی اور عاقبت ونشو ونما کی ضمانت نہ دیں۔

یہ مسلمان کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے اوقات کو مطلوبہ فرائض کے مطابق تقسیم ومنظم کرے، تاکہ ایک فرض دوسرے فرض سے غافل نہ کر دے اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ کوئی نفل کسی فرض سے غافل نہ کر دے۔

رسول اللہ ﷺ نے بجا طور پر خیال فرمایا کہ مزید تیاریوں کا موقع دیئے بغیر بنو قریظہ کو جا لینا اس وقت کا اولین فریضہ ہے، اس میں نماز کی وجہ سے بھی تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔

اس نبوی فرمان کی روشنی میں آج مسلمانوں کو اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہئے جو مدرس اپنے شاگردوں کو تعلیم دینے سے، جو تاجر اپنی تجارت وسرمایہ کاری کو فروغ دینے سے، اور جو ملازم اپنی ڈیوٹی انجام دینے سے پہلو تہی وغفلت برتتا ہے، اللہ تعالیٰ ان فرائض کو ضائع کرنے کے سلسلے میں اس کا کوئی عذر قبول نہیں کرے گا۔ چاہے وہ سو رکعت نفل نمازیں پڑھے، یا ایک ہزار آیتوں کی تلاوت کرے، یا ستر ہزار بار اسمائے حسنیٰ کا ورد کرے، جیسا کہ جاہل صوفیہ کیا کرتے ہیں۔

اس لئے کہ یہ غیر مطلوبہ نوافل کی بنا پر مطلوبہ فرائض سے پہلو تہی اور ایک امت کو معطل وبیکار کرنا ہوگا، جو جہالت، فقر اور انتشار کے خلاف پر مشقت جدوجہد کے بغیر اوپر نہیں اٹھ سکتی۔

عام جہاد ایک ایسا فرض ہے جس کی اہمیت کوئی بھی دوسری چیز نہیں گھٹا سکتی۔

☆☆☆

بنو قریظہ کی طرف کوچ کرنے والے لشکر کا علم حضرت علیؓ کے ہاتھوں میں تھا، جس کے ارد گرد مسلمان جمع ہو رہے تھے۔ جب لشکر یہودیوں کے مکانات کے قریب پہنچ

Marfat.com

گیا تب بھی وہ لوگ اپنی گمراہی وخودفریبی میں مبتلا رہے۔انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی خواتین کو بری بری گالیاں دینے لگے۔حضرت علیؓ نے آپؐ کو ان احمقوں سے دور رکھنا چاہا اور آگے بڑھ کر آپؐ کو راستے میں روک لیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ان خبیثوں کے قریب نہ جائیں۔آپؐ نے فرمایا: کیوں؟ میرے خیال میں تم نے ان سے میرے بارے میں کوئی تکلیف دہ بات سنی ہے۔انہوں نے عرض کیا: ہاں یارسولؐ اللہ! آپؐ نے فرمایا: اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہوتا تو ایسا کچھ نہ کہتے۔

جب آپؐ ان کے قلعوں کے قریب پہنچے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسوا ونامراد کر کے اپنا عذاب نازل نہیں کر دیا۔؟

انہوں نے کہا: ابوالقاسم! آپ کا رویہ کبھی جہالت آمیز نہیں تھا۔

یہی یہودیوں کی خصلت ہے۔جب محفوظ ہوتے ہیں تو نادانیاں کرتے ہیں‘ صلاحیت وطاقت پاتے ہیں تو قتل کرتے ہیں اور جب خوف کا شکار ہوتے ہیں تو لوگوں کو بہترین نمونے یاددلاتے ہیں، تا کہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

رہے معاہدے تو ان کی پاسداری ان کے لئے زندگی کی سب سے آخری چیز ہے۔

لیکن اب ان کی نادانی انہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔مسلمانوں نے انہیں سخت حصار میں لے لیا، تب ان کی سمجھ میں آیا کہ اب ہتھیار ڈالنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں اور ان کے دل مایوسی وخوف سے بھر گئے۔

بنوقریظہ کے سردار کعب نے کہا: یہودیو! جو صورتحال درپیش ہے، وہ تم جانتے ہی ہو، میں تمہارے سامنے تین تجویزیں رکھتا ہوں، ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو۔

انہوں نے کہا: وہ کیا؟

اس نے کہا۔ہم اس شخص (رسولؐ اللہ) کی تصدیق کر کے پیروی اختیار کر لیں خدا کی قسم تم پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور یہ وہی ہیں جن کا ذکر تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو۔اس طرح تمہاری جان ومال اور بال بچے محفوظ ہو جائیں گے۔

انہوں نے کہا: ہم توریت کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔

کعب نے کہا: اچھا جب یہ نہیں مانتے تو ایسا کیا جائے کہ ہم اپنی عورتوں اور اولاد کو قتل کر ڈالیں پھر تلواریں سونت کر محمدؐ اور ان کے ساتھیوں پر جا پڑیں۔ہمارے پیچھے

Marfat.com

کسی چیز کی فکر نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد اور ان کے ساتھیوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اگر ہم ہلاک ہو گئے تو ہمارے پیچھے کوئی نسل بچی ہوئی نہیں ہوگی جس کے بارے میں ہمیں کوئی اندیشہ ہو اور اگر ہم غالب آ گئے تو بال بچے پھر مل جائیں گے۔

انہوں نے کہا: ہم ان بے چاروں کو قتل کر دیں؟ ان کے بعد جینے کا کیا مزہ رہ جائے گا۔

کعب نے کہا کہ اگر تم یہ بھی نہیں مانتے تو آج سنیچر کی رات ہے اور ہوسکتا ہے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی آج بے کھٹکے سوئیں۔ تب اچانک حملہ کر کے ہوسکتا ہے ہمیں کامیابی مل جائے۔

انہوں نے کہا: ہم اپنا سنیچر خراب کرلیں اور وہ بدعت کریں جو ہم سے پہلے کے لوگوں نے نہیں کی۔

کعب نے کہا: تم میں کوئی بھی کبھی سمجھدار نہیں رہا۔

بنو قریظہ نے کوشش کی کہ جیسے پہلے بنو نضیر کے ساتھ صلح ہوئی تھی ویسی ہی صلح ان کے ساتھ بھی ہو جائے، لیکن مسلمانوں نے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کے علاوہ کوئی بات نہیں مانی، یہ لوگ جو سنگین جرم اور بدترین غداری کر چکے تھے اس کے بعد ان کے لئے دلوں میں کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

محصور یہودیوں نے ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو بلا کر مشورہ کیا کہ کیا حضرت محمد ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، اور اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ گویا یہ آگاہی دے رہے ہوں کہ اس کا مطلب قتل ہوگا۔ حضرت ابولبابہؓ کو فوراً ہی احساس ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے غداری کی غلطی کر لی ہے۔ وہ فوراً مسجد نبوی پہنچے اور اس کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا اور قسم کھالی کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں کرے گا وہ رسی نہیں کھولیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور چند روز بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وآخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا وآخر سيئا عسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم (التووبه:۱۰۲)

کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے، ان کا عمل مخلوط ہے کچھ نیک ہے اور کچھ بد بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ در گذر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

Marfat.com

یہ محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا، جس کے دوران مسلمانوں نے ان یہودیوں کو جنہوں نے غزوہ خندق کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ سے غداری نہیں کی تھی، نکل جانے کی اجازت دی اور اس طرح ان کے ساتھ وفاداری نبھائی۔ انہیں ان کی مرضی کے مطابق، جہاں چاہیں، جانے کا راستہ دیا گیا۔

اس کے بعد بند قلعوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے نعرہ لگایا:

اے ایمان کے علمبردار دستو! (ان کے ساتھ حضرت زبیرؓ بن عوام بھی تھے)

خدا کی قسم میں بھی اسی (شہادت) کا مزہ چکھوں گا جو (حضرت) حمزہؓ نے چکھا تھا، یا پھر قلعہ فتح ہو جائے۔ تب بنو قریظہ نے پیش کش کی کہ وہ حضرت سعدؓ بن معاذ کا فیصلہ ماننے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ انہیں قلعہ سے نکال کر قید کر دیا گیا یہاں تک کہ حضرت سعدؓ بن معاذ لائے گئے تاکہ ان کے بارے میں فیصلہ کریں۔

حضرت سعدؓ قبیلہ اوس کے سردار اور دور جاہلیت میں بنو قریظہ کے حلیف تھے یہودیوں کو توقع تھی کہ یہ تعلق ان کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ خود اوس والوں کو توقع تھی کہ اُن کا آدمی پرانے دوستوں سے نرمی برتے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلب کیا تو وہ مسجد نبوی کے اس خیمے سے آئے جہاں غزوۂ خندق میں تیر کے زخم کھانے کے بعد ان کی تیمار داری ہو رہی تھی۔ ان کے قبیلہ والوں نے ان کے پاس پہنچ کر کہا کہ اپنے پرانے حلیفوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ لیکن حضرت سعدؓ اس کو بھولے نہیں تھے کہ اسلام اور اس کے فرزند، مدینہ منورہ اور اس کے باشندے و پیداوار سب کچھ حملہ آوروں سے معجزانہ طور پر بچے تھے اور بنو قریظہ اور جن لوگوں کو انہوں نے پناہ دے رکھی تھی وہی لوگ اس جنگ میں شریک ہونے والوں کو بھڑکا کر لائے تھے، تاکہ توحید اور اس کے علمبرداروں کو نیست و نابود کر دیا جائے، حضرت سعد یہ بھی نہیں بھولے تھے کہ بنو قریظہ نے کس طرح عہد شکنی کی تھی اور جب وہ ان سے معاہدہ کی پابندی کے لئے اپیل کرنے گئے تو انہوں نے بدترین گالی دے کر انہیں لوٹا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے وہاں پہنچنے کے چند ہی لمحوں بعد اپنے قبیلے والوں سے کہہ دیا: سعد کے لئے وقت آ گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرے۔

☆☆☆

Marfat.com

حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، نسلوں کو غلام بنالیا جائے اور مال ودولت تقسیم کردی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس دانشمندانہ فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا: تم نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے فرمایا (ابن ہشام)۔

اس فیصلہ کے نفاذ کے لئے مدینہ میں گڑھے کھودے گئے۔ اور جنگ کے قابل یہودی مردوں کو ایک ایک گروپ کی شکل میں یکے بعد دیگرے، وہاں بھیجا جاتا رہا تاکہ وہ اپنی غداری کی قیمت چکائیں۔

جب یہودیوں کو قتل کے لئے لے جایا جارہا تھا تو انہوں نے اپنے سردار کعب سے کہا: آپ کے خیال میں ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا تم لوگ ہر جگہ ناسمجھی کرتے ہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو بھی جاتا ہے واپس نہیں آتا۔ خدا کی قسم یہ قتل ہے۔

جی ہاں یہ قتل ہی تھا اور ان لوگوں کا انجام یہی ہونا چاہئے تھا جن کی سازشیں اور غداریاں اگر کامیاب ہوگئی ہوتیں تو ہزاروں مسلمان لقمہ اجل ہو گئے تھے۔ یہودیوں کی مدد سے چڑھ آنے والے مشرکین کا زبردست لشکر انہیں روندے بغیر چھوڑ سکتا تھا؟

ہوسکتا ہے بنوقریظہ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس کا سبب قیادت وسربراہی چاہنے والے بعض لوگوں کی مہم جوئی بھی رہی ہو۔ اگر حی بن اخطب اور اس کے جیسے لوگ مسلمانوں کے ساتھ امن وعافیت کے ساتھ رہتے تو ان کی قوم کو اس انجام سے نہ دوچار ہونا پڑتا، لیکن قومیں اپنے لیڈروں کی غلطیوں کی بھاری قیمت چکاتی ہیں۔

خود ہمارے دور میں روسی اور جرمن وغیرہ اپنے فریب خوردہ لیڈروں کی وجہ سے بھاری قیمت چکانے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

قرآن کہتا ہے:

الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفرا واحلوا قومھم دار البوار جھنم یصلونھا وبئس القرار (ابراھیم:۲۸۔۲۹)

تم نے دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت پائی اور اسے کفران نعمت سے بدل ڈالا اور (اپنے ساتھ) اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا۔ یعنی جہنم جس میں وہ جھلسے جائیں گے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔

اس فتنے کے بانی مبانی حی کو سزا کے لئے لایا گیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: خدا کی قسم میں آپ کی دشمنی کے سلسلے میں اپنے نفس کو ملامت

Marfat.com

نہیں کرتا ،لیکن اللہ تعالیٰ جسے رسوا و نامراد کرتا ہے، وہ ہو جاتا ہے۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: لوگو! اللہ کے فیصلہ میں کوئی چون و چرا نہیں۔ یہ تقدیر کا نوشتہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا۔ پھر بیٹھا اور اس کی گردن اڑا دی گئی۔

یہ سچ ہے کہ مشرکین قریش اور یہودیوں میں سے بعض نے موت کا سامنا مردانہ وار کیا، باطل نظریات بھی ایسے پیروکاروں سے محروم نہیں ہوتے، جو جان و مال اس پر نچھاور کر دیں لیکن اس سے باطل حق اور ظلم عدل نہیں بن جاتا۔

یہودیوں کا جو موقف اسلام کے سلسلے میں کل تھا، وہی مسلمانوں کے بارے میں آج بھی ہے۔ ہمارے ہزار ہا بھائیوں کو یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کے سلسلے میں چپ چاپ ذبح کر ڈالا۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یورپ کے ممالک میں جن لوگوں نے یہودیوں کا قتل عام کیا ان کا سامنا کرنے کی تو ان کی ہمت نہیں پڑی البتہ انہوں نے ان مسلمانوں کو ضرور کمزور سمجھ لیا جنہوں نے بارہ سو برسوں کے دوران ان کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا تھا۔ پھر ان کے ساتھ بدترین سلوک کیا، جو آج بھی فلسطین میں مغربی ممالک کی تائید و حمایت سے جاری ہے۔

☆☆☆

غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کے استیصال کے سلسلے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وردالله الذين كفروا بغيظهم لم ينالو خيرا وكفىٰ الله المومنين القتال وكان الله قويا عزيزا وانزل الذين ظهروهم من اهل الكتاب من صياصيهم وقذف فى قلوبهم الرعب فريقا تقتلون وتاسرون فريقا واورثكم ارضهم وديٰرهم واموالهم وارضا لم تطئوها وكان الله على كل شئى قديرا (الاحزاب:۲۵۔۲۷)	اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا وہ کوئی فائدہ حاصل کئے بغیر اپنے دل کی جلن لئے یونہی پلٹ گئے۔ اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لئے کافی ہو گیا اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے پھر اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں اس نے ایسا رعب ڈال دیا کہ آج ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہ کیا تھا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

Marfat.com

پہلے مشرکین کے ساتھ پھر اہل کتاب کے ساتھ اس معرکہ میں مسلمانوں کو معمولی جانی نقصان اٹھانا پڑا۔شہید ہونے والوں میں حضرت سعدؓ بن معاذ بھی تھے جو خندق کے معرکہ میں کھائے ہوئے زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسے تھے،اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرلی تھی کہ بنی قریظہ کے سلسلے میں ان کی آنکھیں ٹھنڈی کردے اور قریش کو مدینہ منورہ پر حملے میں ایسی ناکامی و پسپائی ہوچکی تھی جس کے بعد اب انہیں خود حملہ آور ہونا نصیب نہیں ہونا تھا ن بلکہ خود اپنے ٹھکانوں پر حملے کا سامنا کرنا تھا۔

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جھگڑا بنو قریظہ کی شکست کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا، بلکہ مشرکین کے گروہوں کے ساتھ ساز باز کرنے والے بعض یہودی بھاگ کر خیبر پہنچ گئے، تاکہ وہاں کے قلعوں میں پناہ گزیں ہوکر وہاں کے اپنے بھائیوں سے طاقت حاصل کریں۔خیبر کے یہودیوں میں ابورافع بن ابوالحقیق بھی تھا جو حی بن اخطب کے ساتھ قبائل میں گھوم کر انہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چڑھالانے میں شریک تھا۔اگر یہودیوں میں طاقت ہو تو ان کے شر سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا۔اسلام سے یہودیوں کے دلوں میں چھپی ہوئی اس دشمنی کی کوئی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ یہودی راہ حق سے منحرف ہوچکے ہیں۔

یہ مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ یہودیوں سے چوکنا رہیں۔اسی لئے پانچ انصاری مسلمان جن کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، خیبر کے لئے نکلے تاکہ ابورافع کا کام تمام کردیں اور اس کے ساتھیوں کے دل میں خوف بھی پیدا کردیں۔رسول اللہ ﷺ نے ان کا امیر عبداللہ بن عتیک کو بنایا اور ان لوگوں کو منع فرمایا کہ کسی بچے یا عورت کو قتل نہ کریں (بخاری)

یہ مہم جو خیبر پہنچ گئے۔وہاں جب ابورافع کے قلعہ نما گھر کے پاس پہنچے تو شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔حضرت عبداللہؓ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں۔حضرت عبدؓاللہ بیان کرتے ہیں کہ میں قلعہ میں داخل ہونے کی ترکیب نکال ہی رہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ نوکروں کا کوئی گدھا کھوگیا ہے وہ ایک چراغ لے کر باہر ڈھونڈنے نکل پڑے۔مجھے ڈر لگا کہ پہچان نہ لیا جاؤں چنانچہ میں نے اپنا سر ڈھک لیا اور اس طرح بیٹھ گیا گویا قضائے حاجت کررہا ہوں۔

جب وہ لوگ اپنی ضرورت پوری کرکے لوٹ آئے تو دربان نے کہا: جو اندر آنا

Marfat.com

چاہتا ہو وہ آجائے، اس سے پہلے کہ میں دروازہ بند کردوں۔ تو میں داخل ہو گیا اور دروازہ کے پاس ہی مویشیوں کے باڑے میں جا کر چھپ گیا۔

ابورافع اور اس کے ساتھیوں نے رات کا کھانا کھایا اور گپ شپ کرنے لگے یہاںتک کہ ایک پہر رات گذر گئی۔ تب اس کے ساتھی اٹھ کر اپنے کمروں میں چلے گئے اور خاموشی چھا گئی۔ کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آرہی تھی۔

میں اپنی جگہ سے نکلا، یہ میں نے جان لیا تھا کہ دربان نے قلعہ کی کنجیاں کہاں رکھی ہیں، میں نے انہیں اٹھایا اور دروازہ کھول دیا۔ پھر دھیرے دھیرے میں نے ان کے کمروں کے دروازوں کا رخ کیا اور انہیں باہر سے بند کر دیا پھر ابورافع کے سونے کی جگہ بالاخانہ پر چڑھا۔ کمرہ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی اور چراغ بجھایا جا چکا تھا۔ مجھے پتہ نہیں لگ رہا تھا کہ ابورافع کدھر ہے۔ میں نے کہا ابورافع! اس نے کہا: کون ہے۔ تب میں نے آواز کی طرف رخ کیا اور اسے تلوار ماری۔ وہ چیخ پڑا، مار سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ میں نے آواز بدل کر (گویا اس کی مدد کے لئے پہنچا تھا) کہا: ابورافع کیا ہوا؟ اس نے کہا تمہاری ماں روئے۔ کوئی شخص یہاں گھسا اور مجھے تلوار ماری۔ میں نے اس کی طرف بڑھ کر دوسری بار تلوار کا ہاتھ مارا۔ وہ چیخا، اس کے گھر والے اٹھ گئے، میں پھر اس کی طرف بڑھا، وہ پیٹھ کے بل پڑا تھا۔ میں نے پھر اس پر حملہ کیا، اس کے بعد گھبراہٹ میں نکل پڑا یہاںتک کہ سیڑھی تک پہنچا کہ نیچے اتر جاؤں تو وہاں سے گر پڑا اور میرا پیر اکھڑ گیا۔ بہر حال میں اسے سنبھالتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔

یہ لوگ خوشخبری لے کر مدینہ منورہ واپس آگئے کہ انہوں نے دعوت کے راستے سے بہت بڑی رکاوٹ دور کر دی ہے۔

ان شدید واقعات کے بعد کفر کی بنیادیں متزلزل اور اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ اسلامی مملکت کو کچھ اطمینان حاصل ہوا۔ ابھی ہجرت کو پانچواں سال ہی گذر رہا تھا کہ مسلمان ایک قابل لحاظ طاقت بن گئے اور اہل قریش اور ان کے حلیفوں کو یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کو صنم پرستی کی طرف لوٹانا ناممکن ہوگا اور اب مسلمان اپنے دشمنوں کو مزا چکھا سکتے ہیں۔ اسی طرح یہودیوں نے بھی اچھی طرح سمجھ لیا کہ نئے دین اور آخری رسالت کے ساتھ ان کی حیثیانہ دشمنی نے انہیں نامراد ہی کیا ہے۔

Marfat.com

اس سال غزوۂ خندق سے لے کر چھٹی ہجری سال کے آخر، یعنی عمرہ حدیبیہ تک کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا۔

قبیلۂ ہذیل نے مدینہ منورہ پر حملہ کے لئے اکٹھا ہونے کی کوشش کی اور اسی دوران اس کے رہنما خالد بن سفیان قتل کر دیئے گئے، تب یہ لوگ بیٹھ گئے۔ غطفان کے گھوڑ سواروں کے ساتھ عینیہ بن حصن کی قیادت میں ڈاکو بدوؤں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور وہاں کے اونٹ ہنکا کر واپس جانے لگے، حضرت سلمہؓ بن اکوع نے مدینہ والوں کو پکار کر آگاہ کر دیا اور تنہا ان ڈاکوؤں کے پیچھے تیر چلاتے ہوئے دوڑ پڑے یہاںتک کہ مسلمان شہسوار بھی آ پہنچے، مشرکین نے جب یہ دیکھا تو چند لاشیں اور ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

بخاری کی روایت کے مطابق یہ واقعہ حدیبیہ کے بعد ہوا، اس سے پہلے نہیں اور شاید یہی زیادہ صحیح ہے۔

اسی دوران رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان سے شادی کی۔ یہ پہلے اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں، وہاں ان کے شوہر مرتد ہو گئے پھر مر گئے اور یہ تنہا رہ گئیں۔

اس خاتون کی عزت افزائی کے لئے جس نے اپنے باپ -- مکہ کے سردار -- کو چھوڑ کر اللہ کی طرف ہجرت کو ترجیح دی تھی، رسول اللہ ﷺ نے مناسب خیال فرمایا کہ ان سے خود شادی کر لیں۔ آپؐ نے حبشہ کے فرمانروا نجاشی کے پاس مہر کی رقم بھیجی اور اسے اپنی وکیل بنا کر عقد کرنے کو کہا۔

اسی طرح آپؐ نے حضرت زینبؓ جحش سے شادی کی، جس کی تفصیل امہات المومنین کے باب میں آگے آ رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس دوران حضرت عمروؓ بن العاص کے دل میں اسلام نے جگہ بنائی۔ پہلے وہ حضرت محمد ﷺ کی پے در پے کامیابیوں سے متاثر ہوئے اور اپنے کسی ساتھی سے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ محمدؐ کا معاملہ تیزی سے غالب آتا جا رہا ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ حبشہ پہنچ جائیں اور وہاں رہ کر مسلمانوں اور ان کی قوم کے درمیان کشمکش کے نتائج کا انتظار کریں۔

Marfat.com

جب وہ حبشہ پہنچے اور وہاں نجاشی کی طرف سے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ سے تعلق رکھنے والوں کا اعزاز واکرام دیکھا تو اللہ کے دین میں شامل ہونے کی طرف مائل ہو گئے۔ لیکن انہوں نے یہ بات اپنے دل میں چھپائے رکھی۔ یہاںتک ک فتح مکہ کا وقت قریب آ گیا۔ اسی دوران حضرت خالد بنؓ ولید سے ان کی ملاقات ہوئی جو اسلام لانے کا فیصلہ کر چکے تھے اور مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے مل جانے کا ارادہ کر چکے تھے حضرت عمروؓ نے ان سے پوچھا: ابوسلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: خدا کی قسم راستہ واضح ہو چکا ہے۔ اور یہ شخص نبی ہیں۔ خدا کی قسم میں جا کر اسلام قبول کرلوں گا آخر کب تک (یہ گمراہی جاری رہے گی)

حضرت عمروؓ خوش ہو گئے کہ انہیں حضرت خالدؓ جیسا ایک ساتھی مل گیا، چنانچہ ان سے اپنے دل کی بات بتائی اور دونوں مسلمان ومہاجر بن کر مدینہ کی طرف چل پڑے

ان دونوں کے اسلام لانے کا واقعہ فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے کا ہے کیونکہ عمرہ حدیبیہ میں حضرت خالدؓ قریش کے اس لشکر کے کمانڈر تھے جو مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روک رہا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

باب: ۷

نیا مرحلہ

عمرۂ حدیبیہ

مسلمانوں کے دلوں میں خانۂ کعبہ کی زیارت کا خیال پیدا ہونا اسلام کی تاریخ کے ایک نئے ممتاز مرحلہ کا آغاز تھا۔ کیا اس کا مطلب واضح طور پر یہ نہیں تھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا عزم ظاہر کر رہے تھے، جہاں سے چند برسوں پہلے انہیں نکالا اور بھگایا گیا تھا اور اس کے بعد بھی ان پر جنگیں مسلط کی گئی تھیں۔

ابھی ان کے اور قریش کے درمیان حالت جنگ کسی فیصلہ کن نتیجے تک نہیں پہنچی تھی۔ تب وہ ان حالات میں کیسے عمرہ کا ارادہ کر رہے تھے؟

درحقیقت رسول اللہ ﷺ مناسک عمرہ کی ادائیگی کے ذریعہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے حق عبادت کو ثابت وقائم کیا جائے اور مشرکین پر واضح کر دیا جائے کہ مسجد حرم کسی قبیلہ کی جاگیر نہیں کہ وہ جسے چاہے وہاں جانے دے اور جسے چاہے روک دے۔ یہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی میراث ہے اور صدیوں سے جو بھی کر سکتا ہو اس کے لئے وہاں پہنچ کر حج کی ادائیگی ضروری ہے۔

واذ بوانا لابراهيم مكان البيت ان لا تشرك بى شيئا وطهر بيتى للطائفين والقائمين والركع السجود واذن فى الناس بالحج ياتوك رجالا وعلى كل ضامر ياتين من كل فج عميق (الحج:۳۶.۳۷)

یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لئے اس گھر (خانۂ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لئے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں۔

اس لئے اہل مکہ کے لئے یہ جائز نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اس سے روکیں۔ اور اگر وہ پہلے انہیں دور رکھنے میں کامیاب ہو بھی گئے تھے تو اب جنگوں کے بعد انہیں اپنی پرانی غلطی پر بضد نہیں رہنا چاہئے تھا۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کا احرام باندھنا اس بات کی واضح علامت تھی کہ آپؐ محض عبادت کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا اور پرانی دشمنیوں کو فراموش کردینا چاہتے تھے۔

لیکن اہل قریش ایسا کیسے ہونے دیتے؟ مسلمانوں کو اذیتیں دینے کی ہر کوشش اوران کے خلاف ہر مہم کی ناکامی کے باوجودان کی روش نہیں بدلی تھی۔ کئی برس تک وہ برابر جان ومال قربان کرتے رہے کہ اسلام کو شکست دے سکیں۔ لیکن ان کے ہاتھ شکستوں اور رسوائیوں کے علاوہ کچھ نہیں آسکا تھا۔ جبکہ مسلمانوں کے قدم جم گئے تھے اور ان کا جھنڈا بلند ہو رہا تھا۔ اب وہی مسلمان حملہ وانتقام کے لئے نہیں بلکہ محض عبادت کے لئے پہنچ رہے تھے اور صرف یہ چاہتے تھے کہ دوسروں کی طرح انہیں بھی عمرہ وحج کا حق دیا جائے، کیونکہ ہمیشہ کے لئے انہیں محروم رکھنا مناسب نہیں ہوسکتا تھا۔

اس بہترین وشریفانہ مقصد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں اور دیہاتوں کے عربوں کے ساتھ کوچ کیا۔ آپؐ نے صاف اعلان فرمادیا تھا کہ آپؐ کا ارادہ صرف عمرہ کرنے کا ہے، جنگ کا نہیں۔ اسی لئے آپؐ نے قربانی کے جانور بھی ساتھ لے رکھے تھے تاکہ انہیں ذبح کر کے مکہ مکرمہ کے ان غریبوں کو کھلایا جاسکے جو غزوۂ خندق میں انہی مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کے لئے اکٹھا ہوچکے تھے۔

کیا آپؐ کی رسالت کے منکر اس قابل قدر ارادہ کو سمجھ رہے تھے؟

نہیں وہ تو بدنیتی اور بدخواہی کی پرانی عادت پر برقرار تھے۔

مدینہ منورہ کے آس پاس کے بدو اور انہی کی طرح کے منافقین جانتے تھے کہ اہل مکہ حضرت محمد ﷺ سے جنگ کئے بغیر نہیں مانیں گے۔ آپؐ نے اگر اپنے اعلان کے مطابق خانۂ کعبہ کی زیارت پر اصرار کیا تو قریش بغیر خود ہلاک ہوئے یا آپؐ کے ساتھیوں کو ہلاک کئے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ ان کی نگاہ میں اس عمرہ میں خطرات پنہاں تھے، اس لئے اس سے دور رہنا ہی بہتر تھا۔ اور اگر بالفرض رسول اللہ ﷺ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے تب آپؐ کے واپسی کے بعد معذرت کرلینا آسان ہوگا۔

سیقول المخلفون من الاعراب شغلتنا امولنا واھلونا فاستغفر لنا یقولون

اے نبیؐ بدوی عربوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دئے گئے تھے اب وہ آکر ضرور تم سے کہیں گے کہ ''ہمیں اپنے

Marfat.com

بـالسنتهم ماليس في قلوبهم قل فمن يملك لـكـم من الـلـه شيـئـا ان اراد بـكـم ضـرا اواراد بـكـم نـفـعـا بـل كان الله بما تعملون خبيـرا بـل ظـنـنـتـم ان لن ينقلب الرسول والـمـومـنون الى اهليهم ابدا وزين ذٰلك في قـلـوبـكـم وظـنـنـتـم ظن السوء وكنتم قوما بورا (الفتح : ۱۱.۱۲)

اموال اور بال بچوں کی فکر نے مشغول کر رکھا تھا۔ آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں'' یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں ان سے کہنا اچھا یہی بات ہے تو کون تمہارے معاملہ میں اللہ کے فیصلے کو روک دینے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے تمہارے اعمال سے تو اللہ ہی باخبر ہے مگر اصل بات وہ نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں ہرگز پلٹ کر نہ آسکیں گے اور یہ خیال تمہارے دلوں کو بہت بھلا لگا اور تم نے بہت برے گمان کئے اور تم سخت بد باطن لوگ ہو۔

پُر اعتماد اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکل پڑے۔ ان کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی۔ یہ ہجرت کے چھٹے سال ماہ ذی القعدہ کا واقعہ ہے۔ یہ لوگ لبیک کہتے ہوئے خانہ کعبہ کی طرف چلے، جب مکہ مکرمہ سے دو منزل پہلے عسفان کے مقام پر پہنچے تو مسلمانوں کو خبر ملی کہ اہل قریش پوری تیاری سے نکل پڑے ہیں اور انہوں نے قسم کھالی ہے کہ کسی مسلمان کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ان کا لشکر خالد بن ولید کی کمانڈ میں جنگ کے لئے تیار ہے۔

اس مبارک ومقدس خطہ میں جہاں خون بہانا ویسے بھی حرام ہے، لوگوں کے سامنے جنگ کے آثار نمایاں ہوگئے۔ مسلمان اس کے لئے تو آئے نہیں تھے۔ نہ اہل مکہ کو انہیں اس پر مجبور کرنا چاہیے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل قریش کی بربادی ہو انہیں جنگ نے کھالیا ہے۔ ان کے لئے کیا حرج تھا کہ میرے اور تمام عربوں کے درمیان سے ہٹ جاتے۔ اگر عرب لوگ ہمیں نیست ونابود کرنے میں کامیاب ہوجاتے تو اہل قریش کو منہ مانگی مراد مل جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے غالب کردیتا تو آرام سے اسلام میں داخل ہوجاتے۔ اہل قریش کیا سمجھتے ہیں؟ خدا کی قسم! میں اس پیغام کے لئے برابر جہاد کرتا رہوں گا جس کے ساتھ خدا نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، یہانتک کہ اللہ اسے غالب کردے یا پھر موت ہی آجائے (ابن اسحٰق)

☆☆☆

Marfat.com

جنگ سے بچنے اور عمرہ کو کسی چیلنج سے بچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہمیں اس راستے سے بچا کر لے چلے گا جس پر وہ موجود ہیں (ابن اسحٰق)

قبیلۂ اسلم کا ایک شخص آگے آیا اور انہیں ایک ایسے راستے سے لے چلا جسے طے کرنا مسلمانوں کے لئے دشوار گذار تھا۔ پھر وہ وادی کے خاتمہ پر ایک ہموار زمین پر لے کر پہنچا۔ وہاں مسلمانوں نے دائیں طرف رخ کیا تو مکہ مکرمہ کے بالکل قریب حدیبیہ میں جا پہنچے تھے۔

قریش کے شہسواروں سے یہ نقل و حرکت چھپی نہیں رہ سکتی تھی، وہ واپس مکہ لوٹ گئے تا کہ وہاں مسلمانوں کو داخل نہ ہونے دیں۔

آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقررہ رخ پر چلتے رہے، اچانک آپؐ کی اونٹی (قصواء) رک گئی پھر اپنی جگہ پر اڑ گئی۔ لوگ دہشت زدہ ہو گئے اور کہنے لگے قصواء اڑ گئی آپؐ نے فرمایا: قصواء اڑی نہیں ہے، نہ اس کی یہ عادت ہی ہے۔ اسے تو اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ مکرمہ سے روکا تھا۔ آج قریش کے لوگ مجھ سے کوئی ایسی چیز نہیں طلب کریں گے، جس میں صلہ رحمی ہو اور جو میں انہیں نہ دے دوں۔ پھر آپؐ نے اسی جگہ پڑاؤ کا حکم دے دیا (بخاری)

مسلمان حسب ہدایت پڑاؤ ڈال کر انتظار کرنے لگے کہ کب مکہ کے دروازے ان کے لئے کھلیں اور وہ طواف و سعی کر کے واپس لوٹیں۔ انہیں اعتماد تھا کہ وہ اپنا مقصد ضرور حاصل کر لیں گے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا وہ رسول اللہ ﷺ سے خوشخبری سن چکے تھے کہ وہ مسجد حرم میں داخل ہو کر عمرہ کے مناسک ادا کریں گے۔

اہل قریش اس اچانک آمد سے خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے سنجیدگی سے سوچا کہ چاہے جو بھی نقصان اٹھانا پڑے، وہ آپ کو مکہ مکرمہ سے دور ہٹا کر چھوڑیں گے انہوں نے معاملہ کو تنگ نقطہ نگاہ سے دیکھا کہ خونریز جنگوں کے بعد اگر مسلمان اس طرح ان کے شہر میں داخل ہوئے، تو تمام لوگوں کے دلوں سے ان کا رعب ختم ہو جائے گا

تاہم اہل قریش کو اس کا بھی احساس تھا کہ نئی جنگ چھڑنے کی صورت میں ان کی پوزیشن کتنی نازک ہوگی۔ نتیجہ ایسے المیہ کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے جو ان کا پورا وجود ہی ختم کر ڈالے۔ اس لئے انہوں نے حضرت محمد ﷺ سے گفتگو کے لئے کچھ بیچ کے

Marfat.com

لوگوں کو بھیجا تا کہ اس جنجال سے نکل سکیں۔

سب سے پہلے بدیل بن ورقہ قبیلہ خزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ آئے اور آپؐ سے دریافت کیا کہ کس لئے آئے ہیں؟ آپؐ نے انہیں بتایا کہ آپؐ جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں، صرف خانہ کعبہ کی زیارت و تعظیم کے لئے آئے ہیں۔

وہ لوگ قریش کے پاس لوٹ گئے اور ان سے کہا کہ اے اہل قریش! تم لوگ محمدؐ کے بارے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہو، وہ تو جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں صرف خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ اہل قریش نے ان لوگوں کو برا بھلا کہا اور کہا کہ چاہے وہ جنگ کے ارادہ سے نہ آئے ہوں، خدا کی قسم زبردستی یہاں کبھی داخل نہیں ہو سکتے کہ عربوں میں ہمارے سلسلے میں اس کا چرچا ہو جائے۔

پھر قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا وہ بھی وہی پیغام لے کر آئے۔

پھر احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیجا۔ آپؐ نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا: یہ خدا کی پرستش کرنے والی قوم کے فرد ہیں، قربانی کے جانوران کے سامنے کر دو تا کہ وہ خود دیکھ لیں۔

جب انہوں نے دیکھا کہ قربانی کے جانوروں سے پوری وادی بھری ہوئی ہے تو وہ آپؐ سے ملاقات سے پہلے اہل قریش کے پاس لوٹ گئے اور انہیں صورتحال بتائی .اہل قریش نے کہا: بیٹھ جاؤ تم دیہاتی ہو، کچھ نہیں جانتے۔ حلیس اس پر برافروختہ ہو گئے اور چیخ کر کہا۔ اہل قریش! ہم نے تمہارے ساتھ اس پر معاہدہ اور سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔ کیا جو خدا کے گھر کی تعظیم کے لے آیا ہے اسے روک دیا جائے گا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں حلیس کی جان ہے یا تو تم محمدؐ کے راستے سے ہٹ جاؤ اور انہیں اپنا مقصد پورا کرنے دو، ورنہ میں سارے احابیش کو ایک ساتھ لے کر کوچ کر جاؤں گا۔ اہل قریش نے کہا۔ حلیس ذرا تحمل سے کام لو، یہانتک کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جس سے تم بھی مطمئن ہو جاؤ۔

پھر ان لوگوں نے عروہ بن مسعود کو بھیجا۔ عروہ نے اسے ناپسند کیا کہ مسلمانوں سے بات چیت کے بعد لوٹیں تو اہل قریش انہیں ناپسندیدہ باتیں سنائیں۔ لہذا انہوں نے کہا: اہل قریش! میں دیکھ چکا ہوں کہ جن کو تم نے محمدؐ کے پاس بھیجا انہیں پھر تمہاری کتنی بدتمیزی کا سامنا کرنا پڑا۔ تم جانتے ہو کہ میرے ساتھ میرے قبیلے کے لوگ ہیں۔ میں نے سنا کہ تمہیں کیا صورتحال پیش آئی ہے تو میں نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو

Marfat.com

جو میری بات سنتے ہیں اکٹھا کیا اور تمہاری ہمدردی کے لئے چلا آیا۔

اہل قریش نے کہا: آپ نے سچ کہا۔ ہمارے نزدیک آپ پر کوئی الزام نہیں ہے۔

تب عروہ نکلے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپؐ کے سامنے بیٹھ کر کہا محمدؐ! آپؐ اوباشوں کو جمع کر کے یہاں لے آئے ہیں تاکہ اپنی ہی قوم کو تباہ و برباد کریں اہل قریش اپنی پوری تیاری کے ساتھ بال بچوں سمیت نکل آئے ہیں اور انہوں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ آپ وہاں ہرگز داخل نہیں ہونے پائیں گے۔ خدا کی قسم مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ کل یہ لوگ (آپ کے ساتھی) آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے پیچھے ہی تھے، جب عروہ مسلمانوں کی تحقیر کرنے لگے تو انہوں نے تمسخرانہ انداز میں عروہ کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا: کیا ہم آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟

عروہ نے پوچھا: محمدؐ! یہ کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ابوقحافہ کے بیٹے۔

عروہ نے کہا: خدا کی قسم! اگر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں تمہیں اس کا جواب دیتا۔ چلو اس کا یہ بدلہ ہو گیا۔

عروہ نے آپؐ کے ساتھ اپنی گفتگو پھر شروع کی۔ اور بات کرتے ہوئے آپؐ کی داڑھی پر ہاتھ رکھنے لگا: گویا حالات کی سنگینی جتلانا چاہ رہا ہو۔ لیکن جیسے ہی وہ ایسا کرتا حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اس کا ہاتھ یہ کہہ کر جھٹک دیتے کہ اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے دور ہی رکھو، اس سے پہلے کہ وہ تم تک پہنچنے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔

عروہ نے کہا: تمہاری بربادی ہو تم کتنے درشت خو ہو۔ پھر آپؐ سے پوچھا: یہ کون ہے؟ آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔

عروہ نے کہا: اے غدار! کیا میں نے ابھی کل ہی تمہاری گندگی صاف نہیں کی ہے(۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے جواب سے عروہ کا شبہ دور کر دیا کہ آپؐ جنگ نہیں چاہتے، بس خانۂ کعبہ کی زیارت چاہتے ہیں، جیسے دوسرے لوگ بغیر روک ٹوک کے زیارت کیا کرتے ہیں۔

عروہ لوٹے تو صحابہؓ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ان کے دل پر نقش ہو چکی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے: خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کی بھی اپنی قوم میں وہ حیثیت

(۱) حضرت مغیرہ نے اسلام لانے سے پہلے کچھ لوگوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ عروہ نے ان کا خون بہا ادا کر کے فتنہ کی آگ بجھائی تھی۔

Marfat.com

نہیں دیکھی ہے جو محمد کی اپنے ساتھیوں میں ہے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو کسی بھی حالت میں انہیں کسی چیز کے سپرد نہیں کر سکتے۔ اب تم جو چاہو کرو (بخاری واسحٰق)

☆☆☆

جن لوگوں نے قریش کی طرف سے ان مذاکرات میں حصہ لیا وہ مکہ مکرمہ لوٹے تو ان کی رائے کا میلان اسی طرف تھا کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے دیا جائے، لیکن اہل قریش اپنی ضد پر بدستور قائم رہے۔

مسلمان اپنی جگہ اس مسئلہ کا کوئی ایسا حل چاہتے تھے جس میں انہیں مکہ پر عام حملہ نہ کرنا پڑے۔ اس دوران کچھ نادانوں نے جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش بھی کی لیکن مسلمانوں نے اپنے اعصاب پر قابو رکھا اور اشتعال میں نہیں آئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ اہل قریش نے اپنے چالیس پچاس آدمی بھیجے کہ مسلمانوں کے لشکر کا چکر لگائیں اور موقع پائیں تو کہیں پر حملہ کر دیں۔ یہ سارے لوگ پکڑ لئے گئے اور آپؐ کے پاس لائے گئے۔ آپؐ نے انہیں معاف کر کے چھوڑ دیا، جبکہ انہوں نے لشکر میں تیر اور پتھر پھینکے تھے۔

اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی:

واذ جعل الذين كفروا فى قلوبهم الحمية حمية الجاهلية فانزل الله سكينته على رسوله وعلى المومنين والزمهم كلمة التقوىٰ وكانوا احق بها واهلها وكان الله بكل شئى عليما (الفتح:٢٦).	جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی اور مومنوں کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا کہ وہی اس کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے سکون واطمینان کا یہ حال تھا کہ قریش کے پیغام رساں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے جاتے رہے لیکن کسی نے بھی ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ جبکہ قریش کے پاس جانے والے مسلمانوں کے نمائندے مصیبتوں میں گرفتار ہوتے رہے۔ خراش بن امیہ خزاعی تو قتل ہی کر ڈالے گئے تھے اگر حبشیوں نے انہیں بچا نہ لیا ہوتا وہ اس حال میں واپس آئے تھے کہ ان کا اونٹ مار ڈالا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اہل مکہ کو یہ بتانے کے لئے بھیجا تھا کہ آپؐ صرف عبادت کے لئے آئے ہیں، جنگ کے لئے نہیں۔

سفیروں کو تو قتل کیا نہیں جاتا۔ لیکن اہل قریش کے اشتعال نے ان کا ہوش چھین رکھا تھا۔ آدمی جب ہوش کھودے تو اسے پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ خودکشی کر رہا ہے۔

Marfat.com

مکہ کے سردار صحیح راستہ سے ہٹ چکے تھے اور انہیں وہ ہلاکت خیز انجام بھی نظر نہیں آرہا تھا جو مقابلہ آرائی کی صورت میں ان کا منتظر تھا۔ اگر مسلمان ان سے بھڑ جاتے تو وہ ٹک نہیں سکتے تھے اور مکہ مکرمہ کی حرمت پامال ہو جاتی۔

ولو قتلكم الذين كفروا لولوا الا دبر ثم لا يجدون وليا ولا نصيرا سنة الله التي قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلا (الفتح: ۲۲۔۲۳)	یہ کافر لوگ اگر اس وقت تم سے لڑ گئے ہوتے تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے اور کوئی حامی و مددگار نہ پاتے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ حالات کو اس رخ پر لے جانے کو ناپسند فرماتے تھے اور اہل مکہ کو قائل کرنے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے تھے۔

آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بلایا کہ وہ جا کر اہل قریش کو سمجھائیں کہ مسلمان کس مقصد کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! مکہ میں بنی عدی (حضرت عمر کے قبیلے) کا کوئی فرد نہیں ہے جو اذیت رسانی کی صورت میں حمایت کر سکے۔ آپؐ عثمان بن عفان کو بھیج دیجئے، ان کا خاندان ابھی مکہ میں موجود ہے اور وہ آپ کی بات پہنچا دیں گے۔

حضرت عثمانؓ اپنے عزیز ابان بن سعید بن العاص کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے اور اپنا پیغام پوری طرح پہنچایا۔ جو بھی ملا اسے یہ سمجھایا کہ تمام مسلمان کس نیک مقصد سے آئے ہیں۔ لوگوں کا جواب تھا: تم چاہو تو خانۂ کعبہ کا طواف کر سکتے ہو۔

حضرت عثمانؓ نے کہا جب تک رسولؐ اللہ طواف نہ کر لیں، میں بھی کرنے والا نہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہو گا کہ مکہ مکرمہ مومن مردوں اور عورتوں سے بالکل خالی نہیں ہو گیا تھا ان کے دل مکہ کے باہر رکے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ تھے اسلام پوشیدہ طور پر بہت سے گھروں میں داخل ہو چکا تھا اور ایسے لوگ اس دن کے شدت کے ساتھ منتظر تھے جب وہ اپنے ایمان کا اظہار کر سکیں اور کفر کے تسلط سے نجات پا سکیں۔

ایسا لگتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسے مومنین سے بھی رابطہ قائم کیا اور انہیں جلد فتح کی بشارت دی۔ قریش نے خیال کیا کہ حضرت عثمانؓ مقررہ حدود سے تجاوز کر چکے ہیں چنانچہ انہیں اپنے پاس نظر بند کر لیا۔ مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔

Marfat.com

جب یہ افواہ رسول اللہ ﷺ کے کانوں میں پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: جب تک ان لوگوں سے مقابلہ نہ کرلیں تب تک ہم یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

آپؐ نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب فرمایا: یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی۔ لوگ تیزی سے لپکے کہ آپؐ سے یہ بیعت کریں کہ چاہے موت کا شکار ہو جائیں فرار کی راہ نہیں اختیار کریں گے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہم سے حدیبیہ کے روز فرمایا: ''تم زمین والوں میں سب سے اچھے ہو''۔ اس وقت ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ حضرت جابرؓ (جن کی بصارت اس روایت کے وقت ختم ہو چکی تھی) فرماتے ہیں کہ اگر مجھے نظر آرہا ہوتا تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ دکھا دیتا (بخاری)

حضرت جابرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت حاطبؓ کا ایک غلام رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: تم غلط کہہ رہے ہو وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ وہ تو بدر اور حدیبیہ دونوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ (بخاری)

یہ بیعت ''بیعت رضوان'' کہلاتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

لقد رضی الله عن المومنین اذیبایعونك تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم فانزل السکینة علیهم واثبهم فتحاً قریباً (الفتح:۱۸)	اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

یہ درخت (حضرت عمرؓ کے حکم پر انہی کے دور میں) کٹوا دیا گیا اور اس کی جگہ فراموش کر دی گئی، اور یہ اچھا ہی ہوا۔ اگر باقی رہ گیا ہوتا تو وہاں یادگار بنالی جاتی اور لوگ اس کی زیارت کے لئے جانے لگتے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کاٹ کر ایسے آثار ونشانات کی طرف عوام تیزی سے لپکتے ہیں۔

حضرت طارق بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں حج کے لئے نکلا تو کچھ لوگوں کے پاس سے گذر ہوا، جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا: یہ نماز پڑھنے کی کون سی جگہ ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی۔ میں سعید بن مسیب کے پاس آیا اور انہیں یہ بات بتائی

Marfat.com

انہوں نے فرمایا: مجھ سے میرے والد نے بتایا کہ وہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی تھی۔ اگلے سال ہم اسے بھول گئے تھے اور اسے پا نہیں سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تو اسے جانتے نہیں تھے اور تم لوگوں نے اسے جان لیا، تب تو تم ان سے بھی زیادہ جانکار ہو۔

مسلمانوں سے بیعت لیتے وقت آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا اور فرمایا "یہ عثمان کا ہے" (بخاری)

تاہم حضرت عثمانؓ کی نظر بندی زیادہ لمبی نہیں ہوئی۔ اہل قریش ان کی پوزیشن کی وجہ سے انہیں کوئی تکلیف پہنچانے سے ڈر رہے تھے۔ چنانچہ جلد ہی سہیل بن عمر کو رسول اللہ ﷺ کے پاس صلح کے لئے بھیجا۔

اس صلح سے اہل قریش کا مقصد صرف اتنا تھا کہ مسلمان اس سال لوٹ جائیں پھر جب چاہیں واپس آئیں تاکہ عربوں میں قریش کی منزلت برقرار رہ جائے۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ نے قریش کے نمائندے کا خیر مقدم کیا آپؐ ان لوگوں سے صلح میں انتہائی دلچسپی رکھتے تھے۔ اگرچہ آپؐ تلوار استعمال کر کے اپنے دشمنوں کو انہی کی زبان میں جواب دینے کی طاقت رکھتے تھے۔ سہیل نے گفتگو شروع کی تو صلح کی شرطیں پیش کیں۔ آپؐ نے ان سے اتفاق کرلیا۔

مسلمانوں کے لشکر میں اس سے دہشت پھیل گئی۔

دشمنوں کے ساتھ نرمی برتنے میں آپؐ بہت دور تک چلے گئے تھے، جبکہ لوگوں کے خیال میں ان پر سختی ہی زیادہ مناسب تھی۔

آپؐ نے اپنی عادت کے خلاف اپنے ساتھیوں سے مجوزہ معاہدہ پر کوئی مشورہ نہیں فرمایا۔ پہلے آپؐ صلح و جنگ کے معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور بسا اوقات ناپسند کرتے ہوئے بھی ان کی رائے مان لیا کرتے تھے، لیکن آج بغیر شدید مجبوری کے تنہا فیصلہ کر رہے تھے اور وہ بات مان رہے تھے جسے وہ لوگ ناپسند کر رہے تھے۔

صلح حدیبیہ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا موقف واضح کرتا ہے کہ معاملات عام انسانی رائے پر نہیں چھوڑ دیے گئے تھے، بلکہ آسمانی الہام رہنمائی کر رہا تھا۔

جس اللہ تعالیٰ نے آپ کی اونٹنی کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا وہ اس لشکر کو

Marfat.com

حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ پھر اس جنگ سے اسلام کو اس سے کہیں کم فائدہ پہنچ سکتا تھا، جتنا اس صلح کے مبارک نتائج سے پہنچا۔

زہری کی روایت ہے کہ جب معاملہ طے ہو چکا، صرف لکھنا باقی رہ گیا تو حضرت عمرؓ مشتعل ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا:

ابو بکر! کیا یہ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔

عمرؓ نے کہا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔

عمرؓ نے کہا: کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔

عمرؓ نے کہا: تب ہم اپنے دین کے سلسلے مین کیوں پستی قبول کر رہے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے کہا: عمرؓ! آپؐ کے حکم کو پکڑے رہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔

پھر عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا:

کیا آپؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں۔

انہوں نے عرض کیا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں۔

انہوں نے عرض کیا: کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟

آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔

انہوں نے عرض کیا: پھر اپنے دین کے سلسلے میں کیوں پستی قبول کر رہے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں، میں اس کے حکم کی مخالفت ہرگز نہیں کر سکتا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو طلب کیا اور کہا لکھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

سہیل نے کہا: میں یہ نہیں جانتا، بلکہ یہ لکھو باسمک اللھم

حضرت علیؓ نے یہ لکھ لیا۔ تو آپؐ نے فرمایا لکھو: یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسولؐ اللہ

Marfat.com

نے سہیل بن عمر کے ساتھ طے کیا ہے۔

سہیل نے کہا: اگر میں گواہی دیتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ سے جنگ ہی نہ کرتا۔ آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیے۔

آپ نے فرمایا لکھو: یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمدؐ بن عبداللہ نے سہیل بن عمر کے ساتھ صلح کی۔

دونوں نے یہ طے کیا ہے کہ دس برس تک جنگ نہیں ہوگی۔ اس دوران لوگوں کو امن حاصل رہے گا اور لوگ ایک دوسرے سے رکے رہیں گے۔

قریش کا جو فرد بغیر اس کی اجازت کے محمدؐ کے پاس آئے گا وہ اسے ان کے پاس لوٹا دیں گے اور محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو قریش کے پاس جائے گا وہ اسے نہیں لوٹائیں گے۔

ہمارے درمیان نیک نیتی رہے گی، کوئی چوری وخیانت نہیں ہوگی۔ جو محمدؐ کا حلیف بننا چاہے، وہ ان کے ساتھ معاہدہ کر سکتا ہے۔ اور جو قریش کا حلیف بننا چاہے، وہ ان کے ساتھ معاہدہ کر سکتا ہے۔

آپؐ (حضرت محمدؐ) اس سال واپس لوٹ جائیں گے اور مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ اگلے سال ہم یہاں سے نکل جائیں گے، آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ داخل ہو جائیں گے اور وہاں تین دن تک قیام کریں گے، آپ کے ساتھ صرف نیام میں تلواریں ہوں گی اور کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔

جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا اسی دوران قریش کے نمائندہ سہیل کے صاحبزادے ابو جندلؓ مسلمانوں کے ساتھ مل جانے کی غرض سے آگئے۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور اپنے گھر والوں کے ہاتھوں کافی اذیت اٹھا چکے تھے۔ اب بھی وہ بیڑیوں مین جکڑے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کو مکہ فتح ہونے میں کوئی شک نہیں تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ انہیں مکہ میں داخل ہونے کا اور خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کا خواب بتا چکے تھے جب انہوں نے معاہدہ کی شرطیں اور واپس لوٹنے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سہیل کی بدتمیزیاں دیکھیں تو شدت رنج وغضب سے بھر گئے اسی دوران ابو جندل کے واقعہ نے اور آگ بھڑکا دی۔

سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو اٹھ کر ان کے چہرے پر مارنے لگے پھر کہا: محمدؐ!

Marfat.com

ہمارے اور آپ کے درمیان معاملہ اس کے آنے سے پہلے طے ہو چکا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ چنانچہ سہیل اپنے بیٹے کو گھسیٹ کر کے قریش کی طرف واپس لے جانے لگے۔ ابوجندل نے زور سے چیخنا شروع کر دیا: مسلمانو! کیا مجھے مشرکین میں لوٹا دیا جائے گا کہ وہ مجھے میرے دین کے سلسلے میں آزمائش میں ڈالیں۔

لوگوں کا غیظ و غضب اور بڑھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوجندل! صبر و تحمل سے کام لو۔

اللہ تمہارے اور تم جیسے کمزور سمجھے جانے والوں کے لئے گنجائش اور راستہ نکالنے والا ہے ہم نے ان لوگوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا عہد قائم کیا ہے۔ ہم غداری نہیں کر سکتے۔

اس طرح معاہدہ نافذ ہو گیا اور معاملہ ختم ہو گیا۔ قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ حلیف ہونے کا معاہدہ کر لیا اور قبیلہ بنوبکر نے قریش کے ساتھ۔

☆☆☆

صلح حدیبیہ کی شرائط پر پہلی نگاہ ڈالنے سے ایسا لگتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنے والی اور اہل قریش کے غرور اور جاہلی حمیت کو تسکین دینے والی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے سوال بھی کیا تھا کہ: اہل قریش میں سے جو مسلمان ہو کر آئے اسے کیوں واپس کیا جائے گا اور جو مسلمان مرتد ہو کر قریش کے پاس جائے وہ کیوں نہیں واپس کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: جو ان کے پاس کافر ہو کر چلا جائے اللہ تعالیٰ اسے واپس نہ لائے، مسلمان اس کی خباثت سے بچ گئے۔ رہے مسلمانوں میں سے کمزور سمجھے جانے والے لوگ جو قریش میں ہیں تو قریش والے جس طرح ان سے پہلے لوگوں کے بارے میں عاجز رہ چکے ہیں ان کے بارے میں بھی کوئی چارہ کار نہیں پائیں گے اور انجام انہی مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوگا۔

کیا پہلے خود رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی کمزور نہیں سمجھے جاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور ان کے سامنے قریش کو رسوا کیا۔؟

مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی پیدا ہوگئی۔ ان سے کہا گیا تھا کہ وہ مسجد حرم میں داخل ہوں گے، جبکہ وہ واپس لوٹ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ

Marfat.com

وہ حسب وعدہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے لوٹیں گے، ان سے یہ تو نہیں کہا گیا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔

تاہم اس المناک انجام سے مسلمانوں کے دلوں پر بھاری بوجھ تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب معاہدہ لکھوانے سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: اٹھو، قربانیاں کرو اور سر منڈ والو (تاکہ احرام ختم ہو جائے اور وہ لوگ مدینہ واپس لوٹ چلیں) لیکن ایک آدمی بھی نہیں اٹھا۔ آپؐ نے تین مرتبہ ایسا فرمایا، لیکن جب کوئی نہیں اٹھا تو آپؐ ام المومنین حضرت سلمہؓ کے خیمہ میں چلے گئے اور ان سے لوگوں کے رویہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ایسا ہی چاہتے ہیں؟ آپؐ نکلئے، کسی سے کوئی بات نہ کیجئے، اپنے جانور قربان کر دیجئے اور سر مونڈنے والے کو بلا کر اپنا سر منڈوا لیجئے۔ چنانچہ آپؐ نکلے اور ایسا ہی کیا۔

جب مسلمانوں نے آپ کو یہ کرتے دیکھا تو اپنی غفلت سے چونکے اور آپؐ کے حکم کی نافرمانی کا خطرہ محسوس کرنے لگے۔ تب وہ تیزی سے اٹھ کر اپنے جانور قربان کرنے لگے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔

عام طور پر بھلائی اور برائی کے میٹھے اور کڑوے پھل اتنی تیزی سے نہیں نکلتے، جتنی تیزی سے اس صلح حدیبیہ کے نکلے۔ ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ مشرکین کی تشدد پسندی خود ان کے لئے وبال بن گئی اور جن شرطوں کو انہوں نے معاہدے میں شامل کرایا تھا ان سے نالاں ہونے لگے۔

دوسری طرف مسلمان اس صلح کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی انتہائی ڈھیل اور دور رس رواداری کے نتائج سے دہشت زدہ ہو رہے تھے، جب اس کی برکتیں ظاہر ہونے لگیں تو ان کی زبانیں اس کی تعریف سے سرشار ہونے لگیں۔

اس معاہدہ کے بعد جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین کے باہمی عہد و قرار میں رخنہ پڑ گیا قریش کو کفر و سرکشی اور نئے دین کو چیلنج کرنے والی قائدانہ طاقت سمجھا جاتا تھا جب یہ خبر پھیلی کہ قریش نے مسلمانوں سے معاہدہ کر لیا ہے تو جو منافقین اس کے لئے سرگرم تھے ان کا فتنہ دم توڑ گیا۔ صنم پرست قبائل کا اتحاد بکھر گیا۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ اہل قریش اپنی نفع اندوزی کی پالیسی اور تجارتی معاملات کو مرکزی اہمیت دیتے تھے انہوں نے اس سلسلے میں اپنے حلیفوں سے صلاح و مشورہ کرنے اور انہیں ملانے کی

Marfat.com

ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ جبکہ مسلمانوں کی اشاعتی، سیاسی اور فوجی سرگرمیاں پھیلتی جارہی تھیں۔ بہت سے قبائل کو ہمنوا بنانے اور اسلام میں داخل کرنے کے سلسلے میں ان کی دعوت وتبلیغ کامیاب ہورہی تھی۔

بہت سے مورخین صلح حدیبیہ کو فتح قرار دیتے ہیں۔ زہری کا خیال ہے کہ اسلام کو اس سے پہلے اس سے زیادہ عظیم فتح حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لوگ اکٹھا ہوتے تو جنگ ہو جاتی۔ جب صلح ہوگئی اور جنگ ختم ہوگئی تو لوگ ایک دوسرے سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے۔ جب باہم ملے جلے تو گفت وشنید اور تبادلۂ خیال ہوا اور جس سمجھدار آدمی کو بھی اسلام کے بارے میں بتایا گیا وہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد دو برسوں میں اتنے ہی یا اس سے بھی زیادہ لوگ مسلمان ہوئے جتنے اس سے پہلے پوری مدت میں ہوئے تھے۔

ابن ہشام کہتے ہیں: زہری کی بات اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ کے لئے نکلے تھے تو آپؐ کے ساتھ صرف چودہ سو اشخاص تھے اور جب دو سال بعد فتح مکہ کے لئے نکلے تو یہ تعداد دس ہزار ہوچکی تھی۔

رہے مکہ مکرمہ میں موجود اذیتوں کے شکار مسلمان تو ان میں سے ایک ابوبصیر عبید بن اسید بھاگ کر مدینہ پہنچے اور وہاں رہنا چاہا۔ قریش نے معاہدے کے مطابق انہیں واپس لانے کے لئے دو آدمی بھیجے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبصیر! تم جانتے ہو ہم نے ان لوگوں سے معاہدہ کر رکھا ہے اور ہمارے دین میں غداری درست نہیں۔ اللہ تمہارے اور تمہارے ساتھ کے کمزور لوگوں کے لئے کشادگی اور راستہ نکالنے والا ہے لہذا اب اپنی قوم کے پاس چلے جاؤ۔

ابوبصیر یہ سن کر غمزدہ ہوگئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کے پاس لوٹا رہے ہیں تاکہ وہ مجھے دین کے سلسلے میں آزمائش میں ڈالیں؟ آپ جلد کشادگی کی امید دہراتے رہے اور ابوبصیر کو ان قریشیوں کے ساتھ مکہ کے لئے واپس بھیج دیا (ابواسحاق)

ابوبصیر یہ انجام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ راستہ میں انہوں نے کسی طرح دونوں پہریداروں میں سے ایک کی تلوار حاصل کرلی اور اسے قتل کر ڈالا۔ دوسرا ڈر کر بھاگا اور مدینہ پہنچ کر آپؐ کو یہ واقعہ بتایا۔ اتنے میں ابوبصیر بھی تلوار لئے ہوئے پہنچ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی ذمے داری پوری ہوچکی۔ آپؐ نے مجھے ان کے حوالے کردیا! میں اپنے دین کے ساتھ اس سے بچ گیا کہ مجھے آزمائش میں ڈالا جائے

Marfat.com

اور اذیتیں دی جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص تو جنگ کی آگ بھڑکا دیتا اگر اس کے ساتھ کچھ لوگ ہوتے (بخاری)

ابو بصیر نے جان لیا کہ نہ انہیں مدینہ میں ٹھکانا مل سکتا ہے، نہ ان کے لئے مکہ میں پناہ ہے لہذا وہ سمندر کے کنارہ عیص نامی جگہ چلے گئے اور ساحل سے گذرنے والے قریش کے قافلوں کے لئے خطرہ پیدا کرنا شروع کر دیا۔ مکہ کے مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا اور آپ کا یہ قول بھی کہ "وہ جنگ کی آگ بھڑکانے والا ہوتا اگر اس کے ساتھ کچھ آدمی ہوتے" تو وہ آ آ کر ابو بصیر سے ملنے لگے یہانتک کہ ستر آدمی ہو گئے جن میں ابو جندل بن سہیل بھی تھے۔

ان اذیت یافتہ لوگوں نے ایک لشکر بنالیا اور قریش کا ناطقہ تنگ کر دیا جو بھی قریشی انہیں مل جاتا اسے قتل کر ڈالتے اور جو قافلہ بھی وہاں سے گذرتا اسے لوٹ لیتے۔

تب قریش نے آپؐ کے پاس وفد بھیجا اور صلہ رحمی کا حوالہ دے کر درخواست کی کہ ان لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دے دیں۔ اہل قریش کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس طرح اہل قریش خود اس شرط سے دستبردار ہو گئے جو انہوں نے زبردستی لگوائی تھی اور جسے مسلمانوں نے ناپسند کیا تھا۔

ابو بصیر و ابو جندل اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ دشمنوں کے جبر و تسلط اور ساتھیوں کی کنارہ کشی کی صورتحال میں عقیدہ کی مزاحمت و ثابت قدمی کی عجیب و غریب مثال پیش کرتا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں خالص ایمان نے گھر کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ کی ہدایات و فرمودات سے انہیں جو کچھ روحانی مدد مل سکتی تھی اس سے وہ محروم تھے لیکن اللہ کی کتاب اور اس کی تعلیمات کا جتنہ حصہ وہ جان چکے تھے اسے اپنے سینوں سے لگائے ہوئے تھے۔

حضرت ابو بصیر کو رسول اللہ ﷺ کے پاس واپسی نصیب نہیں ہو سکی جب آپؐ کی اجازت پہنچی تو وہ آخری سانسیں لے رہے تھے۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے کہ ابو بصیر کے آدمیوں نے ایک قافلہ لوٹا جس میں آپؐ کے داماد ابو العاص بن ربیع بھی تھے، جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ ان لوگوں نے قافلہ کے سارے لوگوں کو قید کر لیا صرف ابو العاص کو ان سے رشتہ کے احترام

Marfat.com

میں گرفتار نہیں کیا۔ ابوالعاص اپنی بیگم حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے اور انہیں سارا واقعہ بتایا۔ حضرت زینبؓ نے اس سلسلے میں آپؐ سے بات کی۔ آپؐ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ہم نے کچھ لوگوں سے رشتے کئے ان میں سے ابوالعاص بھی ہیں۔ انہیں ہم نے بہترین داماد پایا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام سے لوٹ رہے تھے تو ابو جندل وابوبصیر نے انہیں پکڑلیا جو کچھ ان لوگوں کے پاس تھا لوٹ لیا۔ زینب بنت رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے انہیں پناہ دینے کی درخواست کی ہے تو کیا تم لوگ ابو العاص اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دیتے ہو۔ مسلمانوں نے کہا: ہاں۔

یہ بات جب ابوجندل تک پہنچی تو ان لوگوں نے سارے قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ان کا ایک ایک سامان لوٹا دیا۔

پھر ابوبصیر کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچا کہ وہ جگہ چھوڑ کر جہاں پسند کریں چلے جائیں۔ اس وقت ابوبصیر آخری سانسیں لے رہے تھے وہ یہ خط اپنے سینے پر رکھے ہوئے انتقال کر گئے۔ انہیں ابوجندل نے دفن کیا۔

ابوالعاص بن ربیع قریش کا مال وسامان لے کر مکہ پہنچے تو سب کو ان کی امانتیں سونپیں اور تب کہا: اے اہل قریش! کیا کسی کا کوئی مال میرے ذمہ رہ گیا ہے جسے میں نے واپس نہ کیا ہو؟

انہوں نے کہا: نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہم نے آپ کو وفادار اور شریف پایا۔

ابوالعاص نے کہا: خدا کی قسم تمہارے پاس آنے سے پہلے اسلام لانے سے صرف اس چیز نے روک رکھا تھا کہ کہیں تم یہ گمان نہ کرو کہ تمہارا مال ہتھیانے کے لئے اسلام قبول کیا ہے۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پھر وہ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پرانے نکاح سے ہی حضرت زینبؓ کو ان کے پاس لوٹا دیا۔ اس سے پہلے دین کے فرق کی وجہ سے دونوں میں علحدگی کرادی تھی۔

☆☆☆

صلح حدیبیہ کے بعد ہی مسلمانوں نے اس سے انکار کر دیا تھا کہ جو مسلمان

Marfat.com

عورتیں ہجرت کر کے اپنے گھروالوں کے پاس آئیں گی انہیں واپس لوٹا دیں گے۔ یا تو انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ معاہدہ صرف مردوں کے بارے میں ہے، یا انہیں اندیشہ تھا کہ وہ اذیت وذلت کا سامنا نہیں کرسکیں گی، نہ کسی ترکیب سے ان سے بچ پائیں گی، جیسے ابوجندل وابوبصیر نے کرلیا تھا۔

بہر حال قرآن نے بھی یہی ہدایت دے دی اور مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ ان مہاجر مسلمان عورتوں کے مشرک شوہروں کو اس کا معاوضہ دے دیں تا کہ اس سے وہ دوسری شادی کرسکیں اگر وہ اسلام لانا اور پہلی بیویوں کے پاس لوٹنا نہیں چاہتے:

یا ایها الذین آمنوا اذا جاء کم المومنٰت مهجرات فامتحنوهن الله اعلم بایمٰنهن فان علمتوهن مومنٰت فلا ترجعوهن الی الکفار لاهن حل لهم ولاهم یحلون لهن (الممتحنة: ۱۰)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کے مومن ہونے کی جانچ پڑتال کرلو، اور ان کے ایمان کی حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لئے حلال۔

یہ آیت احکام کے علاوہ اس فکری آزادی اور قابل احترام معنوی وجود کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جس سے عورت بہرہ مند تھی۔

آج اگر ایسا ہو تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروپ پہلے ہی یہ سوال کر بیٹھے گا کہ کون ان کا امتحان لے گا؟ مرد یا عورت۔ اور اگر مرد تو نوجوان یا بوڑھا۔ اور عورت کا امتحان براہ راست ہوگا یا پردے کے پیچھے سے؟

☆☆☆

پھر یہودیوں کا معاملہ

اب مسلمانوں کے سامنے شدید دشمنوں کے دو گروپ رہ گئے تھے۔

دیہاتوں کے بدو، جو صحراء میں بھٹکے ہوئے اونٹوں کی طرح پھرتے رہتے تھے اور کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اگر کہیں مال غنیمت کی صورت نظر آتی تو اس کے پیچھے دوڑ پڑتے۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کی بات انہیں کم ہی متوجہ کر پاتی تھی۔

اور بنی اسرائیل، جو نبوت کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے اور اب بھی حضرت محمدؐ کو جھٹلاتے، آپ کی رسالت کا انکار کرتے اور مسلمانوں سے نفرت کرتے تھے۔ توریت

Marfat.com

کے جو چھلکے انہیں وراثت میں مل سکے تھے، انہی میں بدمست تھے۔ انہوں نے مسلمانوں سے لمبی بحثیں کیں اور اس کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ مسلمانوں کا وجود ہی تسلیم نہ کریں۔ پھر اس حد تک چلے گئے کہ ان کے خلاف ساز باز کرنے لگے۔ ان کی سیرت کینہ، تکبر اور سازش کا عجیب وغریب امتزاج تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ کشمکش میں کافی ضربیں کھانے کے بعد بھی وہ اپنے منصوبوں سے ذرا بھی باز نہیں آئے۔

جب غزوہ احزاب (خندق) میں نادان بدوؤں اور اہل کتاب کا اتحاد ناکام ہو گیا، مشرکین کے لشکر مدینہ منورہ کو تاراج نہیں کر سکے اور بنوقریظہ کو اپنی غداری کا مزہ چکھنا پڑ گیا، تب بھی خیبر کے یہودیوں کی آنکھیں نہیں کھلیں، نہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاملات سدھارنے کی کوشش کی۔ بلکہ انہوں نے قبیلہ غطفان اور آس پاس کے بدوؤں کو اکٹھا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں، تاکہ اسلام کے خلاف دوسرا محاذ کھولا جا سکے، جو از سر نو حضرت محمدؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے خلاف سازشیں کرے لیکن مسلمان ان سازشوں کے سلسلے میں پہلے ہی سے چوکنا تھے۔ چنانچہ چھٹے ہجری سال میں حدیبیہ سے واپس ہونے کے بعد محرم کے مہینے میں انہوں نے خیبر کا رخ کیا تاکہ بنی اسرائیل کی طاقت توڑ دیں۔

لیکن روانگی سے پہلے مسلمان اس سے غافل نہیں رہے کہ یہودیوں اور غطفان کے درمیان ان کے خلاف جو محاذ بنا ہے اس میں دراڑ پیدا کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے غطفان کو یہ تاثر دیا کہ حملہ انہی پر ہونے والا ہے اور جلد ہی مسلمانوں کی طاقت انہیں روند ڈالے گی۔

ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق جب غطفان نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر پر حملہ کرنے والے ہیں تو وہ یہودیوں کی مدد کے لئے نکل پڑے، لیکن ایک منزل نکل آئے تو انہیں اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کے سلسلے میں خطرہ محسوس ہوا۔ انہوں نے سمجھا کہ مسلمان انہی کی طرف رخ کر رہے ہیں۔ تب وہ الٹے پیروں واپس ہو گئے اور اپنے لوگوں کے ساتھ ٹھہرے رہے۔ مسلمانوں اور خیبر کے درمیان حائل ہونے کی کوشش نہیں کی۔

اس طرح خیبر کے یہودیوں کو ان کے حلیف مشرکین سے الگ رکھنے کا منصوبہ کامیاب ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے پاس پہنچ گئے اور وہاں کے لوگوں سے

Marfat.com

مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے تو اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ٹھہر جاؤ۔ پھر آپ نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی۔

''اے اللہ! آسمانوں اور زمین اور ان کی ہر چیز کے پروردگار اور شیطانوں اور جن کو وہ گمراہ کر دیں، ان کے پروردگار، اور ہواؤں اور جن کو وہ اڑائیں ان کے پروردگار، ہم تجھ سے اس بستی اور یہاں کے رہنے والوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی چاہتے ہیں اور اس بستی اور یہاں کے رہنے والوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے پناہ چاہتے ہیں'' (ابن ہشام)

پھر فرمایا: اللہ کے نام سے آگے بڑھو۔

ایسا لگتا ہے کہ یہودیوں نے پہلے یہی سمجھا کہ مسلمانوں کا حملہ غطفان پر ہے چنانچہ انہوں نے توجہ نہیں دی بلکہ اپنے کھیتوں وغیرہ میں مشغول رہے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ مسلمان ان کی طرف آ رہے ہیں تو گھبرا کر یہ کہتے ہوئے اپنے قلعوں میں لوٹ گئے کہ ''یہ تو محمدؐ ہیں''۔

جیسا کہ مسلمان واقف ہیں، یہودی کھلے میدان میں لڑنے کے قائل نہیں۔ بلکہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ ان کی عادت تو دیواروں کے پیچھے سے لڑنے کی ہے۔

کیا ایسا ان کی جینے کی ہوس اور موت سے ڈر کے اثر سے ہے؟

جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ اپنے قلعوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں تو ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے زور سے نعرہ لگایا: ''اللہ اکبر، خیبر تباہ ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کے صحن میں آ گئے تو وہ ڈرائے جانے والوں کی بدترین صبح ہے'' (بخاری)

فسق و فجور میں مبتلا بستیاں دیر سویر اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کی طرف پہنچا ہی دیتی ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کسی بستی میں زنا اور سود عام ہو جائے تو اس نے اپنے اوپر اللہ کے غضب کو جائز کر لیا۔

اور یہودیوں میں دونوں برائیاں عام ہیں۔ آج تک وہی دنیا میں سود کے کاروبار کے سرخیل اور عریانیت اور فحاشی کے رہنما ہیں، اگرچہ اس سے انکار نہیں کہ ان میں بھی کچھ لوگ کردار و عفت سے آگاہ ہیں۔

ومن قوم موسی امة یھدون بالحق وبہ یعدلون (الاعراف:۱۵۹)

موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو حق کے مطابق ہدایت کرتا اور حق ہی کے مطابق انصاف کرتا تھا۔

Marfat.com

لیکن قوموں کے انجام کا فیصلہ اکثریت کرتی ہے، اقلیت نہیں۔

☆☆☆

مسلمانوں نے خیبر کے قلعوں پر اپنا حملہ شروع کیا اور یکے بعد دیگرے قلعے فتح ہوتے چلے گئے۔ یہودیوں نے جانثاری کے ساتھ دفاع کی کوشش کی، کیونکہ یہ ان کا سب سے زرخیز اور محفوظ علاقہ تھا۔

محاصرہ طول پکڑتا جارہا تھا جب ایک قلعہ فتح ہوجاتا تو بنی اسرائیل دوسرے قلعہ میں پناہ لے لیتے۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول بھی محبت کرتے ہیں رات میں لوگوں میں یہی چرچا رہا کہ دیکھیں کل کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے۔

صبح ہوئی تو لوگ امید لگائے ہوئے آپؐ کے پاس پہنچے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو آواز دی اور انہیں جھنڈا عطا کیا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! تب تک جنگ کروں جب تک وہ ہماری طرح نہ ہوجائیں؟ آپؐ نے فرمایا: تحمل سے کام لو، جب تک ان کے میدان میں نہ اتر جاؤ، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور بتاؤ کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت اس لئے فرمائی کہ لوگوں کا جلد مال غنیمت حاصل کرنے کا شوق منقطع ہوجائے۔ کیونکہ یہودیوں کی شکست کی صورت میں ان کی کافی دولت مل سکتی تھی۔ لیکن ان کے ہدایت پانے کی صورت میں لڑنے والوں کو اس سے کہیں زیادہ ثواب ملنے والا تھا۔

اگر یہودی اللہ تعالیٰ کا حکم مان لیتے اور اپنی کمینگی کی خصلتیں چھوڑ دیتے تو خود بھی سکون سے رہتے اور لوگوں کو بھی سکون پہنچاتے۔ لیکن انہوں نے جنگ کے علاوہ کچھ بھی ماننے سے انکار کیا۔ تب حضرت علیؓ نے ان پر سخت حملہ کیا یہاں تک کہ وہ قلعہ فتح ہوگیا اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔

یہودیوں کے قلعوں سے ایک شہسوار مرحب نامی نکلا اور مسلمانوں کو مقابلہ کے

خیبر میں اپنی عادت کے مطابق یہودیوں نے بہت سے قلعہ بنا رکھے تھے۔ یہ غالباً سب سے بڑا قلعہ تھا مدینہ منورہ و خیبر یہودیوں کے جن قلعوں کا ذکر آیا ہے وہ شمالی ہند کی اصطلاح میں گڑھی کی طرح تھے۔

Marfat.com

لئے چیلنج کیا، وہ رمزیہ اشعار پڑھ رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسر نکلا۔ حضرت زبیرؓ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی) بھی ان عورتوں میں شامل تھیں جو جنگ میں مدد دینے کے لئے نکلی تھیں۔ انہیں ڈر لگا کہ کہیں ان کا بیٹا مارا نہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، انشاء اللہ آپ کا بیٹا اسے قتل کرے گا، اور یہی ہوا، حضرت زبیرؓ نے یاسر کو مار ڈالا۔

جو قلعے ابھی بچ گئے تھے، یہودی اب بھی ان میں جمے ہوئے تھے اور حتی المقدور دفاع کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ جنگ جلد ختم ہو کیونکہ وہ غذائی اشیاء کی قلت سے پریشان ہو گئے تھے اور وہاں کی خراب آب و ہوا کی وجہ سے بہت سے بیمار بھی پڑ گئے تھے۔ ایک شخص نے آکر بتایا کہ یہودیوں کو اس محاصرے سے زیادہ پریشانی نہیں ہے کیونکہ خفیہ راستوں سے وہ رات کو نکل کر پانی حاصل کر کے لوٹ جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ راستے بند کرا دیے تاکہ یہودیوں کو لڑائی یا ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا جا سکے۔ چنانچہ یہودی نکلے اور مسلمانوں سے سخت ٹکر لی جس میں کئی مسلمان شہید ہو گئے، لیکن اپنی جانیں دے کر انہوں نے قلعہ فتح ہونے کا راستہ صاف کر دیا تھا۔ یہ زبیر کا قلعہ کہا جاتا تھا اور یہ قلعوں کے اس سلسلہ کا آخری قلعہ تھا (جسے لطاۃ کہا جاتا تھا) ان سب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اب دوسرا سلسلہ رہ گیا تھا جس پر حملہ کے لئے مسلمان تیار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے سموان نامی قلعہ سے حملہ شروع کیا، جس پر شدید جنگ ہوئی۔ اس میں سے ایک شخص عزدل نکلا اور مقابلہ کے لئے چیلنج کیا حضرت حبابؓ بن منذر نے حملہ کیا اور تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا دایاں ہاتھ آدھے بازو سے کٹ کر دور جا پڑا۔ یہودی بھاگنے لگا لیکن حضرت حبابؓ نے پکڑ کر اس کا قصہ تمام کر دیا۔

پھر ایک دوسرا یہودی نکلا۔ ایک مسلمان مقابلہ کے لئے نکلے لیکن یہودی نے انہیں شہید کر ڈالا۔ تب حضرت دجنہؓ نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر ڈالا۔ پھر مسلمانوں نے نعرہ تکبیر لگایا اور قلعہ پر چڑھ دوڑے۔ حضرت ابو دجانہؓ آگے آگے تھے بالآخر قلعہ سخت جد و جہد کے بعد فتح ہو گیا اور وہاں مسلمانوں کو غذائی اشیاء اور دیگر سامان بھی ملا۔

محصورین میں سے کچھ لوگ نکل کر بزاۃ نامی قلعہ میں اپنے ساتھیوں سے

Marfat.com

جا ملے۔ مسلمانوں نے اس پر بھی ہلہ بول دیا۔ یہاں تیروں کا تبادلہ ہوا جس میں رسول اللہ ﷺ کی انگلی بھی زخمی ہوگئی۔ لیکن بالآخر مسلمانوں نے قلعہ فتح کرلیا۔ پھر مسلمانوں نے باقی قلعوں کو ڈھادینے کے لئے منجنیقیں (ایک طرح کی توپیں جن سے بھاری پتھر پھینکے جاتے تھے) نصب کرنے کا ارادہ کیا۔ یہودیوں کو جب ہلاکت کا یقین ہوگیا تب خود سپردگی کے علاوہ انہیں کوئی اور راستہ نظر نہیں آیا۔ ابن ابی الحقیق قلعہ سے نکلا اور اس شرط پر صلح کی پیش کش کی کہ انہیں خیبر سے جلاوطن کردیا جائے اور وہ اپنی سواریوں پر جتنا سامان لے جاسکیں لے کر چلے جائیں، باقی مسلمانوں کا ہوگا۔ آپؐ نے صلح قبول کرلی البتہ یہ شرط لگائی کہ وہ کوئی چیز چھپائیں یا غائب نہ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تب کوئی معاہدہ باقی نہیں رہے گا (بیہقی)

سارے یہودیوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ پھر آکر پیش کش کی کہ انہیں نصف پیداوار پر کھیتی کرنے دیا جائے۔ آپؐ نے اسے بھی منظور فرمالیا، البتہ یہ واضح فرمادیا کہ یہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ ہم جب چاہیں گے تمہیں نکال دیں گے۔ کیونکہ آپؐ کو ان سے بدمعاملگی کا اندیشہ تھا (بخاری)

☆☆☆

معرکۂ خیبر کے دوران ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک سیاہ فام غلام اپنے یہودی آقا کی بکریاں چرا رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اہل خیبر ہتھیار اٹھا رہے ہیں اور جنگ کے لئے تیار ہو رہے ہیں تو ان سے پوچھا: کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم اس شخص سے جنگ کریں گے جو نبی ہونے کا گمان کرتا ہے۔ غلام کے دل میں دلچسپی پیدا ہوگئی، چنانچہ وہ اپنی بکریاں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور دریافت کیا: آپ کیا فرماتے ہیں اور لوگوں کو کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے علاوہ کسی اور کی پرستش نہ کرو۔ غلام نے پوچھا کہ اگر میں اس کی گواہی دوں اور ایمان لاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: اگر اسی پر تمہارا انتقال ہو گیا تو تمہیں جنت ملے گی۔ پھر اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔ آپؐ نے فرمایا انہیں اپنے پاس سے نکال کر کنکری مار کر بھگادو، اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے تمہاری امانت ادا کرادے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ بکریاں مالک کے

Marfat.com

پاس پہنچ گئیں اور یہودی نے جان لیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو گیا۔

پھر لوگ لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نصیحت فرمائی اور جہاد پر ابھارا۔ دونوں فریق بھڑ گئے۔ مسلمانوں میں جو لوگ شہید ہوئے ان میں وہ سیاہ فام غلام بھی تھا اس کی لاش بھی لشکر میں لائی گئی۔ آپؐ اس خیمہ میں تشریف لے گئے جہاں شہید کی لاش رکھی تھی، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو عزت بخشی اور اسے بھلائی کی طرف پہنچا دیا۔ میں نے اس کے سر کے پاس دو حوریں دیکھیں، جبکہ اس نے اللہ کے لئے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ (ابن کثیر)

اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ نے رضا کار عورتوں کو بھی نکلنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ وہ زخمیوں کی دیکھ بھال جیسی خدمات انجام دینا چاہتی تھیں۔ ابن کثیر کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے انہیں مال غنیمت میں سے کھجوریں مردوں کے برابر دیں البتہ اراضی میں حصہ نہیں لگایا۔

☆☆☆

یہودیوں کے سردار حی بن اخطب کی صاحبزادی صفیہ بھی غزوہ خیبر کے قیدیوں میں شامل تھیں اور ایک صحابی کے حصے میں پڑی تھیں۔ آپؐ نے ان سے واپس لے کر آزاد کر دیا پھر ان کی آزادی ہی کو مہر قرار دے کر شادی فرمالی (بخاری)

جب جنگ ختم ہو گئی تو سلام بن مشکم یہودی کی بیوی نے ایک بھنی ہوئی بکری آپؐ کی خدمت میں تحفۃً بھیجی اور اس کے دست میں خوب زہر بسایا کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کو دست کا گوشت زیادہ پسند ہے۔ آپؐ نے جیسے ہی اس میں سے ایک لقمہ چکھا اسے تھوک دیا اور فرمایا: ''یہ ہڈی مجھے بتا رہی ہے کہ وہ زہر آلود ہے'' آپؐ کے ساتھ بشر بن براء بھی تھے جو لقمہ نگل چکے تھے۔

مجرم عورت کو لایا گیا تو اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا: آپؐ نے میری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا وہ جانتے ہی ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر آپؐ بادشاہ ہیں تو نجات مل جائے گی اور اگر نبی ہوں گے تو آپؐ کو خبر مل ہی جائے گی۔ آپؐ نے اس سے درگذر فرمایا پھر بشر اس زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تب ایک روایت کے مطابق اس سے قصاص لیا گیا اور ایک روایت کے مطابق وہ اسلام لائی اور اسے معاف کر دیا گیا (بخاری)

خیبر میں یہودی بٹائی (نصف پیداوار) پر کھیتی کرتے رہے لیکن مسلمانوں کے

Marfat.com

لئے ان کے دلوں میں جو کینہ ونفرت تھی وہ انہیں بعض جرائم کرنے سے باز نہیں رکھ پاتی تھی۔ایک انصاری نوجوان خیبر میں مقتول پائے گئے پھر حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں ان کے بیٹے حضرت عبداللہ کا ہاتھ توڑ دیا گیا۔تب حضرت عمرؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے اس شرط پر معاملہ کیا تھا کہ ہم جب چاہیں گے انہیں نکال دیں گے۔انہوں نے عبداللہ پر حملہ کر کے ان کے ہاتھ توڑ دیئے جیسا کہ آپ لوگ جان چکے ہیں۔اس سے پہلے انصاری پر حملہ کر چکے ہیں اور ہمیں کوئی شک نہیں کہ یہ انہی کا کام تھا۔ان کے علاوہ وہاں کوئی اور دشمن ہے ہی نہیں۔تو جس کی خیبر میں کوئی جائداد ہو وہ وہاں پہنچ جائے۔میں یہودیوں کو وہاں سے نکالنے والا ہوں۔چنانچہ انہیں نکال دیا (بخاری)

بلاشبہ خیبر میں بنی اسرائیل کو جو شکست ہوئی تھی اس نے جزیرہ عرب میں ان کے سیاسی وجود کا مکمل خاتمہ کر دیا تھا۔

تب فدک کے یہودی امان طلب کرنے آئے۔

وادی القریٰ کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اسلام کی دعوت اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں جان و مال کے تحفظ کی ضمانت کے پیغام کے بعد جنگ اختیار کی۔لیکن ایک معمولی مقابلہ کے بعد یہ یہودی وادی فتح ہوگئی۔

تیماء کے یہودیوں نے خودسپردگی اختیار کر لی۔

یہ علاقے ایک زمانہ تک یہودیوں کے تسلط میں رہنے کے بعد اب اسلام کے سایہ میں آ گئے تھے۔

ان معرکوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور وہ بلاوجہ نہ کسی قوم کو دیتا ہے، نہ اس سے چھینتا ہے۔ بلکہ جو قوم بگاڑ اور فساد کا راستہ اختیار کرتی ہے اس سے نعمت چھین لی جاتی ہے اور جو اس نعمت کی قدر اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے اسے دے دی جاتی ہے۔جو قوم آزادی کے ساتھ تکبر اور حق کو پامال کرنے کا راستہ اختیار کرتی ہے، وہ خود اپنے کنٹرول بھی کھو دیتی ہے اور حق بھی، جو اس کے ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے تصرف میں چلا جاتا ہے۔

یہودیوں نے جب توریت کے احکام کو پامال کیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی تو ان پر یہی قانون نافذ ہوا اور جب مسلمانوں نے اپنے پاس موجود ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کی تو ان پر بھی یہی قانون نافذ ہوا۔

Marfat.com

وکذلك اخذ ربك اذا اخذ القری وھی ظلمة ان اخذه الیم شدید (ھود: ۱۰۲)

اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔

زندگی تو نام ہی ہے عروج وزوال اور اقبال وادبار کا۔ تاریخ انسانی پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک قوم ابھی قوموں کی سربراہی پر فائز ہی ہوتی ہے کہ دوسری قوم اس سے یہ منصب چھیننے کے لئے تیار ہونے لگتی ہے۔

عروج پانے والی قومیں سمندر کی موجوں کی طرح ہوتی ہیں، جو اوپر اٹھتی ہیں پھر دھیرے دھیرے کمزور ہو کر نیچے گر جاتی ہیں۔ مدوجزر کا یہ عمل دوبارہ بھی دہرایا جا سکتا ہے۔

بنی اسرائیل دنیا میں اقتدار وعزت سے بہرہ مند ہوئے پھر یہ نعمت ان سے چھین لی گئی اور اسی میں پوری دنیا کی بھلائی تھی۔

آخر یہودی اسلام کے خلاف صنم پرستی کی مدد کیوں کر رہے تھے؟ یہ کس کے مفاد میں تھا؟ دراصل بنی اسرائیل دین ودنیا کو اپنی ذاتی مفادات کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے اسلام کی شدید مزاحمت کی۔ جبکہ قدرت نئی امت کو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی برائیوں اور اس کی بگڑی ہوئی تہذیب کی اصلاح کا ذریعہ بنانا چاہتی تھی۔ اگر چند بدو یا چند یہودی اس زبردست انقلاب کی راہ میں حائل ہونا چاہ رہے تھے، وہ بھی محض اپنے کینہ اور دنیاوی مفاد کے لئے، تو ظاہر ہے انہیں اس طوفان میں غرق ہونا ہی تھا۔

اگر یہودی مزید ایک ہزار سال جزیرہ عرب میں رہیں تو مزید پھوٹ ڈالنے کے علاوہ اور کیا کریں گے۔ اس خطہ کو ان کے وجود سے کوئی فائدہ تو پہنچ نہیں سکتا۔ فن زراعت میں مہارت سے وہ اناج اور پھلوں کی پیداوار تو کچھ بڑھا سکتے ہیں لیکن سود اور اخلاقی بگاڑ کے معاملات کے ذریعہ دنیا کو اس سے کہیں زیادہ فساد برآمد کر دیں گے۔

رہا اسلام تو جزیرہ عرب سے ایمان واصلاح کی نعمتیں لے کر نکلا تھا۔ اور حق پرستی اور نفع رسانی کی صلاحیتوں کی وجہ سے پھیلنے اور کامیاب ہونے کا حقدار تھا۔ پھر جب پہلے کے یہودیوں کی طرح مسلمانوں میں بھی درماندگی اور برائیاں پیدا ہو گئیں تو انہیں اپنے علاقوں سے محروم ہونے اور دیگر مصیبتوں کا اسی طرح سامنا کرنا پڑا۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی

خیبر کی فتح کے ساتھ حضرت جعفرؓ بن ابو طالب اور ان کے ساتھی مہاجرین حبشہ

Marfat.com

سے واپس پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ ان صحابہ کرامؓ کی آمد سے انتہائی خوش ہوئے۔ یہ لوگ اپنے دین کو آزمائشوں سے بچانے کے لیے مکہ چھوڑ کر فرار اختیار کر گئے تھے اور آج جب واپس آئے تھے تو اسلام کا جھنڈا بلند ہو رہا تھا اور اس کا اقتدار جزیرہ عرب کے شمال وجنوب میں پھیلتا جا رہا تھا اب اہل اسلام کو ظلم و جبر کا ڈر نہیں رہ گیا تھا۔

جب یہ مہاجرین مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرط مسرت سے فرمایا ''خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ میں فتح خیبر سے زیادہ خوش ہوں یا جعفر کی آمد سے (حاکم)

حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھی حبشہ میں دس برس سے زیادہ عرصہ سے مقیم تھے اس دوران قرآن کی بہت سی سورتیں اور آیتیں نازل ہو چکی تھیں اور مشرکین کے ساتھ متعدد معرکے واقع ہو چکے تھے۔ یہ اتنا لمبہ عرصہ تھا کہ بہت سی تبدیلیاں آ چکی تھیں اور بعض لوگ یہ گمان کرنے لگے تھے کہ حبشہ کے مہاجرین چونکہ ان واقعات میں شامل نہیں رہے ہیں، اس لئے ان کا مرتبہ کم ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ لوگ ہم سے کہتے تھے کہ ہم تم سے ہجرت میں سبقت لے گئے۔

ایک بار حضرت اسماء بنت عمیسؓ (جو حبشہ ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں) ام المومنین حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں، اسی دوران حضرت عمرؓ آ گئے۔ انہوں نے دریافت کیا: یہ کون ہیں۔ حضرت حفصہ نے بتایا: اسماءؓ بنت عمیس۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا حبشہ والی؟ حضرت اسماءؓ نے کہا: ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ہم لوگ تم لوگوں سے ہجرت میں سبقت لے گئے، اس لئے ہم رسول اللہ ﷺ کے زیادہ حقدار ہیں۔ حضرت اسماءؓ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، خدا کی قسم تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے وہ تمہارے بھوکے کو کھلاتے تھے اور تمہارے ناواقف کو نصیحت فرماتے تھے جبکہ ہم حبشہ میں دور دراز اور نفرت کے علاقہ میں تھے اور محض اللہ اور رسول کے لئے۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک تمہاری بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر نہ کرلوں اور پوچھ نہ لوں۔ اور خدا کی قسم میں نہ جھوٹ بولوں گی نہ کچھ کمی زیادتی کروں گی۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچیں اور عرض کیا کہ عمرؓ نے ایسا ایسا کہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تو تم نے ان سے کیا کہا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایسا ایسا کہا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ تم لوگوں سے زیادہ مجھ پر حق نہیں رکھتے۔ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ایک ہجرت کی ہے جبکہ تم جہاز والوں نے دو ہجرتیں کی ہیں (بخاری)

Marfat.com

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ ان لوگوں نے قرآن وسنت کا جو حصہ چھوٹ گیا تھا وہ سیکھ لیا اور سابقین کے ساتھ جہاد کے قافلوں میں جٹ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں اہل حدیبیہ کے ساتھ خیبر کے مال غنیمت میں شریک فرمایا: ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خیبر کا مال غنیمت ان لوگوں کا بدلہ بنایا تھا جو مکہ مکرمہ گئے تھے اور درخت کے نیچے موت پر بیعت کی تھی۔

بدوؤں کی سرزنش

مسلمانوں کو جیسے ہی یہودیوں کے مسئلہ سے نجات ملی انہوں نے صنم پرست بدوؤں کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں، حدیبیہ میں قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح کے معاہدہ کے بعد ان بدوؤں کا شیرازہ منتشر ہو گیا تھا۔ کل وہ اسلام کے مرکز کا متحدہ گروپوں کی حیثیت سے محاصرہ کر رہے تھے۔ لیکن آج صورتحال بدل چکی تھی۔ بنی اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی اور اہل مکہ پسپائی اختیار کر چکے تھے۔ اب مسلمان یکے بعد دیگرے ان بدوؤں کے ایک ایک قبیلہ سے نمٹ سکتے تھے ان کی شرانگیزیوں اور انارکی کو روکنا ناگزیر بھی ہو چکا تھا۔ بدو نہایت درشت خو اور سخت دل لوگ ہوتے ہیں۔

ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ ابھی پچھلی صدی کے آخر تک حاجیوں کے قافلوں کو لوٹا کرتے تھے اور چند درہم کے لئے انہیں بیدردی سے ذبح کر ڈالتے تھے۔ اسلام نے ان کے ذہنی واخلاقی معیار کو بدلنے کی زبردست کوششیں کیں لیکن انہوں نے تربیت دینے والے علماء ہی کو قتل کر ڈالا۔ تب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ ان کے شر و فساد کو بذریعہ طاقت کچل دیا جائے۔

خیبر سے واپسی کے بعد نجد کے علاقوں میں سرزنش کرنے والے دستے بھیجنا ہی مسلمانوں کا سب سے اہم کام تھا۔ یہ صورتحال تب تک جاری رہی جب تک وہ حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق ساتویں ہجری سال میں عمرۃ القضاء کے لئے عازم مکہ نہیں ہو گئے۔

ان دستوں نے جن کی حیثیت فوجی لشکروں سے کہیں زیادہ پولیس کے دستوں جیسی تھی، مسلمانوں کی ہیبت قائم کی۔ ان دستوں کو بھیجنے کا اصل مقصد ہی امن وسلامتی کو مستحکم کرنا، مدینہ پر چھاپوں کو روکنا اور غداری کے ڈر کے بعد اللہ کی طرف دعوت دینے

Marfat.com

والوں کو پیغمبرانہ تعلیمات کے ساتھ چاروں طرف گھومنے پھرنے کا موقع دینا تھا۔

ان قبائل کا حال جاگیرداری کے دور کی بستیوں جیسا تھا۔ گاؤں کا سربراہ اپنے گاؤں کے ووٹوں کا مالک ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں سیاسی آزادی کی بات بے معنی ہی تھی مذکورہ قبائل کے سرداروں کے اردگرد ان کے خاندانوں والے اکٹھا رہتے تھے اور جنگ وامن میں انہی کی رائے پر چلتے تھے۔ چنانچہ ان سرداروں کی اکثریت ان احمقوں کی تھی جن کی بات مانی جاتی تھی۔ تب کیا اس ماحول میں اہل دعوت الگ تھلگ رہ سکتے تھے؟

امن وسلامتی کو مستحکم اور یقینی بنانا دوسری چیز ہے اور لوگوں کو کسی عقیدہ ونظریہ کو ماننے پر مجبور کرنا بالکل دوسری چیز۔ پہلی چیز کا مقصد معاشرہ کو زور زبردستی اور فتنہ سے آزاد کرانا ہے تاکہ معاشرہ کے کسی فرد کو کوئی عقیدہ اختیار کرنے پر سزا نہ دی جا سکے۔ جبکہ دوسری چیز کا مقصد لوگوں کو کسی خاص نظریہ وعقیدہ کو ماننے پر زبردستی مجبور کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ جو دستے (سرایا) ہر طرف بھیج رہے تھے وہ قرآن کریم کا پیغام سناتے تھے۔

قل یا ایھا الناس انما انا لکم نذیر مبین فالذین آمنوا وعملوا الصلحت لھم مغفرۃ ورزق کریم والذین سعوا فی آیاتنا معجزین اولئک اصحب الجحیم (الحج:۴۹۔۵۱)	اے نبی کہہ دو کہ "لوگو! میں تو تمہارے لئے صرف وہ شخص ہوں جو (برا وقت آنے سے پہلے) صاف صاف خبردار کر دینے والا ہو۔ پھر جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی اور جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے وہ دوزخ کے یار ہیں"۔

اگر مخالفت محض زبان سے ہوتی، تب بھی کوئی بات نہیں تھی، لیکن زور زبردستی سے منہ ہی بند کر دینا قابل برداشت نہیں ہو سکتا تھا:

واذا تتلٰی علیھم آیتنا بینٰت تعرف فی وجوہ الذین کفروا المنکر یکادون یسطون بالذین یتلون علیھم آیتنا (الحج:۷۲)	اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی وہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے جو انہیں ہماری آیات سناتے ہیں۔

مسلمان تو جزیرۂ عرب میں عادلانہ بنیاد پر اپنی دعوت پھیلا رہے تھے۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد سے اس میدان میں ان کی کامیابی کی رفتار بھی خاصی تیز ہو گئی تھی

Marfat.com

مسلمانوں کے ساتھ بہت سے قبائل نے معاہدے کیے جب کہ بدو عام طور پر قریش سے منحرف ہو گئے اور ان کے ساتھ کسی نے معاہدہ نہیں کیا۔ اس سمت میں پیش رفت غلبۂ اسلام اور بالآخر فتح مکہ کی واضح تمہید بن رہی تھی۔

جزیرۂ عرب کے اندر اسلام کی دعوت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دیگر حقوق سے غافل نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو نشانیاں دی تھیں ان کی روشنی دور دور تک تمام انسانوں کو پہنچانے کے لئے برابر کوشاں تھے:

واوحی الی هذا القرآن لانذركم به ومن بلغ ائنكم لتشهدون ان مع الله آلهة آخرى قل لا اشهد قل انما هو الله واحد واننى برئى ما تشركون (الانعام:۱۹)

اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تا کہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو متنبہ کردوں۔ کیا واقعی تم لوگ یہ شہادت دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں؟ کہو۔ میں تو اس کی شہادت ہرگز نہیں دے سکتا۔ کہو، خدا تو وہی ایک ہے اور میں اس شرک سے قطعی بیزار ہوں جس میں تم مبتلا ہو۔

اسلام کی دعوت مجوسیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچانی لازمی تھی۔

بادشاہوں سے خط وکتابت

جزیرۃ العرب کے جنوبی حصہ میں بڑے علاقوں پر ایرانی قابض تھے اور شمالی حصہ کے بڑے علاقوں پر رومی۔ ان قابض طاقتوں کے مذاہب بھی ان کے زیر نگیں علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ ان مذاہب کی اشاعت کو محض فکری آزادی کا نتیجہ قرار دینا حماقت ہی ہوگی۔ بہر حال مجوسیت فارس (ایران) کے زیر تسلط علاقوں پر غالب تھی اور عیسائیت رومیوں کے زیر تسلط علاقوں پر۔ ان علاقوں کے حکام کا تقرر حکمراں قابض مملکتوں کی طرف سے کیا جاتا تھا اور وہ انہی کے مطیع وفرمانبردار ہوتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں بڑی مملکتوں کو اپنے خطوط بھیجے اور انہیں اسلام کی دعوت دی وہیں ان مقبوضہ علاقوں کے حکام کو بھی خطوط بھیجنا مناسب سمجھا۔

مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی (یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نماز جنازہ آپؐ نے غائبانہ پڑھی تھی) اور ہر حکمراں کو خطوط بھیجے۔

Marfat.com

☆☆☆

رومی قیصر کے پاس آپؐ نے حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کو اپنا خط لے کر بھیجا۔ قیصر تک اس طرح کی دعوت پہنچانا آسان کام نہیں تھا، وہ بھی ایک سیدھے سادھے عرب کی طرف سے، جو رومیوں کی نگاہ میں ان کی ایک باجگذار قوم کا فرد تھا۔

مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر آپؐ نے اس مہم کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا جو ایمان وثواب کی نیت سے اسے انجام دے اور اس سلسلے میں نتائج وعواقب کی پرواہ نہ کرے۔[۹۱]

ابن حبان کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: میرا یہ خط قیصر کے پاس کون لے جائے گا اور اسے بدلہ میں جنت ملے گی؟ ایک شخص نے عرض کیا: چاہے وہ قبول نہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا: چاہے وہ قبول نہ کرے۔ تب حضرت دحیہ نے خط لے لیا اور روم کی طرف چل پڑے۔ وہ ہرقل (قیصر روم) سے اس وقت ملے جب وہ ایران پر فتح پانے کے بعد شکرانے کے طور پر بیت المقدس کی زیارت کے لئے آیا ہوا تھا۔ بخاری کی روایت کے مطابق قیصر نے خط لیا اور پڑھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے روم کے فرمانروا ہرقل کے نام اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد: میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لایئے، سلامتی پایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو دہرا اجر دے گا اور اگر آپ روگردانی کرتے ہیں تو آپ پر اَکّارین (کسانوں یعنی رعایا) کا گناہ بھی ہوگا:

یا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون (آل عمران:٦٤)	اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔

اس خط پر قیصر نے جتنی توجہ دی اس سے اس کے درباری برافروختہ ہوگئے اور ان کا اشتعال اس وقت اور بڑھ گیا جب ہرقل نے (معلوم نہیں سنجیدگی سے یا مذاقاً) ان

Marfat.com

سے یہ کہا کہ یہ دین قبول کر لیں۔

ہماری نگاہ میں ہرقل ایک سیاسی آدمی تھا۔ دین کے معاملے سے اسے اس سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی، جس سے اس کے اقتدار کو تقویت ملے۔ اس نے مملکت کی باگ ڈور اس وقت سنبھالی تھی جب حضرت مسیحؑ کے بارے میں کلیسائی اختلافات بام عروج پر تھے اور عیسائی امت شدید پھوٹ کا شکار تھی۔ قیصر نے ان اختلافات کو کم کرنے اور مختلف کلیساؤں کو ایک مسلک پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ مصر و شام میں یعقوبی عیسائی اس سے سرکشی اختیار کر گئے۔

الٰہیات کے سلسلے میں گفتگو اس کے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ مملکت کے مفاد میں مختلف نقطہ ہائے نظر کو باہم قریب کرنا اس کی آرزو ہی تھی۔ شاید وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں ان سارے اختلاف کرنے والوں کی سطحیت کو محسوس بھی کرتا رہا ہو۔ اور ہو سکتا ہے تھوڑی دیر کے لئے اسے یہ خیال بھی آیا ہو کہ تثلیث کی پیچیدگی سے نکل کر توحید کی سادگی کو اپنا لیا جائے۔ لیکن اس سے مملکت میں جو شدید اختلاف پیدا ہو سکتا تھا اس کے پیش نظر یہ خیال جلدی ہی دم توڑ گیا ہو۔ کیونکہ ظاہر ہے مملکت کا معاملہ اس کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ اہم تھا۔ بہر حال ہو سکتا ہے کہ اس کی سیاسی مہارت نے اسے آمادہ کیا ہو کہ وہ دحیہ کو بلائے اور ان کے دل میں یہ وہم ڈالے کہ وہ دل سے مسلمان ہے۔ پھر انہیں کچھ دینار انعام کے طور پر دے کر رخصت کر دیا ہو۔

حضرت دحیہؓ نے جب واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو رپورٹ دی تو آپؐ نے فرمایا: ''دشمن خدا نے جھوٹ کہا۔ وہ مسلم نہیں ہے۔ اور حکم دیا کہ دینار غریبوں میں تقسیم کر دیئے جائیں (الاموال لابی عبیدہ)

☆☆☆

جو چھوٹے رجواڑے رومیوں کے تابع تھے ان کے پاس بھی رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت بھیجی تھی لیکن ان کا جواب قیصر کے جواب سے کہیں زیادہ کھردرا اور سخت تھا۔

امیر دمشق کے نام آپؐ کا نامہ تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے حارث بن ابو شمر کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اللہ پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔ میں

Marfat.com

آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اس اللہ پر ایمان لائیں جو یگانہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ آپ کا اقتدار برقرار رہے گا (واقدی۔ البدایہ والنہایہ)

جب اس نے خط پڑھا تو اسے زمین پر پھینک دیا اور کہا: میری بادشاہت کو مجھ سے کون چھیننے والا ہے۔؟ پھر اس نے مسلمانوں سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

یہ حارث اصلی بادشاہ نہیں تھا جو اس طرح پھولتا پچکتا۔ وہ تو غالب رومیوں کا ایک ماتحت تھا جو ان کی خواہشات پوری کرتا تھا اور ان کا دم چھلا تھا، جیسے آج کے دور میں مشرق کے بہت سے بادشاہ اور حکمراں ہیں جنہیں استعماریوں نے اس لئے بنا رکھا ہے کہ انہیں کمزور قوموں کو اپنے قدموں کی طرف کھینچنے کا ذریعہ بنائیں۔

جو پیش کش اسے کی گئی تھی وہ اس کے واقعی باعزت حکمراں بننے کی واحد صورت ہو سکتی تھی، اگر اس نے اسے قبول کر لیا ہوتا۔

رومیوں ہی کے ایک دوسرے رجواڑے بصریٰ کے حاکم کے پاس بھی رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی خط بھیجا، جو حضرت حارث بن عمیرؓ ازدی لے کر گئے۔ راستے میں انہیں شرحبیل بن عمرو غسانی مل گیا اور پوچھا کہ کیا تم محمد ﷺ کے سفیروں میں سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، تو شرحبیل نے انہیں قتل کر دیا۔

مدینہ منورہ میں جب اس طرح کی خبریں پے در پے پہنچیں تو مسلمانوں کو بے عزتی محسوس ہوئی اور ان پر واضح ہو گیا کہ رومیوں کے ساتھ تعلقات سخت جدوجہد کے بعد ہی انصاف واحترام کی بنیاد پر استوار ہو پائیں گے۔

☆☆☆

مقوقس (حاکم مصر) نے رسول اللہ ﷺ کے خط کا اچھا جواب دیا۔ وہ ایمان تو نہیں لایا مگر جارحانہ رویہ بھی اختیار نہیں کیا۔ جب اس نے حضرت حاطبؓ بن بلتعہ سے خط وصول کیا تو کہنے لگا: اگر وہ نبی ہیں تو انہیں کس چیز نے منع کیا ہے کہ وہ اپنے مخالفین اور اپنے وطن سے نکالنے والوں کے خلاف بددعا کریں؟'

حاطبؓ نے کہا: حضرت عیسیٰؑ کو جب کچھ لوگوں نے قتل کرنے کے لئے پکڑ لیا تھا تو کس چیز نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے سے روک دیا تھا کہ وہ انہیں ہلاک کر دے؟

مقوقس نے اس جواب پر اظہار تحسین کیا اور کہا کہ تم حکمت والے ہو اور حکمت والے کے پاس سے آئے ہو پھر رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا:

Marfat.com

محمد بن عبداللہ کے نام قبطیوں کے سربراہ مقوقس کی طرف سے۔ آپ پر سلامتی ہو۔ اما بعد۔ میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے ذکر کیا ہے اور جس کی طرف دعوت دی ہے اسے سمجھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ابھی ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے۔ اور مجھے گمان تھا کہ وہ شام کے علاقے میں نکلیں گے۔ بہر حال میں نے آپ کے پیغام رساں کی عزت کی اور آپ کے لئے ایسی دو لونڈیاں (جن کا قبطیوں میں بڑا مرتبہ ہے) کچھ کپڑے اور سواری کا ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کے جذبہ کے پیش نظر اس ہدیہ کو قبول تو کر لیا لیکن ظاہر ہے اس سے بہتر ہدیہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لایا ہوتا۔

یہاں حضرت حاطبؓ کی مقوقس کے ساتھ گفتگو کا ذکر بھی ضروری ہے کہ یہ پیغامات کتنی مہارت اور سمجھداری کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔

حضرت حاطبؓ نے کہا: اس نبیؐ نے لوگوں کو دعوت دی تو سب سے زیادہ سخت مخالفت قریش نے کی اور سب سے زیادہ دشمنی یہودیوں نے۔ آپؐ سے سب سے زیادہ قریب عیسائی رہے۔ خدا کی قسم حضرت موسیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جیسی بشارت دی تھی، ویسی ہی حضرت عیسیٰؑ نے حضرت محمدؐ کی دی۔ اور ہم جو آپ کو قرآن کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہ ویسی ہی ہے جیسی آپ اہل توریت کو انجیل کی طرف دیتے ہیں۔

ہر نبی کو جو قوم ملی وہی اس کی امت ہے۔ اس پر حق ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے۔ آپ نے اس نبی کو پالیا ہے۔ ہم آپ کو حضرت مسیحؑ کے دین سے نہیں روکتے۔ بلکہ اس کی تو تائید کرتے ہیں۔

اس گرمجوشانہ دعوت کا نتیجہ وہ خط تھا جو مقوقس نے بھیجا۔

☆☆☆

یہ ان خطوط کی مثالیں ہیں جو عیسائیوں کے حکمرانوں کو بھیجے گئے اور انہوں نے جیسا ردعمل ظاہر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح اپنے نمائندے مجوسی حکمرانوں کو بھی بھیجے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور انہیں اس دین کے بارے میں بتایا جس کی پیروی کر کے وہ گمراہی سے نکل کر ہدایت پا سکتے ہیں۔

مجوسیوں کا ردعمل بھی ایمان وکفر اور تشدد و نرمی کے اعتبار سے مختلف رہا۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فارس کے فرمانروا کسریٰ پرویز کے نام جو خط لکھا اس کا مضمون یہ تھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فارس کے فرمانروا کسریٰ کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یگانہ ہے اور اس کا کوئی ساجھی نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں آپ کو اللہ کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اس کا پیغمبر ہوں، تاکہ جو بھی زندہ ہے اسے آگاہ کیا جائے اور منکرین حق پر بات پوری ہو جائے۔ اسلام قبول کیجئے تو سلامت رہیں گے اور اگر انکار کیا تو مجوسیوں کا گناہ بھی آپ پر ہوگا'' (ابن جریر)

رومیوں کے ہاتھوں بری طرح شکست کھانے کے بعد جن مصائب کا شکار ہو چکا تھا شاید کسریٰ نے اسے بھی اپنے بلند مرتبہ کے لئے چیلنج سمجھا ہو کہ اب عرب بھی اسے سکھانے آگئے۔

کسریٰ نے وہ خط پھاڑ ڈالا اور اپنے یمن (جو ابھی تک اس کے تسلط میں تھا) کے گورنر کو حکم جاری کیا کہ وہ اپنے دو طاقتور آدمیوں کو بھیج کر اس شخص کو پکڑ بلائے جس نے اس سے خط و کتابت کی جرأت کی۔

یہ پرویز احمق آدمی تھا، اگرچہ اسے شہنشاہ کہا جاتا تھا۔ سیاسی صنم پرستی کو اگر دینی صنم پرستی سے بھی تائید و مدد ملنے لگے تو وہ تاریکی در تاریکی بن جاتی ہے۔ مملکت کے امور میں تصرف اور لوگوں اور چیزوں کے بارے میں فیصلے کرنے میں بھی اس شخص پر حماقت ہی غالب تھی، یہانتک کہ اس کی قوم خود اس سے عاجز آچکی تھی بلکہ خود اس کے بیٹے شیرویہ نے تنگ آکر اسے قتل کر ڈالا۔

بخاری کی روایت کے مطابق جب کسریٰ کی حرکت کے بارے میں خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس کی مملکت کو ٹکرے ٹکرے کر دے''

دلچسپ بات یہ ہے کہ یمن کے گورنر کو جیسے ہی کسریٰ کا حکم ملا اس نے اسے فوراً نافذ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور اپنے دو آدمی مدینہ منورہ بھیج دیئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہیں کہ ساتھ چل کر اپنے فعل کی جوابدہی کریں۔

آپؐ نے ان دونوں کو دیکھا تو محسوس فرمایا کہ یہ اس قسم سے تعلق رکھتے ہیں جسے

Marfat.com

بادشاہ لوگ محلوں میں اسی طرح تربیت دیتے ہیں جیسے بعض عورتیں مرغیاں پال لیتی ہیں۔

آپؐ نے جب دیکھا کہ ان کی موچھیں بٹی ہوئی اور داڑھیاں منڈی ہوئی ہیں تو ناگواری محسوس کرتے ہوئے فرمایا: تمہیں کس نے ایسا کرنے کے لئے کہا تھا؟

انہوں نے کہا: ہمارے رب (یعنی کسریٰ) نے۔

بادشاہوں کو خدا کے درجے تک پہنچا دینا پرانی گمراہی ہے۔ اسلام کی اشاعت کے بعد یہ برائی ختم ہوگئی تھی، لیکن اس کے آثار پھر ظاہر ہونے لگے، بادشاہ کو صاحب جلال کہا جانے لگا اور اسے جوابدہی سے بالاتر سمجھا جانے لگا اور خدا کے قوانین کو باطل کر کے خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگی۔ بادشاہ اور اس کے درباری قوم کو اپنے سامنے جھکانے لگے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کی بات سنی تو انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ یمن کے گورنر کے پاس واپس لوٹ جائیں اور اسے بتا دیں کہ میرے رب نے آج کی رات اس کے رب کو مار ڈالا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو کسریٰ کے مارے جانے کا علم ہو چکا تھا۔

اس واقعہ کے بعد یمن کے گورنر اور اس کے آدمیوں کے دل میں اسلام جاگزیں ہو گیا اور وہ یمن کے علاقوں میں عیسائیوں اور مجوسیوں دونوں کے درمیان خوب پھیل گیا۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ نے بحرین کے امیر کے نام بھی خط بھیجا جس میں مجوسیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ خط حضرت علاء بن حضرمی لے گئے تھے۔ (نصب الرایہ)

بحرین کا امیر منذر بن سامری سمجھدار اور سلجھا ہوا آدمی تھا۔ اس نے اپنا دل اس دعوت کے لئے کھول دیا۔ حضرت علاءؓ نے بھی اس کے سامنے اسلام کے محاسن انتہائی خوبصورتی کے ساتھ بیان کئے اور کہا: منذر! آپ دنیا کے معاملات میں عظیم ذہانت کے مالک ہیں، لہٰذا آخرت کے معاملے میں پیچھے نہ رہ جائیں۔ یہ مجوسی اجنبی و نامانوس لوگ ہیں۔ ان میں نہ عربوں کی شرافت و سربلندی ہے اور نہ کتاب کا علم۔ جن عورتوں سے نکاح باعث شرم ہے ان سے نکاح کرتے ہیں، جن چیزوں کو ناپسندیدہ سمجھ کر کھایا نہیں

Marfat.com

جاتا انہیں کھا لیتے ہیں اور دنیا میں اس آگ کی پرستش کرتے ہیں جو قیامت کے دن انہی کو کھا جانے والی ہے۔ آپ میں عقل ورائے کی کمی نہیں، تو دیکھئے کیا جسے دنیا میں جھٹلانا نہیں چاہئے ہم اس کی تصدیق نہ کریں؟ جو خیانت نہیں کرتا اسے قابل بھروسہ نہ سمجھیں اور جو خلاف ورزی نہیں کرتا اس پر اعتماد نہ کریں؟

خدا کی قسم یہ وہ نبی امی ہیں جن کے بارے میں کوئی ذی ہوش آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش وہ جس چیز کا حکم دے رہے ہیں اس سے روکتے، یا جس سے روک رہے ہیں اس کا حکم دیتے، یا کاش اس سے زیادہ درگذر کرتے، یا سزا میں کمی کرتے۔ ان کی تو ہر بات اہل حق کی آرزو اور اہل نظر کے تصور کے مطابق ہے۔

منذر اسلام لائے اور اپنی قوم پر بھی اسلام پیش کیا۔ ان میں جسے پسند آیا وہ مسلمان ہو گیا اور جسے ناپسند ہوا وہ اپنی مجوسیت یا یہودیت پر برقرار رہا۔ جب آپؐ سے ان کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا گیا تو آپ نے فرمایا" جو یہودیت یا مجوسیت پر برقرار رہے اس پر جزیہ ہوگا (واقدی)

اس دور میں آباد دنیا تک دعوت کا میدان وسیع کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ عرب تو خود اپنے کسی فرد کے لئے نبوت ہی کو بہت زیادہ سمجھتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے:

واذا رأوك ان يتخذونك الا هزوا أهذا الذي بعث الله رسولا (الفرقان:٤١) یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق بنا لیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟

تب روم وعجم کا کیا حال ہوگا جو عربوں کو تہذیبی وسیاسی اعتبار سے کمتر سمجھتے تھے کیا وہ اور جلد تمسخر وانکار کی طرف مائل نہ ہوتے۔

رسالتوں کے علمبردار معاملات کو حال کی تنگیوں کی روشنی میں نہیں دیکھتے۔ کیونکہ انہیں اپنے نظریہ کے غلبہ واشاعت پر گہرا یقین ہوتا ہے، جو راہ کی دشواریوں کو ان کی نگاہ میں حقیر و بے وزن بنا دیتا ہے۔

اگر کارل مارکس اپنے نظریہ کی حدوں میں رہا ہوتا، جو اس کے ماننے والوں کو اس وقت جیلوں میں پہنچا رہا تھا، تو وہ معطل ہو کر رہ جاتا اور اس کا نظریہ فنا کے گھٹ اتر گیا ہوتا۔ لیکن وہ اپنی راہ پر گامزن رہا اور اسے پوری امید رہی کہ ایک روز بڑے ممالک اس نظریہ کو اپنا رہنما بنائیں گے۔ اگر یہ مادہ پرستوں کا حال ہے، جو گمراہ کن نظریات کے

Marfat.com

حامل ہیں تو وہ رسول جن کی تائید وحی کرتی تھی، کیوں نہ وقت کے فرمانرواؤں کو خطوط لکھتے جبکہ انہیں پورا یقین تھا کہ ان کے پاس جو حق ہے وہ سربلند ہو کر رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے دل میں یہی تھا جب آپؐ ایک طرف کبھی نرمی اور کبھی سختی سے بھٹکے ہوئے عرب بدوؤں کو ہدایت کی راہ پر لانے کی کوشش فرماتے تھے، دوسری طرف دیگر قوموں کے رہنماؤں کو دعوت دیتے تھے کہ وہ اس نئے دین پر غور کریں اور اسے قبول کریں۔

جو خرافات واوہام نجد کے بدوؤں کے ذہن بگاڑے ہوئے تھے، وہی فارس کے عظیم فرمانروا کسریٰ کا ذہن بھی بگاڑے ہوئے تھے۔

کسی بادشاہ یا کسی فقیر کو لاحق ہونے والے بخار میں کیا فرق ہوسکتا ہے؟ طبیب دونوں کے لئے ایک ہی دوا تجویز کرے گا اور ایک ہی طرح کے احتیاطی تدابیر اختیار کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ یہی تو چاہتے تھے کہ چھوٹوں اور بڑوں سب کو ان کے دلوں کے امراض سے نجات دلائیں اور انہیں شفایاب کرنے والی دوا دیں:

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين الا خسارا (بنی اسرائیل:۸۲)	ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے لئے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔

تب کیا یہ حیرت کی بات ہوگی کہ آپؐ اپنے علاج میں گورے اور کالے اور آقا وغلام سب کو شامل کرلیں۔ ہوسکتا ہے وہ بادشاہ لوگ نگاہوں کو خیرہ کرنے والی شان وشوکت کے ساتھ اپنے درباریوں اور فوجوں سمیت اونچی دیواروں کے پیچھے چھپے رہتے ہوں لیکن ان مظاہر سے کون متاثر ہوسکتا ہے۔ طبیب تو مریض کے جسم ہی پر توجہ دے گا انبیاء کرام تو اس پر توجہ فرماتے تھے کہ یہ لوگ جہالت میں مبتلا ہیں، انہیں سیکھنا چاہئے، نادان ہیں انہیں ہدایت حاصل کرنی چاہئے۔ اور دنیا میں جو انہیں اثر ورسوخ حاصل ہے اس کی بنیاد پر وہ زیادہ خطرے میں ہیں اور ہدایت وگمراہی پر ان کی جزا وسزا بھی زیادہ بھاری ہوگی۔

باطل کی حمایت پر کمربستہ طاقتوں کو بہرحال پسپا ہونا پڑے گا۔ جیسے سورج طلوع ہو کر رات کے اثرات مٹا دیتا ہے اور تاریکیوں کے پردے چاک کر دیتا ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے یمن کے گورنر کے نمائندوں سے فرمایا تھا: انہیں

Marfat.com

بتا دینا کہ عنقریب میرا دین واقتدار کسریٰ کی حدود تک پہنچے گا اور ہر طرف پھیلے گا اور ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر آپ اسلام لائے تو جو کچھ آپ کے زیر اقتدار ہے میں وہ آپ کے سپرد کر دوں گا اور آپ کو آپ کی قوم کا بادشاہ بنا دوں گا (ابن جریر)

آپ ۔۔۔ مدینہ منورہ میں رہ کر ۔۔۔ گورنری عطا فرما رہے ہیں اور معزول کر رہے ہیں، اور یہ کوئی فریب خوردگی نہیں تھی، بلکہ سچ تھا۔ کیا آپ کا رابطہ ساری دنیا کے مالک سے نہیں تھا؟ کیا آپ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کی طرف سے نہیں بھیجے گئے تھے؟

فطری بات تھی کہ مشرکین عرب ان نبوی سفارتوں کی خبریں جانیں اور ان کے نتائج کا بے چینی سے انتظار کریں۔ چنانچہ شروع ہی میں جب انہیں کسریٰ کے ردعمل کا پتہ چلا تو بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: اب کام بن گیا، شہنشاہ کسریٰ خود سامنے آ گیا ہے۔ یہ بات مکہ وطائف میں بھی پھیل گئی۔

پھر جب کچھ دن گذر گئے، کسریٰ صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گیا اور اسلام دلوں اور علاقوں کو فتح کرتا رہا اور یہ خبریں آنے لگیں کہ بعض علاقوں میں آپ کی سفارتیں اسلام کی ہدایت کو پھیلانے میں کامیاب رہی ہیں اور یمن، عمان اور بحرین اسلام میں داخل ہو گئے ہیں تب مشرکین کو گھبراہٹ اور مایوسی ہونے لگی۔ مختلف قبائل آپ کی اطاعت کے بارے میں سوچنے لگے، خاص طور پر اس لئے بھی کہ اسلام کی آندھی کے سامنے کفر وانکار لرز رہا تھا اگرچہ کچھ لوگ اپنی جاہلیت پر بضد تھے۔

بل متعنا هؤلاء وآباء هم حتى طال عليهم العمر افلا يرون انا ناتي الارض ننقصها من اطرافها أفهم الغلبون. قل انما انذركم بالوحي ولا يسمع الصم الدعاء اذا ماينذرون (الانبياء: ٤٤۔٤٥)

اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اور ان کے آباء اجداد کو ہم زندگی کا سروسامان دیے چلے گئے یہاں تک کہ ان کو دن لگ گئے۔ مگر کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو مختلف سمتوں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں؟ پھر کیا یہ غالب آ جائیں گے؟ ان سے کہہ دو کہ "میں تو وحی کی بنا پر تمہیں متنبہ کر رہا ہوں" مگر بہرے پکار کو نہیں سنا کرتے۔

عمرۂ قضا

ہجرت کا ساتواں سال ختم کے قریب پہنچ رہا تھا اور وقت آ گیا تھا کہ مسلمان مکہ مکرمہ واپس ہوں، تاکہ وہ عمرہ ادا کر سکیں، جس سے پچھلے سال انہیں روک دیا گیا تھا۔۔ وہ

Marfat.com

ایک سال مجبوراً لیٹ ہو چکے تھے۔تاہم اس وقفہ میں دعوت اسلام کو حاصل ہونے والی کامیابیاں تمناؤں سے بھی زیادہ تھیں۔اب مسلمان دوبارہ قربانی کے جانور حرم شریف کی طرف لے جارہے تھے اور ان کے پیچھے زبردست کامیابی کے آثار تھے۔

اہل مکہ نے معاہدہ کے مطابق مکہ سے نکل جانا ہی پسند کیا۔رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔مشرکین نے یہ افواہ پھیلادی کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے توڑ کر رکھ دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مشرکین دارالندوہ کے پاس لائن سے کھڑے ہوئے، تاکہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو دیکھیں۔جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو اپنی چادر سے دایاں بازو نکال لیا پھر تیزی سے چلتے ہوئے فرمایا ”اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو آج ان کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے“ (ابن ہشام)

اس تیزی سے (دوڑ کر) طواف کرنے کا مقصد مسلمانوں کی طاقت کا اظہار اور اس افواہ کو جھٹلانا تھا کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔تب سے یہ سنت ہو گئی۔قریش نے یہ دیکھ کر کہا: نہیں بخار نے انہیں توڑ نہیں ڈالا ہے۔

ابن ہشام کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ آپؐ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے اور ایمان افروز اشعار پڑھتے ہوئے چل رہے تھے۔

مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں تین روز قیام کیا۔اس کے بعد قریش کے کچھ لوگ آئے اور یاد دلایا کہ مقررہ مدت ختم ہو چکی ہے، اب نکل جایئے۔

آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ میمونہ بنت حارث سے مکہ مکرمہ ہی میں آپؐ کی شادی کر دی تھی۔رخصتی وہاں سے نکلنے کے بعد سرف کے مقام پر ہوئی۔اس عمرۂ قضا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لقد صدق الله رسوله الرويا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله آمنين محلقين روسكم ومقصرين لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلك فتحا قريبا (الفتح: ۲۷)

فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔انشاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔وہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے اس لئے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اس نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی۔

Marfat.com

غزوۂ موتہ

امیر بصریٰ کے پاس بھیجے جانے والے سفیر کا قتل اور جس بری طرح ان کے ساتھ سلوک کیا گیا وہ مسلمانوں کو بہت کھل گیا تھا۔ حبیل بن عمرو نے انہیں بندھوا کر قتل کرایا تھا۔ آپؐ کے کسی اور سفیر کو قتل نہیں کیا گیا۔

سفیروں کو ویسے بھی قتل نہیں کیا جاتا۔

مسلمانوں نے شدید توہین کے احساس کے ساتھ بدلہ لینے اور اس مجرم والی کو رومیوں کے لئے اس حد تک جانے کی سزا دینے کا ارادہ کرلیا۔

مسلمانوں نے تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا۔ اہل مدینہ نے اس دعا کے ساتھ اس لشکر کو رخصت کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے سلامتی کے ساتھ واپس لائے لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اس کے جواب میں ایسے اشعار پڑھ رہے تھے جن سے شہادت کی تمنا جھلک رہی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا امیر حضرت زیدؓ بن حارثہ کو بنایا اور فرمایا کہ اگر وہ نہ رہیں تو جعفرؓ بن ابو طالب امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی نہ رہیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔

لشکر شام کی طرف چل پڑا۔ اس کی خبریں پہلے ہی رومیوں کو پہنچ گئیں مسلمانوں کی جنگی صلاحیت وطاقت کی جو شہرت قائم ہو چکی تھی اس کی وجہ سے رومیوں نے بہت بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں کیں اور زبردست فوج میدان میں لائے۔

مسلمان جب معان کے مقام پر پہنچے تو انہیں علم ہوا کہ ایک لاکھ رومی اور اتنے ہی (ایک لاکھ) عیسائی عرب ان کے انتظار میں ہیں۔

اتنے زبردست لشکر پر حملہ معمولی بات نہیں تھی۔ مسلمان دو روز تک معان میں ٹھہر کر صورتحال پر غور کرتے رہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ کر دشمن کی تعداد بتائی جائے پھر یا تو آپؐ مزید کمک بھیجیں یا ہمیں جیسی ہدایت دیں ہم اس پر عمل کریں۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے لوگوں کو حوصلہ دلاتے ہوئے کہا: لوگو! خدا کی قسم تم جس چیز کو ناپسند کر رہے ہو اسی کی طلب میں تو نکلے ہو۔۔۔ یعنی شہادت۔۔۔ ہم دشمنوں سے تعداد اور طاقت کے بل پر نہیں لڑتے، بلکہ اس دین کے بل پر لڑتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں

Marfat.com

عزت بخشی ہے، لہذا آگے بڑھو، دو میں سے ایک بھلائی تو ملنی ہی ہے، فتح یا شہادت۔

اس پر جوش تقریر کا اثر پڑا، مسلمانوں میں جو تذبذب پیدا ہو رہا تھا، وہ ختم ہو گیا اور انہوں نے جنگ کا فیصلہ کر لیا۔ نتائج چاہے جو بھی ہوں۔

حضرت عبدؓ اللہ بن رواحہ شدید جذبات والے شاعر تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ سے کوچ کرنے کے ساتھ ہی محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ شہادت کے لئے جا رہے ہیں، چنانچہ دل اور زبان سے اس کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ ہو سکتا ہے فوجی حکمت کا تقاضا دوسرا ہی رہا ہو لیکن مسلمان جیسے ہی اللہ کی راہ میں جانثاری اور موت کی بات سنتے تھے، آخرت کی محبت ان میں جوش مارنے لگتی تھی۔ پھر انہیں یہ بھی یاد آتا تھا کہ پچھلے معرکوں میں دشمنوں سے کہیں کم تعداد میں ہونے کے باوجود وہ فتحیاب ہو چکے ہیں لہذا وہ مطمئن ہو کر آگے بڑھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ: میں غزوۂ موتہ میں شریک تھا۔ جب مشرکین قریب پہنچے تو ہم نے بے حساب تعداد اور تیاری دیکھی۔ اسلحہ جات اور ریشم و سونے کی چمک سے نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ حضرت ثابتؓ بن ارقم نے کہا: ابو ہریرہؓ! لگ رہا ہے تم بہت بڑی تعداد دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہاں (حضرت ابو ہریرہؓ حدیبیہ کے بعد اسلام لائے تھے) حضرت ثابتؓ نے کہا: تم نے ہمارے ساتھ معرکۂ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ ہم کثرت تعداد سے فتحیاب نہیں ہوتے۔

☆☆☆

دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہ توقع تو غلط ہی ہو گی کہ تین ہزار ہیرو بھی کھلے میدان میں ستر گناہ زیادہ فوج کا سامنا کر لے جائیں۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ رسول اللہ کا علم لے کر جنگ میں کود پڑے، اور تب تک لڑتے رہے جب تک دشمنوں کے نیزوں نے انہیں چھید نہیں ڈالا۔

پھر حضرت جعفرؓ نے علم سنبھال لیا اور انتہائی شدت سے رومیوں کا مقابلہ کرنے لگے ابو داؤد کی ایک عینی گواہ کی روایت کے مطابق حضرت جعفرؓ اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی زبان پر جنت کے بالکل قریب ہونے اور رومیوں کے عذاب کے دن آجانے کے اشعار تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک رومی نے ان پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ ان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پہلے جھنڈا دائیں ہاتھ میں سنبھالا، جب وہ کٹ کر

Marfat.com

گر پڑا تو بائیں ہاتھ سے سنبھال لیا، جب وہ بھی کٹ کر گر پڑا تو دونوں بازؤں کے ذریعہ سینہ کے ساتھ سنبھال لیا، آخر شہید ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۳ برس تھی۔

جب حضرت جعفرؓ شہید ہو گئے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے جھنڈا سنبھال لیا اور اپنے گھوڑے پر آگے بڑھے۔ لیکن صورتحال کی نزاکت اور دشمن کے دباؤ کی شدت دیکھی تو ایک لمحہ کے لئے تذبذب میں پڑ گئے، پھر اپنے دل کو یہ کہتے ہوئے اپنے دونوں ساتھیوں کے انجام پر مطمئن کر لیا کہ "اے نفس اگر تو قتل نہ بھی ہوا تو ایک دن تو مرنا ہی ہے، تو نے جو تمنا کی تھی وہ پوری ہو گئی ہے"۔

پھر پیش قدمی کی۔ اسی وقت ان کے ایک چچازاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر آ گئے اور انہیں دیا اور کہا کہ کھا لو کچھ طاقت بحال ہو جائے گی۔ ابھی انہوں نے چبایا بھی نہیں تھا کہ محاذ کے کسی جانب جنگ کے زیادہ زور پکڑنے کی آواز سنی تو کہنے لگے تمہارے اس دنیا میں زندہ ہوتے ہوئے؟ یہ کہہ کر گوشت کا ٹکڑا اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور تلوار کھینچ کر آگے بڑھے، یہاںتک کہ شہید ہو گئے۔

ان تینوں کمانڈروں کے بعد جھنڈا حضرت ثابتؓ بن اقرد نے سنبھال لیا اور چیخ کر کہا: مسلمانو! اپنے کسی آدمی پر اتفاق کر لو۔ لوگوں نے کہا آپ ہی پر۔ انہوں نے کہا: نہیں میں یہ ذمے داری نہیں سنبھال سکتا۔ تب لوگوں نے حضرت خالدؓ بن ولید پر اتفاق کیا۔ حضرت ثابتؓ نے موت سے بچنے کے لئے انکار نہیں کیا تھا بلکہ اس احساس کی بنا پر کیا تھا کہ جماعت میں ان سے زیادہ اہل آدمی موجود ہے۔ جھنڈا تو انہوں نے اس لئے سنبھال لیا تھا کہ کہیں گر نہ جائے اور یہ اس نازک صورتحال میں بہت بہادری کا کام تھا۔

کاش ہر شخص لوگوں کی قدر و منزلت سمجھ کر اس کے مطابق انہیں درجے دیتا اور امت پر اپنی عدم صلاحیت اور خود غرضی نہ لادتا۔

حضرت خالدؓ نے علم سنبھالا تو لڑنا بھی شروع کیا اور اس نازک صورتحال سے اپنے لشکر کو نکالنے کی ترکیب بھی کرتے رہے۔

پسپائی کی جنگ زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ حضرت خالدؓ رومیوں کو اس منصوبہ سے آگاہ بھی نہیں ہونے دینا چاہ رہے تھے۔

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت خالدؓ نے بتایا کہ: معرکہ کے دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں بالآخر ایک یمنی تلوار نے ساتھ دیا۔

رات ہوئی تو وقتی طور پر جنگ رک گئی۔ صبح ہوتے ہی حضرت خالدؓ نے اپنی

Marfat.com

تھوڑی سی فوج کی تنظیم نو کی۔ مقدمۃ الجیش کو پیچھے کر دیا اور میمنہ کو میسرہ سے بدل دیا۔

حضرت خالدؓ نے نشانہ یہ بنایا کہ رومیوں کو اس طرح چیلنج کیا جائے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے، ساتھ ہی عام مڈ بھیڑ نہ ہونے پائے۔ اس منصوبہ کے ذریعہ وہ ہزاروں ساتھیوں کو بچانے میں کامیاب ہوئے۔ ساتھ ہی رومی سلطنت کے ساتھ پہلے معرکہ میں مسلمانوں کی ساکھ بھی بچا لے گئے۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ رومی اس جنگ سے تھک گئے اور انہیں زبردست نقصان پہنچا۔ ان کے بعض دستے تو شکست کھا کر بھاگ ہی گئے۔ حضرت خالدؓ نے اس نتیجہ پر بس کر لیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ جانے کو ترجیح دی۔

حضرت انسؓ بن مالک کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ موتہ کی خبریں آنے سے پہلے ہی لوگوں کو تینوں کمانڈروں کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: زید نے علم اٹھایا اور شہید ہو گئے، پھر جعفر نے اٹھا لیا وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ نے سنبھال لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔۔۔ یہ فرماتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔۔۔ پھر جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے سنبھال لیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح دی (بخاری)

اس معرکہ میں جو چیز سب سے زیادہ ابھر کر سامنے آئی وہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی شجاعت اس حد تک پہنچ گئی تھی جس سے کوئی قوم اس زمانے میں واقف نہیں تھی۔ اس بلند حوصلہ نے انہیں اقدام کی ایسی روح عطا کی جس کے آگے قوموں کا تکبر ایک طویل عرصے تک سرنگوں رہا۔

خطروں کو خاطر میں نہ لانا اور موت کی طرف لپکنا صرف لڑنے والے مردوں کے ساتھ ہی خاص نہیں رہا بلکہ بچوں تک میں یہی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ لشکر جب موتہ سے مدینہ لوٹا تو بچوں نے یہ کہہ کر ناپسندیدگی ظاہر کی کہ "بھاگنے والو! تم اللہ کی راہ سے بھاگ نکلے"۔

یہ کمسن بچے حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کی واپسی کو قابل مذمت قرار سمجھ رہے تھے۔

حق پر ایمان و یقین نے کیسی طاقتور نسل تیار کر دی تھی۔ ان کے ماں باپ نے ان کی کیسی تربیت کی تھی!

☆☆☆

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے شہید ہونے والے کمانڈروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’انہیں یہ پسند نہیں آئے گا کہ وہ ہمارے پاس ہوں (بخاری)

ظاہر ہے جہاں وہ گئے وہ جگہ ان کے لئے دنیا و مافیہا سے کہیں زیادہ پسندیدہ ومحبوب ہے۔ رہے ان کے خاندان تو ان کی کفالت کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اس سے بہتر کون والی و مددگار ہوسکتا ہے۔

حضرت جعفرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے تین روز بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا میرے بھتیجوں کو بلاؤ۔

ہم چھوٹے چوزوں کی طرح تھے۔ ہمیں لایا گیا تو آپ نے نائی بلوا کر ہمارے سر منڈوائے، پھر ہم سے کھیلتے ہوئے فرمایا: محمد تو ہمارے چچا ابو طالب پر گیا ہے اور عبداللہ میرے مشابہ ہے۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور دعا فرمائی: اے اللہ! جعفر کے گھر والوں میں ان کا بدل عطا فرما اور عبداللہ کے سودے میں برکت عطا فرما۔ آپؐ نے تین بار یہ دعا فرمائی۔

، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ ہماری ماں آئیں اور ہماری یتیمی کا ذکر کر کے اظہار غم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں ان پر فقر و فاقہ کا ڈر ہے جبکہ میں دنیا و آخرت میں ان کا نگراں ہوں؟ (احمد)

☆☆☆

غزوۂ ذات السلاسل

غزوۂ موتہ آٹھویں ہجری سال کے ماہ جمادی الاولیٰ میں پیش آیا۔ زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ مسلمان پھر شام کے سرحدی علاقوں کی طرف لوٹے تاکہ اپنے دشمنوں کا پیچھا شروع کر دیں۔ حضرت عمرو ابن العاصؓ وہاں کے قبائل کی سرزنش کے لئے نکلے لیکن ان کی بھاری تعداد کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ سے کمک طلب کی اور تب تک کے لئے ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈال دیا، جسے ذات السلاسل کہا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اولین مہاجرین پر ایک مشتمل ایک لشکر بھیجا جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے۔ اس کی قیادت حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کے سپرد فرمائی اور انہیں بھیجتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ باہم اختلاف نہ کرنا۔

Marfat.com

جب حضرت ابو عبیدہؓ وہاں پہنچے تو حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا کہ آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا: نہیں، البتہ تم اپنے لشکر کی ذمے داری سنبھالے رہو اور میں اپنے لشکر کی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا: آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نرم خو آدمی تھے اور دنیا ان کی نگاہ میں کچھ بھی نہیں تھی۔ فرمایا: عمرو! رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ اختلاف نہ کرنا۔ تم اگر میری بات نہیں مانو گے تو میں ہی تمہاری بات مان لوں گا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا: میں آپ لوگوں کا امیر ہوں اور آپ میرے مددگار ہیں۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے امامت کی اور سب کی قیادت سنبھالی۔

حضرت عمروؓ بن العاص روم کے ہمنوا قبیلوں کا پیچھا کرتے ہوئے بلی، عذرہ، بلقین اور طے قبیلوں کے علاقوں میں گھس گئے۔ جہاں بھی پہنچتے یہی معلوم ہوتا کہ لوگ اکٹھا تھے مگر اس لشکر کی آمد کی خبر سن کر تتر بتر ہو گئے ایک بار وہ لوگ اکٹھا ملے تو جنگ بھی ہوئی، جس میں مسلمانوں نے انہیں شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اگرچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے ان عرب بدوؤں کو عاجز کر کے ان کا شیرازہ منتشر کر دیا لیکن کوئی فیصلہ کن جنگ نہیں ہو پائی۔ بہر حال اس غزوہ سے مسلمانوں کی ساکھ پر جو گرد و غبار پڑا تھا، صاف ہو گیا۔

اس غزوہ میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ایک سرد رات میں حضرت عمروؓ ابن العاص کو احتلام ہو گیا۔ انہیں ڈر لگا کہ اگر انہوں نے غسل کیا تو بیمار پڑ جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھا دی۔ بعض صحابہؓ کو اس فعل پر شک ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کر دیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی؟ انہوں نے عرض کیا کہ سردی کی شدت سے انہیں اپنی جان کا خطرہ تھا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تقتلوا انفسکم ان الله کان بکم رحیما اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔ (النساء:۲۹)

آپؐ یہ سن کر ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا: (ابوداؤد)

گویا آپؐ نے ان کے اجتہاد کی تصدیق فرمادی۔

☆☆☆

Marfat.com

باب:۸

فتحِ مکہ

معاہدہ حدیبیہ کے بعد سے مسلمان ہر ذی ہوش شخص تک اسلامی دعوت اور تعلیمات پہنچانے میں منہمک رہے۔قریش کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا،اسے چاہے پسند کرتے یا ناپسند، بہر حال اسے پورا کرنے کے پابند تھے۔پھر جلد ہی اس کے بہتر نتائج بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔

دوسری طرف اہل قریش اپنی سیاست میں قدیم جمود و تعطل کے شکار رہے انہیں ان اہم واقعات کا شعور ہی نہیں ہوا جنہوں نے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ دی تھی اور جلد ہی دنیا میں تبدیلیاں لانے والے تھے۔

اہل قریش کی بے شعوری نے انہیں ایک زبردست حماقت تک پہنچا دیا جس کے بعد معاہدہ حدیبیہ بالکل لغو اور باطل ہو گیا۔ہوا یہ کہ انہوں نے اپنے حلیفوں بنی بکر کے ساتھ مسلمانوں کے حلیفوں بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے۔بنو خزاعہ نے حرم شریف میں پناہ لی، کیونکہ وہ جنگ کے لئے تیار نہیں تھے،تو بنو بکر نے وہاں بھی پیچھا کر کے انہیں قتل کیا۔اہل قریش بنو بکر کو اسلحہ بھی سپلائی کر رہے تھے اور ان کی مدد بھی کر رہے تھے۔

بنی بکر کے کچھ لوگوں نے محسوس کیا کہ وہ حرم میں داخل ہو گئے ہیں۔جہاں جنگ جائز نہیں،تب انہوں نے اپنے سرادار نوفل بن معاویہ سے کہا کہ ہم حرم شریف میں داخل ہو گئے ہیں اپنے خدا سے ڈرنا چاہئے۔نوفل نے کہا: بنی بکر! آج کوئی معبود نہیں۔اپنا انتقام لو۔

بنو خزاعہ اس واقعہ سے سخت گھبرائے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس عمرو بن سالم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تا کہ آپؐ کو صورتحال سے آگاہ کریں۔جب وہ مدینہ منورہ اور آپ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو آپ مسجد نبوی میں لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے انہوں نے اشعار میں اپنی درد بھری داستان سنائی کہ کس طرح انہیں حرم

Marfat.com

کے اندر اور رکوع وسجود کی حالت میں بھی قتل کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا: عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی گئی (ابن ہشام)

اہل قریش نے ۔۔وقت گذر جانے کے بعد۔۔اپنی غلطی محسوس کی۔ چنانچہ ابوسفیان صورتحال کو سدھارنے کے لئے مدینہ منورہ پہنچے۔ان کی کوشش تھی کہ معاہدہ کی حرمت بحال کی جائے۔

مدینہ پہنچ کر ابوسفیان اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہؓ کے پاس گئے اور وہاں بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے اسے لپیٹ دیا۔ابوسفیان نے کہا: بیٹی! میں نہیں جانتا کہ تم نے مجھے اس بستر سے بچانا چاہا یا بستر کو مجھ سے؟

حضرت ام حبیبہؓ نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ شرک کی گندگی میں مبتلا ہیں۔ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم تم میں برائی پیدا ہو چکی ہے۔ پھر وہ نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور اپنی بات کہی،لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا(ابن ہشام)

ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلے میں آپؐ سے سفارشی گفتگو کریں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس یہی درخواست لے کر پہنچے،حضرت عمرؓ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ سے تم لوگوں کے لئے سفارش کروں گا؟ اگر میں ریت کے ذرات کے علاوہ کچھ نہ پاتا تو انہی سے تمہارے ساتھ جہاد کرتا۔

پھر ابوسفیان حضرت علیؓ کے پاس پہنچے: انہوں نے جواب دیا: ابوسفیان! خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے اور ہم اس کے بارے میں آپؐ سے بات نہیں کر سکتے۔پھر انہیں مشورہ دیا کہ وہ جہاں سے آئے ہیں،وہیں لوٹ جائیں چنانچہ ابوسفیان لوٹ گئے اور جا کر اپنی قوم کو صورتحال سے آگاہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ تیاری کریں اور واضح فرمادیا کہ آپؐ مکہ کا رخ کرنے والے ہیں۔آپؐ نے انہیں سنجیدگی اور جلدی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی اور دعا کی کہ اے اللہ! جاسوسوں اور خبروں کو قریش سے دور رکھ یہانتک کہ ہم وہاں پہنچ جائیں(ابن اسحاق)

Marfat.com

مسلمانوں نے اپنے نبیؐ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے متوقع جنگ کی تیاری شروع کردی۔ انہیں احساس ہوچکا تھا کہ اہل مکہ کے ساتھ فیصلہ کی گھڑی آچکی ہے۔

☆☆☆

اس نازک وقت میں ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ مشرکین سے جہاد کرنے والے اولین لوگوں میں سے ایک نے قریش کو ایک خط بھیج دیا جس میں خبر دی گئی تھی کہ حضرت محمدؐ اپنے لشکر کے ساتھ ان کے پاس جانے والے ہیں۔

مسلمان اپنے حملہ کے منصوبہ کو انتہائی خفیہ رکھے ہوئے تھے۔ جس سے ان کی کامیابی آسان اور نقصان کم سے کم ہو۔ اور ہوسکتا ہے اہل قریش بیکار خونریزی کے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیں۔

انہیں خط لکھنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ پر ابھارا جائے اور مزاحمت کی طاقت بڑھائی جائے؟

بخاری میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو بھیجا کہ جاؤ روضہ خاخ کے مقام پر پہنچو گے تو تمہیں ایک خاتون ملے گی، جس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ اس سے لے لو۔ چنانچہ ہم تیزی سے گھوڑے دوڑاتے وہاں پہنچے، وہ عورت مل گئی، ہم نے کہا: خط نکال دو۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا کہ یا تو خط نکال دو، ورنہ ہم تلاشی لیں گے۔ تب اس نے وہ خط اپنی چوٹی میں سے نکالا۔ ہم اسے لے کر آپؐ کے پاس حاضر ہوگئے۔

خط میں حاطب بن ملتعہ کی طرف سے مکہ کے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کے کسی معاملہ (عزم مکہ) کی خبر دی گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: حاطب! یہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے۔ میں اصلاً قریش سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ انؓ کے ساتھ ملا ہوا ایک حلیف رہا ہوں۔ آپؐ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کے رشتے دار وہاں ہیں جو ان کے گھر والوں اور مال ودولت کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے صرف یہ چاہا کہ چونکہ نسب کے اعتبار سے یہ چیز مجھے حاصل نہیں، اس لئے اس طرح اپنے رشتے داروں کے لئے ان کی کچھ حمایت حاصل کرلوں۔ میں نے اپنے دین سے پھرنے یا اسلام کے بعد کفر پسند کرنے کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ تمہیں کیا معلوم شاید اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والوں کے حالات سے مطلع ہو کر ہی فرمایا ہو:

اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم — تم جو چاہو کرو میں تمہیں معاف کر چکا۔

اس سلسلے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیهم بالمودة وقد کفروا بما جاءکم من الحق یخرجون الرسول وایاکم ان تومنوا بالله ربکم ان کنتم خرجتم جهدا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی تسرون الیهم بالمودة وانا اعلم بما اخفیتم وما اعلنتم ومن یفعله منکم فقد ضل سواء السبیل (الممتحنة:۱)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔ حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔

حضرت حاطبؓ بلاشبہ صحیح راستے سے بھٹک گئے تھے۔ انہیں اس کا حق نہیں تھا کہ وہ ان مشرکین کے ساتھ یارانہ گانٹھیں جنہوں نے کفر و سرکشی اور ظلم و جارحیت کی ہر حد پار کی تھی اور جس کے بارے میں حاطبؓ دوسروں سے زیادہ ہی جانتے تھے۔

کبھی کبھی بڑے انسان بھی ٹھوکر کھا کر چھوٹے بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے کہ وہ ان کمزوریوں پر مواخذہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ پر حاطب کی نیت واضح ہو گئی تھی اور آپؐ نے جان لیا تھا کہ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے جھوٹ کا سہارا نہیں لیا تھا۔ یہ لوگ ایک بڑے معرکہ میں

Marfat.com

شرکت کے لئے جارہے تھے، جس میں شکست بھی ہو سکتی تھی، تب پرانے تعصبات بھڑکے ہوئے رشتہ داروں کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوتے اور حاطب کو ایسی حمایت حاصل نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے مستقبل کے لئے قریش سے یہ حمایت حاصل کرنی چاہی۔

حضرت حاطبؓ کا یہ سوچنا غلط تھا۔ مشرکین اسلام دشمنی میں کسی رشتے داری کا لحاظ ہی کب کرتے تھے۔ ان سے محبت ہونی ہی نہیں چاہئے تھی، چاہے مسلمانوں کا پانسہ ہی پلٹ جاتا، کیونکہ مسلمانوں نے ان سے اللہ کے لئے جھگڑا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے ساتھ جنگ میں جان و مال قربان کرنے کا عہد لیا تھا۔

اگر اس طرح کی حمایت حاصل کرنا جائز ہوتا تو بڑی غداری یعنی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر بھی ایسی کوشش کی جاسکتی تھی۔

تاہم حضرت حاطبؓ کے شاندار ماضی نے ان کی سفارش کی اور ان کی یہ ٹھوکر معاف کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمادی کہ ان کی خوبیوں کا ذکر کیا کریں۔

اس کشادہ دلی سے اسلام نے ہمیں یہ سکھایا کہ جو لوگ مدت دراز تک اچھے کام کر چکے ہوں اور کسی وقت غلطی کر جائیں تو ان کی نیکیوں اور فضائل کو بھولنا نہیں چاہئے۔

☆☆☆

ابوسفیان کی واپسی کے بعد مکہ میں تشویش اور بے چینی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے مناسب سمجھا کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسلام لائیں اور مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں۔ راستے ہی میں ان کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوگئی، جو لشکر لے کر مکہ مکرمہ آرہے تھے۔ اسی طرح ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی نکل چکے تھے اور مقام ابواء میں آپؐ سے ملے۔ یہ دونوں آپؐ کے چچازاد، پھوپھی زاد بھائی تھے اور مکہ میں آپ کو اذیت دینے میں سب سے آگے آگے رہتے تھے۔ آپؐ نے ان کی بدسلوکیوں کے پیش نظر ان سے اعراض فرمایا۔ لیکن حضرت علیؓ نے ابوسفیان کو اشارہ کیا کہ ایسا ذریعہ اختیار کریں جس سے رسول اللہ ﷺ کو راضی کر سکیں۔ انہوں نے کہا: آپؐ کے سامنے جاؤ اور وہی کہو جو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا تھا:

Marfat.com

تالله لقد آثرك الله علينا وان كنا لخطئين   انہوں نے کہا ''بخدا کہ تم کو اللہ نے ہم پر فضیلت بخشی اور واقعی ہم خطا کار تھے۔   (یوسف:۹۱)

کیونکہ آپؐ اسے پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص آپؐ سے بہتر جواب دے چنانچہ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو ارحم الرٰحمين (یوسف:۹۲)   ''آج تم پر کوئی گرفت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

مسلمانوں کا لشکر تیزی کے ساتھ مکہ کا راستہ طے کرتے ہوئے ''مرالظہران'' تک پہنچ گیا۔عشاء کے وقت وہاں لشکر خیمہ زن ہوا اور آگ جلائی گئی۔دس ہزار افراد پر مشتمل لشکریوں نے جب آگ جلائی تو پوری وادی روشن ہوگئی۔اہل مکہ ابھی تک بالکل اندھیرے میں تھے کہ ان پر کیا مصیبت نازل ہو چکی ہے۔حضرت عباسؓ کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ جنگ ہو جس میں مکہ روند ڈالا جائے اور اہل مکہ بلا فائدہ فنا کے گھاٹ اتر جائیں چنانچہ وہ نکلے کہ کوئی ایسا ذریعہ تلاش کریں جس سے اہل قریش کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلح کر کے آپؐ کی امان میں داخل ہو جانے کے لئے قائل کر سکیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ مکہ کے تین بڑے سردار حالات کا جائزہ لینے کے لئے گشت پر نکلے۔جب وہ وادی کے پاس پہنچے تو وہاں جو کچھ دیکھا اس سے مبہوت ہو کر رہ گئے۔

ابوسفیان نے کہا: آج کی طرح نہ میں نے کبھی آگ جلتے دیکھی ہے نہ کوئی لشکر۔

سویل بن ورقاء نے کہا: خدا کی قسم یہ خزاعہ کے لوگ ہیں، جو جنگ کے لئے اٹھ پڑے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا: خزاعہ اس سے بہت کم اور حقیر ہیں کہ ان کا لشکر اتنا بڑا ہو۔اور اتنے بڑے پیمانے پر ان کے چولہے جل رہے ہوں۔

مسلمان اپنے طے شدہ منصوبہ کے مطابق اپنے ارد گرد جاسوس پھیلائے ہوئے تھے۔تاکہ اہل قریش کو اچانک جالیں اور ان کے پاس ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ جائے۔ان میں چند شہ سواروں نے قریش کے کچھ لوگوں کو جن میں حکیم بن حزام بھی تھے پکڑ لیا اور تیزی سے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔حضرت عباسؓ بھی قیدیوں کے ساتھ ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ وہ ان کی پناہ میں ہیں۔جب وہ لوگ آپؐ

Marfat.com

کے پاس پہنچے، تو رات دیر گئے تک آپؐ ان سے گفتگو فرماتے رہے، یہانتک کہ وہ دل سے اسلام کے قائل ہو گئے، اگرچہ ابوسفیان نے صبح طلوع ہونے تک دیر کی۔

پھر ان لوگوں نے اہل قریش کے لئے امان طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے، جو مسجد میں داخل ہو جائے اسے امان ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے (ابن ہشام)

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں جو ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے،،

رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو یہ امتیاز ان کے اندر موجود جذبۂ فخر کو تسکین دینے کے لئے دیا۔ اس طرح کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچتا تھا، اور اس معمولی قیمت سے کسی کو خوش کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے اس لئے آپ نے حضرت عباسؓ کو ہدایت فرمائی کہ ابوسفیان کو وادی کے تنگ راستے پر روکے رکھیں تاکہ وہ خود پوری حملہ آور طاقت کا معائنہ کر لیں اور ان کے دل میں مقابلہ و مزاحمت کی کوئی گنجائش نہ رہ جائے۔ ابوسفیان ہی مکہ کے سردار تھے۔

حضرت عباسؓ کی روایت ہے کہ میں ابوسفیان کو لے کر نکلا یہانتک کہ وادی سے نکلنے کے تنگ منہ پر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق انہیں روک لیا۔ قبیلے اپنے جھنڈوں کے ساتھ گذرنے لگے۔ جب بھی کوئی قبیلہ گذرتا ابوسفیان پوچھتے: عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ میں بتاتا: قبیلہ مزینہ کے لوگ۔ وہ کہتے کہ مزینہ سے مجھے کیا سروکار۔ اسی طرح جتنے قبیلے گذرتے رہے، ابوسفیان سب کے بارے میں پوچھتے رہے اور میں بتاتا رہا اور وہ یہی کہتے رہے: میرا ان لوگوں سے کیا جھگڑا ہے۔ یہانتک کہ سارے قبائل گذر گئے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ مہاجرین و انصار کے درمیان ان کے دستے میں گذرے وہ آہنی اسلحہ سے لدے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے کہا: سبحان اللہ، عباس یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے بتایا یہ مہاجرین و انصار کے درمیان رسول اللہ ﷺ ہیں۔

ابوسفیان نے کہا: کوئی ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ ابوالفضل (عباس) تمہارے بھتیجے کی بادشاہت عظیم ہو چکی ہے۔

حضرت عباسؓ نے کہا: ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔

Marfat.com

ابوسفیان نے کہا: تب یہی سہی۔

☆☆☆

ابوسفیان مکہ میں دہشت زدگی کی حالت میں داخل ہوا۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ اس کے پیچھے ایسی آندھی ہے جو چل پڑی تو اپنے آگے کی ہر چیز کو اڑا لے جائے گی اور کوئی چیز اسے روک نہیں سکے گی۔ اہل مکہ نے دیکھا کہ فاتح لشکر دور سے آہستہ آہستہ چلا آرہا ہے۔ وہ اپنے سرداروں کے پاس اکٹھا ہو کر جنگ کے حکم کا انتظار کرنے لگے اچانک ابوسفیان کی صاف اونچی آواز ابھری: اے اہل قریش! یہ محمد تمہارے سر پر پہنچ چکے ہیں اور تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے۔

ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ اپنے شوہر کے منہ سے یہ بات سن کر برافروختہ ہوگئی۔ اس نے کود کر ابوسفیان کی مونچھیں پکڑ لیں اور کھینچ کر چیخی: اس موٹے مینڈھے کو مار ڈالو۔ یہ بدترین ہراول ہے۔

ابوسفیان نے اپنی بیوی کے برا بھلا کہنے کی پرواہ نہیں کی اور اپنی آگاہی پھر دہرائی: تمہیں یہ (عورت) دھوکے میں نہ ڈالے۔ تمہارے سر پر ایسا لشکر پہنچ چکا ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے۔

لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے۔ تمہارا گھر کتنے لوگوں کو بچا سکتا ہے۔

ابوسفیان نے کہا: جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کے لئے امان ہے۔ اور جو مسجد میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے۔

تب لوگ منتشر ہو کر مسجد اور اپنے گھروں میں چلے گئے۔

مکہ مکرمہ پر رعب و دہشت طاری تھی۔ لوگ دروازوں کے پیچھے چھپ چکے تھے یا مسجد حرام میں اکٹھا ہو کر انتظار کر رہے تھے۔ مسلمانوں کا لشکر بڑھا چلا آرہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، سیاہ رنگ کا عمامہ آپؐ کے سر پر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے اپنا سر انتہائی جھکائے ہوئے تھے۔ آپ کا شاندار جلوس حدود حرم کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ آپ لشکر کو ایک ذرا اشارہ کر دیتے تو مکہ کی کوئی چیز محفوظ نہ رہ جاتی۔ یہ کھلی ہوئی فتح اس طویل ماضی کو یاد دلا رہی تھی جس میں کس طرح آپؐ کو وہاں سے نکالا گیا تھا اور آج کس شان کے ساتھ فاتحانہ واپسی ہو رہی تھی۔ آج کے مبارک دن اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے آپؐ کے لئے کتنی عزت مقدر کر رکھی تھی۔ آپ جس قدر اس نعمت کا احساس کرتے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی سواری پر جھکے چلے جاتے۔

بعض لوگوں کے سینوں میں دوسرے جذبات ابل رہے تھے۔ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ نے اہل مکہ کے ظلم وستم اور زیادتیوں کو یاد کرتے ہوئے آج کی طاقتور پوزیشن کو محسوس کیا تو چیخ پڑے ''آج لڑائی کا دن ہے۔ آج حرمت پامال ہو گی۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کر دیا''

یہ الفاظ جب رسول اللہ تک پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: نہیں بلکہ کعبہ کی تعظیم کا دن ہے، آج کے دن اللہ تعالیٰ نے قریش کو عزت بخشی۔ پھر ہدایت فرمائی کہ جھنڈا حضرت سعد سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا جائے۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ مکہ میں بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہوئے۔ آپؐ نے اپنے لشکر کے کمانڈروں کو ہدایت فرمائی کہ صرف اس سے لڑیں جوان سے لڑنے لگے۔ لشکر کے دوسرے دستے مکہ کے دوسرے کناروں سے داخل ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید مکہ کے زیریں حصہ کی طرف سے داخل ہوئے۔ وہاں قریش کے کچھ لوگ تھے جو خود سپردگی پر برافروختہ تھے۔ وہ لوگ عکرمہ بن ابوجہل، سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ کی رہنمائی میں خندمہ کے مقام پر جمع ہوئے لیکن حضرت خالدؓ نے ان کی اچھی طرح سرکوبی کر کے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

عریاں حقیقت ان کی خود فریبی کا پردہ چاک کر چکی تھی۔

ایک لطیفہ یہ ہوا کہ حماس بن خالدہ نے جو قبیلہ بن بکر سے تعلق رکھتا تھا مسلمانوں سے جنگ کے لئے ہتھیار تیار کر رکھے تھے۔ اس کی بیوی جب ہتھیار صیقل کرتے دیکھتی تو پوچھتی: یہ کس لئے تیاری ہو رہی ہے۔ وہ کہتا: محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے لئے (نعوذ باللہ) اس کی بیوی نے ایک روز کہا: خدا کی قسم میں نہیں سمجھتی کہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے سامنے کوئی چیز ٹک سکے گی۔ اس نے کہا: خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ میں ان میں سے بعض کو (قیدی بنا کر) تمہارا خادم بنا دوں گا۔ پھر رجز یہ اشعار پڑھتا تھا۔

جب فتح مکہ کا دن آیا تو حماس نے بھی عکرمہ کے آدمیوں کے ساتھ کچھ لڑائی کی کوشش کی۔ پھر جب دیکھا کہ حضرت خالدؓ کے لشکر کے سامنے سے مشرکین تیزی سے

Marfat.com

بھاگ رہے ہیں تو وہ بھی بھاگ کر اپنے گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دروازہ بند کرلو۔ بیوی نے پوچھا تمہارے دعووں کا کیا ہوا؟ اس نے کچھ اشعار پڑھے، جن کا مطلب تھا کہ اگر تم نے بازو اور سر کٹتے ہوئے دیکھے ہوتے تو مجھے ملامت نہ کرتیں۔

بالآخر مکہ پر سکون ہو گیا اور وہاں کے چھوٹوں بڑوں نے خود سپردگی اختیار کر لی اللہ تعالیٰ کا کلمہ اس میں چاروں طرف بلند ہو کر رہا۔

پھر آپؐ خانہ کعبہ کے طواف کو گئے وہاں طواف کیا اور آس پاس کے اصنام کو کمان سے الٹ دیا۔ وہ ٹوٹ کر بکھر گئے۔

یہی پتھر چند لمحات پہلے تک مقدس سمجھے جاتے تھے۔ اب خاک کے ذرات میں تبدیل ہو چکے تھے۔ آپؐ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا (بنی اسرائیل) اور اعلان کردو ”حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے“

پھر آپؐ نے حکم دیا اور خانۂ کعبہ کھولا گیا۔ اس میں تصویریں بھری ہوئی تھیں جن میں دو تصویروں میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو پانسے کھیلتے دکھایا گیا تھا آپؐ نے مشرکین پر اظہار غصہ کرتے ہوئے فرمایا: اللہ انہیں غارت کرے۔ دونوں (نبیوں) نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا (بخاری)

پھر آپؐ نے وہ سب وہاں سے مٹا دیا (احمد)

جب مسجد اصنام سے پاک ہو گئی تب آپ قریش کی طرف متوجہ ہوئے، جو صف در صف کھڑے آپؐ کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ آپؐ نے خانہ کعبہ کی چوکھٹ پکڑ کر فرمایا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یگانہ ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور گروہوں کو تنہا شکست دے دی۔

پھر فرمایا: اہل قریش! تمہارے خیال میں تمہارے ساتھ میں کیا کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: بھلائی ہی کی امید ہے۔ آپ شریف بھائی اور شریف بھتیجے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم آزاد ہو (ابن اسحاق)

جس وقت رسول اللہ ﷺ صنم پرستی کی سب سے بڑی راجدھانی و مرکز میں صنم پرستی کا خاتمہ کر رہے تھے، فضالہ بن عمیر نامی شخص آپؐ کے قریب گیا تا کہ موقع پا کر آپ

Marfat.com

کو قتل کر ڈالے۔

آپؐ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور اس کی نیت بھانپ لی۔لیکن اسے سزا دینے کے بجائے بلایا اور دریافت فرمایا: تمہارا دل کیا کہہ رہا تھا؟

اس نے کہا: کچھ نہیں۔ میں اللہ کو یاد کر رہا تھا۔

آپؐ ہنسے، پھر فرمایا: استغفر اللہ۔ پھر اس کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے اس کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا۔تب وہ شخص یہ کہتے ہوئے لوٹا کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے اٹھایا تو اللہ کی مخلوق میں کوئی چیز مجھے آپؐ سے زیادہ محبوب نہیں تھی (ابن ہشام)

پھر حضرت بلالؓ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور نماز کے لئے اذان دی۔اہل مکہ نے اپنے کانوں سے یہ نئی پکار اس طرح سنی، گویا خواب دیکھ رہے ہوں۔اذان کے کلمات فضا میں پھیل کر شیطانوں کے دلوں میں گھبراہٹ و دہشت پیدا کر رہے تھے۔اور سوائے وہاں سے بھاگنے یا پھر ایمان قبول کرنے کے انہیں کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

اللہ اکبر اللہ اکبر۔اللہ اکبر اللہ اکبر

(اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے)

یہ پکار لوگوں کو ان کی زندگی کے اولین مقصد اور موت کے بعد کی حقیقت یاد دلا رہی تھی۔روئے زمین پر چھوٹے چھوٹے مقاصد نے انسانوں کو کس قدر گمراہ کر رکھا ہے اور دنیاوی عارضی فائدوں کے پیچھے انہیں کس طرح دوڑا رکھا ہے۔مفروضہ محرومیوں پر رنج وغم اور خوشیوں پر بے جا پھولنا ہی ان کے جذبات پر غالب رہتا ہے۔

حق کی آواز انہیں ان دبیز پردوں کے پیچھے سے باہر نکالتی ہے، تاکہ وہ جو کچھ بھولا ہوا تھا اسے یاد کر کے کائنات کے آقا و مولا کی بڑائی بیان کرے۔

اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان لا الہ الا اللہ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔)

اللہ کے جتنے ساجھی بنائے گئے تھے وہ سب زمیں بوس ہو گئے۔جو خود اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے ان سے مدد مانگنا کتنی بڑی نادانی تھی!

Marfat.com

مسلمان تو اللہ کے سوا کوئی دوسرا پروردگار جانتے بھی نہیں۔ نہ کسی اور سے امید کی لو لگاتے ہیں۔ خالص توحید ہی ہمیشہ سے ان کا طریقہ رہا ہے۔

لیکن یہ راستہ دکھانے والا اور ہدایت کی رہنمائی کرنے والا کون ہے؟ مؤذن کا جواب سنئے۔

اشہدان محمدا رسول اللہ۔ اشہدان محمدا رسول اللہ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)

اس شریف ترین شخصیت کی سیرت ہی ہر اس شخص کے لئے مکمل نمونہ ہے جو صحیح زندگی چاہتا ہو، کیونکہ حضرت محمد ﷺ ہی وہ انسان ہیں جو اپنے منفرد سلوک سے حق کے طلبگار کے لئے راستہ کی نشاندہی فرماتے ہیں۔

آپؐ ہر ذی عقل کو بھلائی کی دعوت دیتے ہیں اور آسان عبادت کے ذریعہ اپنے ولی نعمت کی خوشنودی کے حصول پر آمادہ فرماتے ہیں۔

حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ

(آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف)

دنیا کے شور وغوغا میں یہ نمازیں غور وفکر کے لمحات ہیں تا کہ انسان جب بھی راستے سے منحرف ہو، واپس لوٹ سکے۔ اور انسانی دل ودماغ پر جب بھی سرکشی اور خود غرضی کا غلبہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک سکے۔ کیونکہ نمازیں خدا سے مدد وہدایت طلب کرنے کے لمحات فراہم کرتی ہیں۔ انسان اپنی خود فریبی کے باوجود کس قدر ضرورتمند ہوتا ہے کہ کوئی اسے صحیح راستہ دکھائے، تاکہ وہ حماقتوں سے دوچار نہ ہو۔ اور اسے ایسی طاقت فراہم کرے جو اس کو عاجزی ودرماندگی سے بچائے اور اپنے تمام معاملات میں نامرادی سے بچ سکے۔ یہ نامرادی باطل عمل میں جد وجہد کے رائگاں چلے جانے کی صورت میں پیش آتی ہے، چاہے مقصد ہی غلط رہا ہو یا ادائیگی میں غلطی ہوگئی ہو۔ اسی لئے اس نامرادی سے بچانے کے لئے:

حی علی الفلاح، حی علی الفلاح

(آؤ کامیابی کی طرف۔ آؤ کامیابی کی طرف)

Marfat.com

کی پکار لگائی جاتی ہے۔

جب انسان سے نیت ومقصد اور شکل وہیئت کے اعتبار سے صحیح عمل صادر ہوگا تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔ چاہے وہ دنیاوی عمل ہی کیوں نہ ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نہیں سکھایا کہ مناسک ونماز کے بعد زندگی کے تمام معاملات کو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر لیں:

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العٰلمین لاشریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین (الانعام: ۱۶۲۔۱۶۳)

اے نبی! کہو: میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العلمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سر اطاعت خم کرنے والا ہوں۔

اور اس کا راستہ اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے علاوہ ہر مقصد کو حقیر و بے وزن سمجھا جائے اور ہمیشہ اس کی توحید سے چمٹے رہا جائے۔ اس لئے مقصد کو دوبارہ دہرایا گیا:

اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

لا الٰہ الا اللہ

اذان کے کلمات اصلاح کے تعلق سے بڑے پیغام کے نمایاں عناوین ہیں۔ اسی لئے حدیثوں میں آتا ہے کہ مسلمان اذان سن کر یہ دعا کرتا ہے۔

اللھم رب ھٰذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ وارزقنی شفاعتہ انك لا تخلف المیعاد (بخاری)

☆☆☆

اس بے نظیر فتح کے دن ان لوگوں کی یاد آنی بھی ناگزیر تھی جو یہ کھلی ہوئی فتح نہیں دیکھ سکے، نہ خانہ کعبہ کی چھت پر سے حضرت بلالؓ کے نعرۂ توحید کی گونج سن سکے، نہ اصنام کے منھ کے بل زمیں بوس ہونے کا نظارہ کر سکے، نہ ان کے پرانے پرستش کرنے والوں کو ہتھیار ڈال کر اسلام کا رخ کرتے پا سکے۔

وہ تو ایمان اور کفر وشرک کے درمیان جاری رہنے والے طویل معرکہ کے دوران اپنے خدا سے جا ملے تھے۔ تاہم آج ان کے ساتھی جس فتح کا مزہ چکھ رہے تھے

Marfat.com

اس میں ان کا بڑا اہم حصہ تھا اور ان کی جزا کی ضمانت تو اس ذات اقدس نے دی رکھی ہے جس کے یہاں ذرہ برابر ظلم نہیں ہوسکتا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سپاہی حق و باطل کے درمیان معرکہ کے آخری نتائج دیکھ سکے۔ وہ شروع کے مراحل میں بھی موت کو گلے سے لگا سکتا ہے اور کسی وقتی شکست میں بھی جان سے ہاتھ دھوسکتا ہے۔ جیسے سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا۔

قرآن کریم اصحاب حق کو آگاہ کرتا ہے کہ مکمل حساب تو آخرت ہی پر منحصر ہے، نہ کہ دنیا پر۔ وہیں تمام مومنوں کو بھی پورا بدلہ ملے گا اور منکرین و مشرکین کو بھی۔

فاصبر ان وعدالله حق فاما نرينك بعض الذى نعدهم او نتوفينك فالينا يرجعون (المومن:۷۷)	پس اے نبی! صبر کرو اللہ کا وعدہ برحق ہے اب خواہ ہم تمہارے سامنے ہی ان کو ان برے نتائج کا کوئی حصہ دکھادیں جن سے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں یا (اس سے پہلے) تمہیں دنیا سے اٹھالیں۔ پلٹ کر آنا تو ہماری ہی طرف ہے۔

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں رمضان کے مہینے میں داخل ہوئے تھے اور وہاں تقریباً ۱۹ دن رہے اس دوران نماز قصر فرماتے رہے اور روزے بھی نہیں رکھے (بخاری)

آپؐ مدینہ منورہ سے روزہ کی حالت میں نکلے تھے۔ پھر آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھیوں نے راستے میں روزے نہیں رکھے۔

جب صورتحال مستحکم ہوگئی تب آپ نے لوگوں سے اسلام پر بیعت لینی شروع کی (احمد)

بڑے، چھوٹے اور مرد و عورت آآکر آپ سے حتی المقدور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری پر بیعت کرتے رہے۔ عورتوں سے آپ مصافحہ نہیں فرماتے تھے۔ بس زبانی بیعت لے لیتے تھے۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق آپؐ نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔

☆☆☆

اس طرح اہل مکہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اگر ان میں سے بعض اپنی جاہلیت اور شک و شبہ پر برقرار رہے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا کہ زمانہ خود ان کی جہالت

Marfat.com

دور کر دے گا۔ جب صنم پرستی کی حمایت و دفاع کرنے والی مملکت ہی ختم ہو گئی تو اس کے باقی اثرات بھی خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

فتح مکہ اچانک حملہ کے بعد حاصل ہوئی۔ مسلمان اپنا منصوبہ اہل قریش سے مخفی رکھنے میں پوری طرح کامیاب رہے، یہانتک کہ انہی کے گھر میں انہیں اچانک جالیا اور ان کے سامنے خود سپردگی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا۔ نہ وہ خود مقابلہ کر سکے، نہ کہیں سے مدد حاصل کر سکے۔ اس سے تمام عربوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ کامیابی اسلام کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔

معرکۂ حنین

مکہ مکرمہ کی فیصلہ کن فتح کے نتیجے میں اسلام کو جو غلبہ حاصل ہو گیا تھا، اس کا مخالفانہ ردعمل مکہ مکرمہ کے قریب رہنے والے بڑے قبائل میں ہوا۔ جن میں سرفہرست ہوازن اور ثقیف تھے۔ ان قبائل کا مرکز طائف، مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے بعد جزیرہ نمائے عرب کا تیسرا بڑا شہر مانا جاتا تھا۔

ان قبائل کے سردار ہوازن کے سردار مالک بن عوف کے پاس جمع ہوئے اور اس بات پر اتفاق کیا کہ مسلمانوں سے جنگ کے لئے پیش قدمی کی جائے، اس سے پہلے کہ فتح کے نتائج مستحکم ہو جائیں اور مسلمان پسپا ہوتی ہوئی صنم پرستی کے بقیہ اثرات کو ختم کرنے کے لئے حرکت میں آئیں۔

مالک بن عوف بہادر اور جرائتمند شخص تھے، لیکن رائے کے کچے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کے لئے نکلنے والے اپنے لوگوں کو ہدایت دی کہ وہ اپنی عورتوں، بچوں اور مال و دولت کو بھی ساتھ لے لیں تاکہ ہر شخص یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس کے پیچھے اس کی آبرو اور مال و دولت بھی ہے، بھاگ نہ سکے۔

ایک تجربہ کار و آزمودہ شخص درید بن صمہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ: کیا بھاگنے والے کو کوئی چیز لوٹا سکتی ہے؟ اگر جنگ کا پانسہ تمہارے حق میں پلٹا تب بھی تمہارے کام صرف مرد اور ان کی تلواریں اور نیزے ہی آئیں گے اور اگر پانسہ تمہارے خلاف پلٹا تو اہل و عیال اور مال و دولت کے سلسلے میں بھی رسوائی اٹھانی پڑے گی۔

مالک نے اس کی رائے کو احمقانہ قرار دیتے ہوئے اپنے منصوبہ کو برقرار رکھا

Marfat.com

مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے نکل پڑنے کا علم ہو گیا۔ انہوں نے ان کی تعداد اور تیاری کا پتہ لگانے کے لئے اپنے جاسوس بھیجے۔

ابوداؤد کی روایت کے مطابق ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا میں آپ لوگوں کے پاس سے چل کر فلاں پہاڑ پر چڑھا تو دیکھا کہ ہوازن کے لوگ سب کے سب اپنی عورتوں، اونٹوں اور بکریوں کو لے کر حنین میں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا۔ ''کل ان شاء اللہ یہ سب مسلمانوں کا مال غنیمت ہو گا۔''

جس آسانی سے مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تھا اور عام مسلمانوں کا یہ احساس کہ اب جاہلیت آخری سانسیں لے رہی ہے، کوئی قابل لحاظ مزاحمت نہیں کر پائے گی اور نئے نئے اسلام لانے والوں کا یہ گمان کہ اب اسلام کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، ان سب چیزوں نے مل کر مسلمانوں کے لشکر کو لاپرواہ بنا دیا تھا۔ انہیں پرواہ ہوتی بھی کیوں، کم تعداد میں ہونے کے باوجود وہ خونریز معرکے جیت چکے تھے آج تو ان کی تعداد اتنی ہو چکی تھی کہ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب اسلامی لشکر کو دیکھا تو فرمایا: آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم شکست نہیں کھا سکتے۔

کیونکہ مسلمانوں کی تعداد مکہ والوں کے مل جانے کے بعد، بارہ ہزار ہو چکی تھی۔

شکست

اعتماد سے بھرپور لشکر چلا اور حنین کی وادی میں پہنچ گیا۔

مالک بن عوف اور اس کے آدمی پہلے ہی پہنچ کر وہاں کے دروں پر قابض اور محفوظ ٹھکانوں میں پھیل چکے تھے اور مسلمانوں کے استقبال کے لئے پوری طرح تیار تھے۔

مسلمانوں کے اگلے دستے صورتحال سے بے خبر وادی میں اترنے لگے۔ وادی نشیب میں چلی گئی تھی اور داخل ہونے والوں کو اس طرح داخل ہونا پڑتا تھا جیسے اوپر سے نیچے گڑھے میں جا رہے ہوں۔

جب مسلمانوں کی کافی تعداد وادی میں پہنچ چکی تو اوپر کی کمین گاہوں سے اچانک تیروں کی بارش ہونے لگی۔ ابھی پو پھٹ رہی تھی اور تاریکی زائل نہیں ہوئی تھی، ہراول دستوں کو رات کی تاریکی اور بے خبری نے اچانک آلیا تو انہیں کچھ سمجھ میں ہی نہیں

Marfat.com

آیا، سوائے اس کے کہ پیچھے کی طرف پلٹ جائیں۔ چنانچہ صفیں ٹوٹ پھوٹ گئیں اور بھگدڑ مچ گئی۔

مالک بن عوف کے آدمیوں نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا اور ان کے دستوں اور شہ سواروں نے آگے بڑھ کر حملہ بول دیا۔ مسلمان شکست کھا کر پسپا ہونے لگے۔

مکہ کے سرداروں نے پسپا ہوتی ہوئی فوج کو خوشی واطمینان کی نگاہ سے دیکھا اور ان میں سے بعض اپنے پرانے کفر پر لوٹ گئے۔ ابوسفیان نے کہا: اب ان کی پسپائی سمندر سے پہلے نہیں رک سکتی۔ اس میں تعجب کی بات بھی نہیں تھی، دور جاہلیت میں جن پانسوں سے وہ فال نکالتے تھے اب بھی ان کے ترکش میں تھے۔

کلدہ بن جنید نے کہا: آج جادو ٹوٹ گیا۔

صفوان بن امیہ نے جو ابھی مشرک تھا، جواب دیا، چپ رہو۔ خدا تمہارا منہ بند کرے۔ خدا کی قسم قریش کا کوئی آدمی میرا آقا بنے، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ہوازن کا کوئی آدمی میرا آقا ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ دائیں طرف جھکے۔ اس فرار نے آپ کو غضبناک کر دیا تھا آپ نے فرمایا: لوگو! کہاں جا رہے ہو۔ میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبداللہ ہوں۔

کوئی جواب نہیں آیا۔ اونٹ اپنے سواروں کو لے کر واپس پلٹتے ہوئے ایک دوسرے پر چڑھے جا رہے تھے۔ (ابن ہشام)

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ اونٹوں کے پیچھے ہوازن کا ایک شخص اپنے سرخ اونٹ پر سوار ہے، اس کے ہاتھ میں ایک لمبے نیزے کے سر پر سیاہ جھنڈا بندھا ہوا ہے ہوازن کے لوگ اس کے پیچھے ہیں، اگر وہ بھاگنے والوں کو پاتا ہے تو انہیں نیزہ مارتا ہے اور جب کوئی سامنے نہیں ہوتا تو نیزہ بلند کر دیتا ہے اور پیچھے والے اس کے پاس آنے لگتے ہیں۔

اس بدترین شکست کی ذمہ داری اہل مکہ میں سے طلقاء (جنہیں رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا کہ جاؤ تم آزاد ہو) اور بدوؤں پر تھی رسول اللہ ﷺ سکون کے ساتھ اپنی جگہ رہے رہے اور اسلام کی ساکھ اور مستقبل کو بچانے کے منصوبہ پر

Marfat.com

غور کرتے رہے۔ آپؐ کو اولین مہاجرین میں سے چند لوگ اور گھر والے گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔

آپؐ نے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے، جو بہت بلند آواز تھے، فرمایا کہ آواز لگائیں: اے انصار! اے حدیبیہ کے دن بیعت کرنے والو! (مسلم)

آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق پختہ عقائد والوں اور جانثاروں کو آواز دی کہ ایسے ہی لوگوں سے رسالتوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہے اور پریشانیاں دور ہوتی ہیں۔

دنیا کے حریص اور مال غنیمت کے طلبگار عوام تو جھاگ ہوتے ہیں، جن سے کوئی کام نہیں بن سکتا۔

ثابت قدمی و کامرانی

معرکہ کے شروع میں پھیلنے والی افراتفری کے دوران حضرت عباسؓ کی چیخیں بلند ہوئیں اور حیرت زدہ لوگوں کے کانوں تک پہنچیں تو وہ آواز کی جگہ پہنچنے کی کوشش کرنے لگے بھاگنے والوں کے دباؤ کی وجہ سے کوئی اپنا اونٹ واپس لوٹا نہیں پاتا تھا تو اسے چھوڑ کر اپنے ہتھیار لے کر پیدل ہی آواز کی سمت چل پڑتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ان لوگوں کی ایک تعداد لبیک کہتی ہوئی جمع ہوگئی جنہیں آپؐ نے طلب فرمایا تھا۔ جب یہ تعداد تقریباً سو تک پہنچ گئی تب انہیں لے کر آپؐ نے مشرکین کا مقابلہ شروع کیا۔ صورتحال جلد ہی آپؐ کے قابو میں آگئی۔ دونوں فریق شدید طور پر ٹکرانے لگے۔

حضرت علیؓ اور ایک انصاری صحابیؓ نے ہوازن کے ہراول دستے کے علمبردار کو تاکا۔ حضرت علیؓ نے اس کے اونٹ کو مارا تو وہ گر پڑا، پھر انصاری صحابی نے اسے کھینچ کر اتارلیا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار رجز پڑھ رہے تھے۔

''انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب''

(میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)

اور دعا فرماتے رہے تھے: یا اللہ اپنی مدد نازل فرما (مسلم)

مہاجرین اور انصار ہوازن و ثقیف کے لوگوں کے ساتھ گتھم گتھا ہوگئے۔

حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خچر پر سے جنگ کی

Marfat.com

حالت دیکھی تو فرمایا: اب معرکہ گرم ہوا ہے۔ پھر کچھ کنکریاں لیں اور انہیں مشرکین کے چہروں کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: محمد کے رب کی قسم شکست کھا جاؤ''

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں دیکھنے لگا جیسے ہی آپؐ نے کنکریاں ماریں ان کی پسپائی شروع ہونے لگی (مسلم)

ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ ثقیف کے لوگ پیچھے بھاگنے کی کوشش کرنے لگے تو ان کی نگاہوں نے دیکھا کہ وہ قیدی بنائے جا رہے ہیں۔

اس معرکہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

لقد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المومنين وانزل جنودا لم تروها وعذب الذين كفروا وذلك جزاء الكافرين (التوبة:۲۵۔۲۹)

اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے ابھی غزوہ حنین کے روز (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا، مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لئے جو حق کا انکار کریں۔

پسپا ہونے والے کچھ لوگوں نے ایک کنارے پناہ لی جسے ''اوطاس'' کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے حضرت ابو عامرؓ اشعری کو بھیجا جو ان سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے تب جھنڈا ان کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے تھام لیا اور تب تک لڑتے رہے جب تک انہیں بری طرح شکست دے کر تتر بتر نہیں کر دیا۔

مالک بن عوف اور اس کی قوم کے لوگ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے طائف پہنچ گئے تاکہ وہاں قلعہ بند ہو جائیں۔ یہ لوگ اہل وعیال اور مال ودولت ساتھ لائے تھے اور میدان میں جو زبردست مال غنیمت چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے تھے، ان میں چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی شامل تھے۔

Marfat.com

مال غنیمت

رسول اللہ ﷺ اس مال غنیمت کو تقسیم نہ فرما کر کچھ انتظار کرنا چاہتے تھے تاکہ لوگ توبہ کر کے لوٹ آئیں اور اپنا مال لے جائیں۔ آپؐ نے دس روز سے زیادہ ان کا انتظار کیا لیکن کوئی نہیں آیا (بخاری)

تب آپؐ نے قبیلوں کے سرداروں اور مکہ کے شرفاء میں سے طالع آزماؤں کو چپ کرنے کے لئے مال غنیمت تقسیم کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے آپؐ نے تالیف قلب والوں کو دیا بلکہ خوب ہی نوازا۔

ابو سفیان کو سو اونٹ ملے اور چالیس اوقیہ چاندی۔ انہوں نے کہا: اور میرے بیٹے معاویہ کو؟ آپؐ نے اتنا ہی انہیں بھی عنایت فرمایا۔ انہوں نے پھر کہا اور میرے بیٹے یزید کو؟ آپؐ نے اتنا ہی انہیں بھی عنایت فرمایا (ابن ہشام)

قبیلوں کے سردار اور مورد الزام لوگ آگے آئے کہ جتنا لے سکیں لے لیں لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپؐ اس طرح نوازتے ہیں جیسے فقر کا ڈر ہی نہ ہو۔ چنانچہ لوگوں نے بھیڑ لگا دی کہ زیادہ سے زیادہ مال حاصل کریں۔ بدو یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے: یا رسولؐ اللہ ہم پر ہمارا مال غنیمت تقسیم کر دیجئے، یہاں تک کہ آپؐ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک درخت سے جا لگے۔ آپؐ کی چادر بھی کھنچ گئی۔ تب آپؐ نے فرمایا: لوگو! میری چادر تو واپس کر دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں تم پر تقسیم کر دیتا اور تم مجھے بخیل بزدل اور جھوٹا نہ پاتے۔

پھر آپ ایک اونٹ کے پہلو میں کھڑے ہوئے اور اس کے کوہان سے ایک بال لیا اور اپنی دو انگلیوں کے بیچ میں رکھ کر اٹھایا اور فرمایا: لوگو! تمہارے غنیمت میں ہمارے لئے خمس (پانچویں حصہ) سے زیادہ کچھ بھی نہیں یہ ایک بال بھی۔ اور خمس بھی تمہی پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ (احمد)

دنیا کی طلب میں لوگوں کی آنکھیں نکلی پڑتی ہیں۔

ان بدوؤں، طلقاء اور قبیلوں کے سرداروں نے اسلام کے شروع کی مشکلات میں کوئی مدد نہیں کی تھی، بلکہ وہی تو اس کی راہ کے سب سے بڑے پتھر بنے ہوئے تھے

Marfat.com

یہاںتک کہ آخرت کے طلبگار مسلمانوں کی ضربوں نے انہیں پاش پاش کر دیا۔

لیکن آج اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہی یہ چاہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے دنیا کے خزانے کھول دیں۔ آپؐ نے انہی کے لئے قسم کھائی کہ اپنے لئے کچھ باقی نہیں رکھیں گے، اور اگر اس وادی بھر مال و دولت بھی آپؐ کو مل جائے تو انہی میں تقسیم فرمادیں گے۔

آپؐ نے ان لوگوں کی دلجوئی اور ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جاگزیں کرنے کے لئے حلم و کرم کی نئی مثالیں قائم کر دیں۔

اگر آپؐ معرکہ حنین میں ان کی بزدلی پر بازپرس کر لیتے تو انہیں لینے کے دینے پڑ جاتے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ معرکہ حنین کے دوران حضرت ابوطلحہؓ، جو چند بڑے مسلمان شہسواروں میں شمار کئے جاتے ہیں، نے حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا، ان کے پاس خنجر تھا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اگر کوئی مشرک قریب آیا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ حضرت ابوطلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آپؐ سن رہے ہیں ام سلیم کیا کہہ رہی ہیں؟ آپؐ ہنس پڑے۔ حضرت ام سلیمؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اس کے بعد ان طلقاء کو بھی قتل فرمایئے جنہوں نے پسپائی اختیار کی۔ آپؐ نے فرمایا: ام سلیم! اللہ تعالیٰ کافی ہو گیا اور اس نے اچھا کر دیا۔

حیرتناک بات یہ تھی کہ جن لوگوں نے راہ فرار اختیار کی تھی وہ حرص و لالچ کے اظہار میں پیش پیش تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہی چاہا کہ ان کے ساتھ مہربانی کریں اور ازراہ کرم اور ان کی دلجوئی کے لئے ان کے ماضی کو فراموش کر دیں۔

اس دنیا میں بہت سے لوگوں کی رہنمائی حق کی طرف ان کے پیٹوں کے راستے سے کی جاتی ہے، ان کی عقلوں کے ذریعہ نہیں۔ جیسے جانور چارہ دیکھ کر منہ پھیلا لیتے ہیں پھر انہیں دھیرے دھیرے ان کے باڑے میں پہنچا دیا جاتا ہے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپؐ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے، جس کے کنارے موٹے تھے۔ ایک بدو نے

Marfat.com

آ کر اتنی زور سے اسے کھینچا کہ میں نے دیکھا آپؐ کے کندھے پر اس کا نشان پڑ گیا بدو نے کہا: اللہ تعالیٰ کا جو مال آپ کے پاس ہے، اس میں سے میرے لئے حکم کیجئے۔ آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے، ہنسے اور اسے کچھ دینے کا حکم دے دیا۔ (بخاری)

اس بدو کو نرم گفتگو اور لہجے سے اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی اس نوازش سے تھی جس سے اس کی جیبیں بھر جائیں اور اس کی حرص پوری ہو جائے۔

اسی لئے صفوان بن امیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، جو مجھے ہر مخلوق سے زیادہ ناپسند تھے، مجھے حنین کے مال غنیمت میں سے برابر دیتے رہے، یہانتک کہ مجھے اتنے محبوب ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ محبوب کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی۔

تقسیم کی حکمت

اس وقت اس پالیسی کو شروع میں سمجھا نہیں جا سکا بلکہ مختلف اعتراضات بھی اٹھے۔ کچھ مسلمانوں نے سمجھا کہ ان سے اعراض کیا جا رہا ہے اور انہیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمروؓ بن تغلب نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو نوازا اور کچھ لوگوں کو نہیں دیا۔ تب گویا انہیں یہ بات ناگوار گذری۔ آپؐ نے فرمایا: میں کچھ لوگوں کو ان کی بے صبری و رنج کے ڈر سے دیتا ہوں اور کچھ لوگوں کو اس بھلائی اور تونگری کے بھروسے پر چھوڑ دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رکھی ہے، اور ایسے ہی لوگوں میں عمرو بن تغلب بھی ہیں۔

حضرت عمروؓ بن تغلب کہتے ہیں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو مجھے رسول اللہ ﷺ کے اس سرٹیفکٹ سے زیادہ عزیز نہ ہوتے۔

یہ سرٹیفکٹ اس شخص کے دل کے لئے سب سے قیمتی مال سے بھی زیادہ گرانقدر تھا

تمام انصار حنین کے مال غنیمت سے محروم رکھے گئے جبکہ جنگ کی شدت کے وقت انہی کو آواز دی گئی تھی اور انہوں نے لبیک کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقابلہ کر کے شکست و فرار کو فتح سے بدلا تھا۔

اب وہ دیکھ رہے تھے کہ بھاگنے والے تو مالا مال کئے جا رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں دیا گیا۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت ہے کہ حنین کا مال غنیمت آیا تو رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے قریش اور تمام عربوں میں سے جن کی دلجوئی مقصود تھی، انہی میں تقسیم فرما دیا۔ انصار کو کچھ بھی نہیں ملا۔ انصار کے دل میں خیال پیدا ہوا، یہانتک کہ ایک انصاری کہہ بیٹھے: خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کی قوم والے مل گئے ہیں۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! انصار کے دلوں میں کچھ رنج پایا جاتا ہے آپؐ نے فرمایا: کس سلسلے میں؟ انہوں نے عرض کیا: آپؐ نے جو یہ مال غنیمت اپنی قوم اور تمام عربوں میں تقسیم فرمایا ہے اور انصار کو اس میں سے کچھ نہیں ملا۔

آپؐ نے فرمایا: سعد! اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے،

انہوں نے عرض کیا: میں بھی اپنی قوم ہی کا ایک فرد ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: اچھا اپنی قوم کو فلاں جگہ جمع کرو۔ جب اکٹھا ہو جائیں تو مجھے بتانا۔

حضرت سعدؓ وہاں سے نکلے اور آواز دے کر انصار کو وہاں اکٹھا کیا۔ اور جب سب جمع ہو گئے، کوئی باقی نہیں رہ گیا تو انہوں نے آپؐ کو آ کر اس کی اطلاع دی۔

رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچے اور تقریر فرمائی، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: اے انصاریو! جب میں تمہارے پاس آیا تھا تو کیا تم گمراہ نہیں تھے پھر اللہ نے تمہیں ہدایت دی، فقر سے دوچار تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں تونگر بنا دیا۔ باہم دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان الفت ومحبت پیدا کر دی؟۔

انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: انصاریو! جواب نہیں دو گے؟

انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم کیا جواب دیں، اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔

آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور سچ کہو گے اور اس کی تصدیق بھی کی جائے گی کہ: آپؐ ہمارے پاس بھگائے ہوئے آئے تھے، ہم نے آپ کو پناہ دی، ضرورتمند تھے، ہم نے آپ کی ہمدردی کی، حالتِ خوف میں تھے، ہم نے سلامتی فراہم کی اور بے سہارا تھے، ہم نے مدد کی۔

انہوں نے عرض کیا: احسان اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا: اے انصاریو! کیا تم نے دنیا کی حقیر چیزوں کے سلسلے میں اپنے دلوں میں رنج محسوس کیا، جس کے ذریعہ میں نے اسلام لانے والوں کی دلجوئی کی اور تمہیں اس اسلام کے بھروسے پر چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے انصاریو! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو گے کہ لوگ اپنے ساتھ اونٹ بکری لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ کو؟

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر لوگ ایک گھاٹی میں چلیں گے اور انصار دوسری گھاٹی میں، تو میں انصار والی گھاٹی میں چلوں گا۔ اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔

اے اللہ! انصار پر ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔ یہ کہہ کر آپ لوٹ گئے اور لوگ منتشر ہو گئے (احمد)

دعوتوں کی تاریخ میں انصار ایسے مردوں کے بے نظیر نمونے ہیں جن کے سہارے عظیم نظریات کھڑے ہوتے ہیں یہاںتک کہ جب آزمائشوں کا دور ختم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے پیروں پر کھڑے اور مستحکم ہو جاتے ہیں اور ان کے پھل کھانے کا وقت آتا ہے تو دوسرے لوگ قابض و حائل ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ درخت لگانے والوں کو ڈھکیل کر دور کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ گرے پڑے پھل بھی نہ پا سکیں۔

یہ بات اس جگہ کہنے کی نہیں، کیونکہ یہاں مال غنیمت کی تقسیم میں تو اور ہی اعلیٰ حکمت کام کر رہی تھی۔ یہ تو انصار کے مناقب کا ذکر نکل آیا کہ کس طرح انہیں دین کی راہ میں دنیا سے بالاتر سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں وہ حکومتی معاملات سے بھی دور رہے جبکہ وہ ان کے اہل تھے اور ابھی رسول اللہ ﷺ کے انتقال کو تیس برس بھی نہیں گذرے تھے کہ زمام کار طلقاء کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

بلاشبہ حق کے ان بے مثال جانثاروں کو بھرپور بدلہ آخرت میں ملے گا۔ دنیا اس سے کہیں زیادہ حقیر تر چیز ہے کہ کوئی عقیدہ والا شخص اس کے لئے فکرمند ہو۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ اسلام کی بدقسمتی نہیں تھی کہ اس طرح کے حکام سامنے آ جائیں، اسلام کے لئے سبقت کرنے اور اس کی کامیابی کے لئے جانیں نثار کرنے والے کنارے ڈال دئے جائیں اور دین کی سربراہی وہ لوگ کرنے لگیں جو اسلام

Marfat.com

قبول کرنے اور اس پر نگاہ رکھنے والوں میں سب سے آخری صف میں تھے؟

ہوازن کے وفد کی واپسی

مال غنیمت کی تقسیم کے بعد ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر آ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے قیدی اور مال واپس کر دیئے جائیں، آپؐ نے فرمایا: میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں تم دیکھ ہی رہے ہو۔ مجھے سب سے زیادہ سچی بات پسند ہوتی ہے، مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں آل اولاد زیادہ پیارے ہیں یا مال و دولت؟

انہوں نے عرض کیا: آل و اولاد کے برابر ہم کسی چیز کو نہیں سمجھتے۔

تب آپؐ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے یہ بھائی تائب ہو کر آئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ ان کے قیدی واپس کر دوں۔ جو خوشدلی سے ایسا کرنا چاہے کر دے اور تم میں سے جو کچھ لینا چاہے وہ اس وعدے پر چھوڑ دے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جو پہلا مال غنیمت دے گا اس میں سے ہم اسے دے دیں گے۔

لوگوں نے عرض کیا: ہم خوشدلی سے راضی ہیں۔

آپؐ نے انہیں غور کر کے اپنے ذمہ داروں کے ذریعہ بتانے کی مہلت دی۔

ذمے داروں نے ان سے بات کی اور واپس آ کر آپؐ کو بتایا کہ سب خوشدلی سے اپنے قیدیوں کو چھوڑنے پر راضی ہیں (بخاری)

طائف کا محاصرہ

ہوازن نے تو اپنی غلطی جلد ہی محسوس کر لی لیکن ثقیف کے لوگ شکست کھا کر لوٹے تو حنین اور اوطاس کے قلعوں میں قلعہ بند ہو کر طویل محاصرے کیلئے تیار ہو گئے مسلمانوں نے جان لیا کہ وہ بدستور اپنی جاہلیت پر برقرار رہنے پر بضد ہیں اور نقصانات نے ان کی ہمت نہیں توڑی ہے۔ تب انہوں نے وہاں پہنچ کر ان کو چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح کی جنگ کا مسلمانوں کو طویل تجربہ بھی تھا، کیونکہ اس سے پہلے خود ان کا محاصرہ بھی ہو چکا تھا اور وہ خود بھی محاصرے کر چکے تھے۔ انہیں حملہ اور دفاع کے کامیاب ترین طریقے معلوم ہو چکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنا لشکر لے کر چلے اور طائف کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

Marfat.com

ثقیف کے لوگ قلعوں سے تیر پھینکنے لگے جو بعض مسلمانوں کو لگے تب لشکر کچھ پیچھے ہٹ گیا تا کہ تیر وہاں نہ پہنچ سکیں۔

ایسا لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان قلعوں پر دھاوا بول کر انہیں زبردستی نہیں کھینچ لینا چاہتے تھے، جیسا کہ آپؐ نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا۔ کیونکہ اب بھی آپؐ کو ان کی ہدایت کی امید تھی۔ پندرہ روز تک محاصرہ جاری رہا اور کچھ جانی نقصان بھی ہوا۔ پھر آپؐ کو یہ خیال آیا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ آپؐ نے مسلمانوں سے اس سلسلے میں مشورہ فرمایا۔

ایک روایت کے مطابق آپؐ نے نوفلؓ بن معاویہ سے مشورہ فرمایا کہ یہاں ٹھہرے رہنے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! لومڑی اپنے بل میں ہے۔ اگر آپؐ ٹھہرے رہیں گے تو اسے پکڑ لیں گے۔ اور اگر چھوڑ دیں گے تب بھی آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

کچھ مسلمانوں کی رائے تھی کہ محاصرہ جاری رکھا جائے، یہانتک کہ فتح ہو جائے لیکن انہوں نے بھی آپؐ ہی کی رائے اختیار کر لی۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوچ کرنے اعلان کر دیں۔

جب سواریاں چلنے لگیں تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلایا ہے، اللہ سے ان کے لئے بددعا فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔

اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے۔

پھر ثقیف والے بھی اپنے شرک پر برقرار نہیں رہے۔ چند ہی مہینے گذرے تھے کہ انہوں نے اپنا وفد مدینہ بھیجا اور رسول اللہ ﷺ کو اسلام کے تعلق سے اپنے شرح صدر اور دلچسپی سے آگاہ کیا۔

دارالہجرت کی طرف

مسلمان طائف سے مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ فتح کے بعد وہاں قیام کریں، بلکہ اس لئے کہ وہاں کے معاملات کو منظم کر کے پھر اپنے دارالہجرت کی طرف کوچ کر جائیں مدینہ منورہ کے ساتھ ان کا تعلق اپنی گہرائی و قوت کے اعتبار سے ایسا ہو چکا تھا کہ اس پر کسی پرانے وطن یا عزیز یادوں کو ترجیح نہیں دی جا سکتی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ فتح کر لیا اور اس میں داخل ہو گئے

Marfat.com

تو صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر دعا فرمانے لگے۔ آپ کو انصار نے اپنے حلقہ میں لے رکھا تھا وہ آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ تمہارا کیا خیال ہے اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی سرزمین پر فتح دے دی ہے تو کیا آپؐ یہیں قیام فرمائیں گے۔؟ آپ جب دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم کیا کہہ رہے تھے؟ لوگوں نے عرض کیا: کچھ نہیں یا رسول اللہ! آپؐ کے اصرار پر انہوں نے جب یہ بات بتائی تو آپؐ نے فرمایا: خدا کی پناہ۔ اب زندگی و موت تمہارے ساتھ ہے (ابن ہشام)

چونکہ اہل مکہ ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے اور اسلام کے احکام و مقاصد کو بہت کم سمجھتے تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو کتاب و سنت سکھانے کے لئے وہاں حضرت معاذؓ بن جبل کو چھوڑ دیا اور حضرت عتابؓ بن اسید کو مکہ کا امیر مقرر فرمایا، جبکہ ان کی عمر ابھی بیس برس تھی۔

حضرت عتابؓ ایک ذہین، قناعت پسند اور بہادر نوجوان تھے۔ ان کی تنخواہ ایک درہم روزانہ مقرر ہوئی، یہ گورنری کی تنخواہ تھی، جس سے وہ مطمئن تھے۔ بلکہ ایک دن اپنے خطبہ میں انہوں نے کہا: لوگو! جو ایک درہم (روزانہ) کے بعد بھی اپنے آپ کو بھوکا محسوس کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے بھوکا ہی رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے ایک درہم روزینہ مقرر فرمایا ہے اور مجھے کسی اور کی کوئی ضرورت نہیں۔

☆☆☆

پھر رسول اللہ ﷺ ہجرت کے آٹھویں سال کے آخری مہینے میں مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔ اس مقدس شہر میں آٹھ برس پہلے کی پہلی آمد اور فتح عظیم کے بعد اس واپسی کے درمیان کتنا زبردست فرق تھا۔

پہلے آپ بھگائے ہوئے اجنبی کی طرح امان کی تلاش میں آئے تھے۔ یہاں کے لوگوں نے آپؐ کو پوری عزت و قدردانی کے ساتھ پناہ دی، آپؐ کی ہر طرح مدد کی، آپؐ کے ساتھ جو ہدایات نازل ہوئی تھیں ان کی پیروی کی اور آپؐ کے لئے تمام لوگوں کی دشمنی کو معمولی سمجھا۔ آج آٹھ برس کے بعد پھر وہی مدینہ منورہ آپ کا استقبال کر رہا تھا۔ جبکہ اہل مکہ مکرمہ آپ کے آگے سرنگوں ہو چکے تھے اور اپنے تکبر و جاہلیت کو آپؐ کے پیروں تلے ڈال دیا تھا۔ آپؐ نے ان کی سابقہ خطاؤں کو معاف کرتے ہوئے انہیں اسلام کے ذریعہ عزت بخشی۔

انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين (یوسف: ۹۰)

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر مارا نہیں جاتا۔

Marfat.com

منافقین کا رویہ

جن لوگوں کو حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے سلسلہ میں شک وشبہ تھا ان کے لئے یہی مناسب تھا کہ اب ایسی واضح نشانیاں انہیں دشمنی وعداوت چھوڑ کر آپؐ کی تصدیق پر آمادہ کرتیں اور آپؐ کے دین سے قریب کرتیں۔ لیکن اپنے مخالفین کی کامیابی وسربلندی دیکھ کر کمینہ صفت لوگوں کے دلوں کا انکار اور مخالفت اور بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ مخالفین کے اقبال وعروج میں انہیں اپنا زوال نظر آتا ہے۔ اس لئے حیرت کی بات نہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس آکر یہ دیکھیں کہ منافقین کے دلوں کا حال بدستور ہے۔ وہ اگرچہ فاتح قائد کی واپسی پر خوشی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن دل سے یہی چاہتے ہیں کہ کاش اس کی صورت نہ دیکھنی پڑتی۔ اس میں وہ قبائلی سردار بھی تھے جن کا اقتدار اسلام کی اشاعت کے آگے ماند پڑ گیا تھا اور وہ بدو بھی جو بے سمجھ مویشیوں کی طرح صحراؤں میں گھومتے رہتے تھے اور کوئی بات نہیں سمجھتے تھے۔

منافقین نے یہ بھی جان لیا تھا کہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑک چکی ہے اور منافقین اس میں اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے لئے برے نتائج کی امیدیں قائم کر رہے تھے۔

عرب اس زمانے میں رومی سلطنت کو اسی نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے آج افریقہ وایشیا کے بیشتر باشندے امریکہ ویورپ کو دیکھتے ہیں کہ ان کی طاقت کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

اگرچہ رومیوں کا ایسا رعب قائم تھا لیکن حضرت محمد ﷺ ــــ جیسا کہ لوگ جان چکے تھے ــــ روئے زمین کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے تھے۔ آپؐ اپنی رسالت کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کرتے جا رہے تھے، صنم پرستی کو شکست دے چکے تھے یہودیوں کو جلاوطن کر چکے تھے اور رومیوں کی مزاحمت پورے اعتماد سے فرما چکے تھے۔

منافق اس نئی دشمنی سے بڑے مگن تھے کہ ان کے خیال میں اس سے اسلام کی قبر کھد جائے گی۔

اس لئے جب آپؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ آپؐ تبوک کی طرف کوچ کرنے والے ہیں تو منافقین باہم اکٹھا ہوئے اور (مسلمانوں کی طرف اشاہ کر کے) ایک

Marfat.com

دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا رومیوں سے ٹکر لینا ویسا ہی ہے جیسے عرب باہم لڑتے ہیں؟ خدا کی قسم کل ہم رسیوں میں جکڑے ہوئے نظر آئیں گے۔

تبوک

رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا کہ اسلام او عیسائیت کے درمیان تعلقات ٹھوس بنیادوں پر قائم کریں۔ لیکن ظاہر ہے آپؐ اس بات پر سودے بازی نہیں کر سکتے تھے کہ آپؐ کے داعیوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اپنا دین لوگوں کے سامنے پیش کریں پھر اگر لوگ پسند کریں تو مان لیں ورنہ نہ مانیں۔ عوام کو دعوت کے سمجھنے کے لئے مناسب مواقع کی فراہمی تو لازمی ہی تھی۔

رہی یہ بات کہ داعیوں کی گردنیں کاٹ دی جائیں اور ان کے آگے بھاری دیواریں کھڑی کر دی جائیں تو یہ تو بزورِ طاقت اسلام کو روکنا ہوا۔

پھر رومی شام، عراق اور مصر وغیرہ علاقوں میں حملہ آور قابض کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہاں کے اصل باشندوں کے ساتھ ان کا تعلق صرف زور زبردستی کا تھا۔

جو اس پر اعتراض کرتا ہے کہ اسلام نے ان علاقوں کی طرف کیوں پیش قدمی کی، اسے پہلے اپنے آپ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ آخر وہ ان علاقوں پر اس سے پہلے رومیوں کی یلغار اور ان مغلوب ملکوں پر زبردستی اپنی حکومت لادنے پر کیوں خاموش رہتا ہے؟ اگر انصاف سے موازنہ کیا جائے تو کوئی اعتراض کی چیز نہیں مل سکتی۔

مختلف عقائد کو آزاد چھوڑ دیجئے کہ وہ خود اپنی صورتیں واضح کریں۔ قومیں چاہیں تو انہیں مان لیں، ورنہ مسترد کر دیں۔ مسلح طور پر کسی عقیدہ کو کچلنے کا کیا مطلب تھا؟ لیکن رومی سلطنت تو خود اپنے اندر کسی اختلاف رائے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھی، نہ رومی کلیسا اس نئی فضا کا خیر مقدم کر سکتا تھا۔ کیونکہ کلیسا تو یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا کہ معمولی فروعی مسائل میں بھی کوئی اس سے اختلاف کر کے وہاں باقی رہ سکے تب وہ کسی ایسے دین کو باقی رہنے کی اجازت کیسے دے سکتا تھا، جو کلیسا کے ٹھیکیداروں کے اقتدار کو تسلیم نہ کرتا ہو، خدا اور اس کے بندوں کے درمیان کسی بچولئے کو نہ مانتا ہو اور کفارہ کی بھینٹ کے عقیدہ کو مسترد کرتا ہو، کیونکہ اس کے نزدیک جزا و سزا کا دارومدار خود انسان کے اپنے عمل پر ہی ہے۔ انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش

Marfat.com

کی ہوگی اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

پھر اسلام خدائی شرکت کے اصول کا بھی منکر ہے۔اس کے نزدیک دنیا کا پروردگار ایک خدا ہے۔جس کے سامنے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ کو بھی جھکنا لازمی ہے۔

اسی لئے رومیوں نے سوچا کہ وہ اسلام کو بزور طاقت پسپا کر کے وہیں ڈھکیل دیں، جہاں سے وہ نکلا تھا۔پھراس کی چہار دیواری قائم کر کے اس سے باہر نہ نکلنے دیں تاکہ کلیسا تنہا انسانی ضمیر کا اجارہ دار رہے اور کلیسا کی گھنٹیوں کے مقابلہ میں اذان کی صدا بلند نہ ہو سکے۔

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ تک اس مکارانہ تیاری کی خبریں پے در پے پہنچ رہی تھیں۔عیسائیت کی تاریخ برسر اقتدار آنے کے بعد ہی سے ارباب کلیسا کے جارحانہ عزائم کی گواہی دیتی آئی ہے۔

تب رسول اللہ ﷺ نے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ اس مہلک جارحیت کا سامنا کیا جائے۔

رومیوں سے مقابلہ کی تیاری کا وقت سخت گرمی اور قحط کے دنوں میں پڑا۔وہاں تک پہنچنے کے لئے کافی اخراجات اور شدید مشقت کا سامنا کرنا ناگزیر تھا۔کیونکہ رومیوں کے ساتھ جنگ کسی محدود تعداد اور تیاری والے قبیلہ کے ساتھ ٹکراؤ جیسی نہیں ہو سکتی تھی۔یہ تو ایک ایسی سلطنت کے ساتھ تلخ معرکہ آرائی تھی جس کا اقتدار کئی براعظموں تک پھیلا ہوا تھا اور افرادی قوت اور مال و دولت کے اعتبار سے اس کے وسائل بہت وسیع تھے۔

تاہم عقیدہ کے علمبردار دشواریوں کے سامنے نہیں جھک جاتے۔اسلام کے خلاف عیسائیوں کے چیلنج اور اسے نیست و نابود کرنے کی ان کی شدید خواہش پر خاموش رہ جانے کا مطلب خودکشی ہوتا۔تب مسلمانوں کے سامنے اس کے سوا کوئی اور راستہ ہی باقی نہیں رہ گیا تھا کہ چاہے جتنی قربانیاں دینی پڑیں وہ اپنے مستقبل کے تحفظ کے لئے ہر چیلنج کا مقابلہ کریں۔

چونکہ نہایت دشوار گذار حالات میں لشکر تیار کیا گیا تھا اس لئے اس کا نام ہی

Marfat.com

''تنگدستی والالشکر'' پڑ گیا اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے کافی آیات نازل فرمائیں جن میں اسلام کے خلاف عیسائیت کے حملے کو پسپا کرنے کے لئے مسلمانوں کی ہمت بڑھائی گئی، انہیں اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کے نقصانات کو سمجھایا گیا اور یہ احساس دلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حمایت اور اپنے نبی کی مدد کے سلسلے میں ذرا سی کوتاہی بھی برداشت نہ کرے گا اور رومیوں کے ساتھ جنگ کے سلسلے میں درپیش کٹھنائیوں کے سامنے پسپائی ارتداد و نفاق تک پہنچا سکتی ہے۔

یا ایھاالذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض أرضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ فما متٰع الحیوۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل۔الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیر کم ولا تضروہ شیئا والله علی کل شئی قدیر (التوبۃ:۳۸۔۳۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا کہ یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ان آیات میں دوٹوک انداز اختیار کیا گیا، منافقین اور مذبذب لوگوں کے لئے کوئی حیلہ بہانہ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہنے دی گئی اور ان آرام طلب لوگوں کی کھل کر مذمت کی گئی جنہوں نے صحراء کی گرمی، سفر کی کلفتوں اور مورچہ لینے کی مشکلات پر اپنے گھروں اور باغوں کے سایہ میں رہنے کو ترجیح دی۔

فرح المخلفون بمقعدھم خلف رسول الله وکرھوا ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل الله وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون (التوبۃ:۸۱)

پیچھے رہ جانے والے اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں، انہوں نے لوگوں سے کہا کہ ''اس سخت گرمی میں نہ نکلو'' ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔

غزوۂ تبوک کے سلسلے میں سورۂ توبہ میں کافی آیات ہیں۔

اس جہاد کی تصویر کشی کرتے ہوئے قرآن کریم نے واضح اسلوب میں اس میں حصہ لینے والوں کی تعریف اور پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت فرمائی ہے، اور اس میں

Marfat.com

تعجب کی بات بھی نہیں، کیونکہ عیسائیت کے سلسلے میں اسلام کے موقف کا تعین ہمیشہ کے لئے اس دین کے مستقبل سے وابستہ تھا۔ یا تو مسلمان متعصب کلیسا کی دشمنی کے سامنے ثابت قدمی سے کام لیتے یا پھر کلیسا ان کے دین کو نیست و نابود کر کے چھوڑتا۔

اس واضح اور ٹھوس موقف کے بہترین نتائج نکلے۔ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں اس لشکر کے لئے اکٹھا ہوئے، جتنے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے اور شمال کی طرف پیشقدمی کرنے لگے جہاں رومی لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔

☆☆☆

اس لشکر کی تیاری میں لوگوں کی نیتیں ظاہر ہوگئیں کہ ان میں کتنا اخلاص، کتنی دریادلی اور کتنی چستی و فداکاری ہے۔ کتنے مالدار تھے جنہوں نے اس لشکر کو ہتھیار، سواریاں اور زادسفر فراہم کرنے کے لئے اپنے خزانے کھول دئے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان نے تو گویا اس کام کے لئے اپنی دولت وقف ہی کر دی۔ رسول اللہ ﷺ ان سے حد درجہ خوش ہوگئے اور یہ کہہ پڑے کہ ''آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا'' (حاکم وابن کثیر)

کتنے غریب مسلمان تھے جو اللہ کی راہ میں جانثاری کا انتہائی شوق رکھتے تھے لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے سواریوں کا انتظام نہیں ہو پارہا تھا اور وہ اس محرومی پر بے اختیار رو پڑے تھے۔

حضرت علیہؓ بن یزید سے روایت ہے کہ وہ رات میں تہجد کی نماز پڑھنے اٹھے۔ نماز پوری کرنے کے بعد رو پڑے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے اللہ تو نے جہاد کا حکم فرمایا ہے اور اس کا شوق دلایا ہے، لیکن نہ مجھے اتنے وسائل دیئے کہ میں خود ہی تیاری کرسکوں اور نہ اپنے رسولؐ ہی کے ہاتھ میں اتنے وسائل دئے کہ وہ میرے لئے سواری کا بندوبست کرسکیں۔ میں تو ہر مسلمان کی جان و مال و آبرو میں ہر طرح مدد کر کے صدقہ کرتا ہوں۔

صبح کو حسب معمول وہ بھی لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ رات کو صدقہ کرنے والا کون تھا؟ کوئی نہیں اٹھا تو آپؐ نے پھر دریافت فرمایا۔ تب حضرت علیہؓ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں

Marfat.com

خوشخبری ہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہارا نام قبول کی جانے والی زکوٰۃ میں لکھ لیا گیا ہے (ابن اسحاق)

شک وشبہ والے لوگ یعنی منافقین بھی تھے جو فرار کے لئے عذر تلاش کر رہے تھے وہ اسلام کی کوئی مدد نہیں کرنا چاہتے تھے، بھلا وہ کیسے نکلنے کے لئے تیار ہوتے یا نکلنے والوں کی واپسی کی تمنا کرتے۔

ابن ہشام کی روایت کے مطابق ان منافقین میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز عذر جد بن قیس نے تلاش کیا۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپؐ مجھے آزمائش میں پڑنے سے بچا نہیں لیں گے؟ خدا کی قسم میری قوم جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کا شوقین کوئی نہیں اور مجھے ڈر ہے کہ میں رومیوں کی عورتوں کو دیکھوں گا تو صبر نہیں کر پاؤں گا۔

آپؐ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

ومنهم من يقول أئذن لي ولا تفتني الا في الفتنة سقطوا وان جهنم لمحيطة بالكافرين (التوبة:۴۹)

ان میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور مجھ کو فتنے میں نہ ڈالئے۔ سن رکھو! فتنے ہی میں تو یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں اور جہنم نے ان کافروں کو گھیر رکھا ہے۔

کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی شروع میں ہمت نہیں پڑ رہی تھی لیکن جب لشکر چل پڑا تو انہیں اپنا ایمان خطرہ میں محسوس ہوا۔ چنانچہ وہ لشکر میں جا ملنے کے لئے روانہ ہو گئے ایسے لوگوں میں ابو خیثمہؓ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی روانگی کے بعد ایک دن وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹے۔ شدید گرمی کا دن تھا۔ ان کی دونوں بیویوں نے ان کے لئے لذیذ کھانا اور ٹھنڈا پانی تیار کر رکھا تھا اور آرام کرنے کی جگہ بھی چھڑک کر تر کر رکھی تھی یہ جگہ ان کے باغ میں تھی کھجوریں پک کر سرخ ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

اچانک ان کا ضمیر بیدار ہو گیا۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا: رسول اللہ ﷺ تو دھوپ، گرمی اور لو میں ہوں اور ابو خیثمہ ٹھنڈی چھاؤں میں تیار کھانے اور خوبصورت عورت کے پاس اپنی جائداد میں قیام پذیر؟ خدا کی قسم یہ انصاف نہیں! پھر انہوں نے اپنی بیویوں سے کہا: میں تم میں سے کسی کے چھپر میں داخل نہیں ہوں گا جب تک رسول اللہ ﷺ سے نہ جا ملوں۔ میرے لئے زادِ سفر تیار کرو۔ چنانچہ بیویوں نے زادِ سفر تیار کر دیا

Marfat.com

اور وہ اپنی سواری پر بیٹھ کر تیزی سے چل پڑے یہاںتک کہ جب آپؐ تبوک میں داخل ہوئے تو یہ بھی وہاں پہنچ گئے۔

☆☆☆

تبوک جانے والے لشکر کو زبردست دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر کرتے ہوئے:

لقد تاب اللہ علی النبی والمهاجرین والانصار الذین اتبعوه فی ساعة العسرة (التوبة:۱۱۷)	اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرین وانصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک اونٹ پر دو دو تین تین آدمی سوار تھے۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی اور پانی کی انتہائی قلت تھی۔ پیاس نے اتنا ستایا کہ وہ اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے پیٹوں میں موجود پانی نکال کر پینے پر مجبور ہو گئے۔ پانی کے ساتھ اخراجات کی بھی شدید تنگی تھی۔ اوپر سے گرمی قیامت ڈھا رہی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ اس تنگی کے وقت کے بارے میں کچھ بتایئے تو انہوں نے فرمایا: ہم تبوک کے لئے شدید گرمی میں نکلے۔ ایک منزل پر پڑاؤ کیا تو اتنی پیاس لگ چکی تھی کہ ہمیں لگ رہا تھا کہ اب جان نہیں بچے گی۔ یہاںتک کہ آدمی اپنا اونٹ ذبح کر کے اس کے پیٹ سے پانی نکال کر پینے پر مجبور ہو گیا۔ تب بھی کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا میں بھلائی رکھی ہے، تو آپؐ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم ایسا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں۔ تب آپؐ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور اس وقت تک نیچے نہیں کیا۔ جب تک کہ بارش نہیں ہونے لگی۔ لوگوں نے اپنے برتن خوب بھر لئے۔ پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا تو لشکر کے آگے بارش نہیں ہوئی تھی (ابن کثیر)

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق لشکر میں ایک منافق تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا: اب بھی کوئی شک باقی رہ گیا ہے؟ اس نے کہا: یہ تو کوئی گذرتا ہوا بادل تھا۔

راستے میں مسلمان اس علاقے سے بھی گذرے جو ثمود کا مسکن رہ چکا تھا۔ وہاں اب بنجر ٹیلے اور کچھ ایسے آثار رہ گئے تھے جو ان لوگوں پر خدا کے غضب کی یاد دلا رہے تھے

Marfat.com

جنہوں نے اس کے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور اس کے جلد عذاب کو دعوت دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کے مسکنوں میں نہ داخل ہونا جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا سوائے اس کے کہ تم رو رہے ہوتا کہ تم پر بھی وہی عذاب نہ نازل ہو جائے (احمد)

ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ مسلمان نصیحت و عبرت کے مقامات سے غافل نہ رہیں اور پرانے دردناک عذابوں کو معمولی نہ سمجھیں۔ کوئی شخص اگر جیلخانہ کا دورہ کرے اور وہاں مثلاً پھانسی کی جگہ دیکھے تو وہ ایسا ہنستے ہوئے نہیں کرے گا، بلکہ مجرمین کے انجام سے غمزدہ ہو جائے گا۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجر کے مقام سے گذرے تو فرمایا: نشانیاں (معجزات) نہ مانگو۔ صالحؑ کی قوم نے نشانی مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ایک اونٹنی بھیج دی تھی جو اس راستے سے گذرتی تھی۔ وہ ایک دن ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن وہ لوگ اس کا دودھ پیتے تھے۔ انہوں نے اسے مار ڈالا تب انہیں ایک چیخ (عذاب) نے آلیا اور ان میں سے جو بھی زیر آسماں موجود تھا اسے اللہ تعالیٰ نے نیست و نابود کر ڈالا۔

لوگوں کو نشانیاں طلب کرنے سے روکنا معمول کے مطابق حالات کی طرف لوٹانا تھا۔ لوگوں کے لئے بہتر یہی تھا کہ وہ اپنے ذمے داریاں پوری کرنے میں اپنی توانائیاں لگائیں اور اپنے دلوں کو نرم کریں تاکہ وہ حکم خداوندی کے سامنے جھک جائیں ان سے پہلے جن لوگوں نے معجزات دیکھے تھے پھر بھی ان کے دلوں کی قساوت نے انہیں خود فریبی میں مبتلا رکھا تھا، انہیں لعنت نے گھیر لیا تھا۔

مسلمان تبوک پہنچ گئے لیکن وہاں دشمن سامنے نہیں آیا۔ یقیناً رومیوں نے اس نئی طاقت سے ٹکرانے کے بجائے اپنی حدود کے اندر چھپے رہنے ہی کو ترجیح دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان علاقوں میں پھیلے ہوئے عیسائی عربوں مثلاً ایلہ، اذرع، تیماء اور دومۃ الجندل والوں سے صلح کے معاہدے فرمائے اور رومیوں کا دم بھرنے والے قبائل کو یقین ہو گیا کہ ان کے سابق آقاؤں پر انحصار کا وقت جا چکا۔

غزوۂ تبوک غزوہ خندق ہی کے مشابہ رہا۔ اس میں مسلمانوں کی آزمائش شروع میں سخت تھی لیکن آخری نتیجہ اطمینان و عزت کا نکلا۔ رسول اللہ ﷺ تبوک میں دس روز سے زیادہ ٹھہرے رہے۔ آپ کی نگاہ اس صحرا کے پیچھے تک پہنچ رہی تھی جہاں رومی

Marfat.com

روپوش ہو چکے تھے۔ان کی کسی نقل وحرکت کا انتظار فرماتے رہے لیکن جب دیکھا کہ ان میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی ہے تو فتحیابی کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹنے کا فیصلہ فرمالیا۔

آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے۔دور ہی سے اس کے آثار آپ پر عیاں ہو رہے تھے۔آپؐ نے فرمایا: یہ طابہ (طیبہ یعنی خوشگوار مقام) ہے اور یہ احد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔لوگوں نے آپ کی آمد کے بارے میں سنا تو مارے خوشی کے عورتیں بچے تک باہر نکل آئے۔ان کی زبانوں پر خیر مقدمی اشعار تھے (ترجمہ)

الوداع کی پہاڑیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا ہے۔

''ہم پر اس وقت تک شکر واجب ہے جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔''

تنگدستی کے اس لشکر کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنے والا سب سے بڑا لشکر تھا جس کی تعداد تقریباً تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

آپؐ نے مدینہ منورہ سے نکلتے ہوئے بھی اور واپس ہوتے ہوئے بھی ان بڑے دلوں والوں کو فراموش نہیں کیا تھا جو وسائل کی کمی کی وجہ سے جہاد میں حصہ نہیں لے سکے تھے اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ پیچھے رکنے پر مجبور ہو گئے تھے۔حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس لوٹ کر مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو فرمایا: مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے کوئی مسافت نہیں طے کی جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں۔لوگوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مدینہ میں رہتے ہوئے بھی؟ آپؐ نے فرمایا: مدینہ میں رہتے ہوئے بھی۔انہیں مجبوری نے روک لیا تھا (بخاری)

اس زبردست ہمدردی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی عزت افزائی کی، جو دل سے سفر تبوک میں آپؐ کے ساتھ تھے اور ان کے دلوں سے غم والم کا بھاری بوجھ دور کر دیا۔

رہے بدخواہ اور شکست کے خواہاں منافقین اور وہ بدو جو اسلام کو اپنے لئے ایک مصیبت سمجھتے تھے تو وہ اسی انتظار میں رہے کہ کب حالات کا پانسہ مسلمانوں کے خلاف پلٹتا ہے۔

ظاہر ہے ان کا انتظار لامتناہی تھا۔

Marfat.com

پیچھے رہ جانے والے

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے مسجد تشریف لے گئے۔ وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر لوگوں کے سامنے بیٹھے۔ پیچھے رہ جانے والے آئے اور معذرت کرنے اور قسم کھانے لگے۔ یہ اسی سے کچھ زیادہ افراد تھے۔ آپؐ نے ان کی علانیہ معذرت کو قبول کر لیا اور ان کے لئے معافی کی دعا فرماتے ہوئے ان کے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

پھر حضرت کعبؓ بن مالک آئے اور سلام کیا۔ آپؐ نے غصہ کے ساتھ تبسم فرمایا اور کہا آؤ۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں: میں چلتا ہوا آیا اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ کیا تم نے جانثاری کی بیعت نہیں کی تھی۔ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، خدا کی قسم میں آپؐ کے علاوہ دنیا کے کسی اور شخص کے سامنے ہوتا تو سمجھتا کہ عذر پیش کر کے ناراضگی سے بچ جاؤں گا اور مجھے بات کہنے کا سلیقہ بھی ہے لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے آپؐ سے کوئی جھوٹی بات کہی اور آپؐ راضی بھی ہو گئے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے، اور اگر میں نے آپؐ سے سچ بولا تو آپؐ ناراض ہوں گے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ سے معافی و درگذر کی امید ہے۔ خدا کی قسم میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا اور خدا کی قسم میں کبھی بھی اس وقت سے زیادہ بہتر حال میں نہیں تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچی بات کہی۔ اچھا اٹھ جاؤ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں فیصلہ فرما دے۔ چنانچہ میں وہاں سے اٹھ گیا۔

بنو سلمہ کے لوگ میرے پیچھے آ کر مجھے برا بھلا کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہمارے علم کے مطابق تم نے اس سے پہلے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ کیا دوسرے پیچھے رہ جانے والوں نے جس طرح عذر پیش کئے تم بھی نہیں پیش کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا تمہارے لئے مغفرت چاہنا ہی تمہارے لئے کافی ہو جاتا۔

حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ وہ لوگ برابر مجھے برا بھلا کہتے رہے یہانتک کہ میں سوچنے لگا کہ واپس جا کر خود اپنی بات کو جھٹلا دوں۔ پھر میں نے ان سے کہا: کیا میری طرح کسی اور نے بھی کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تمہاری ہی طرح دو اور لوگوں نے ایسا

Marfat.com

ہی کیا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کون ہیں۔ انہوں نے بتایا مرارہؓ بن ربیع عامری اور بلالؓ بن امیہ واقفی۔ یہ دونوں صالح لوگ تھے اور غزوۂ بدر میں شریک رہ چکے تھے۔ ان میں میرے لئے نمونہ تھا۔ چنانچہ میں اپنی بات پر قائم رہ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرمادیا۔ لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور اس طرح بدل گئے کہ مجھے زمین ہی اجنبی محسوس ہونے لگی۔ ہم اس طرح پچاس دن رہے۔ میرے دونوں ساتھی تو اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور روتے رہتے تھے۔ میں ان میں سب سے نوجوان اور زیادہ مضبوط تھا، میں نماز جماعت میں آکر شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں چکر لگاتا تھا۔ کوئی بھی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا۔ آپؐ جب مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے تو میں وہاں پہنچ کر سلام کرتا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ کیا آپؐ نے سلام کے جواب کے لئے ہونٹ ہلائے یا نہیں! پھر آپؐ سے قریب ہی نماز پڑھتا تھا اور نظر بچا کر آپ کو دیکھتا تھا۔ جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو آپؐ میری طرف نگاہ فرماتے تھے لیکن جیسے ہی میں ادھر متوجہ ہوتا تھا آپؐ نگاہ پھیر لیتے تھے۔

جب مسلمانوں کا یہ بائیکاٹ طویل ہو گیا تو ایک دن میں اپنے چچازاد بھائی اور سب سے محبوب شخص ابوقتادہؓ کے باغ کی چار دیواری چڑھ کر وہاں گیا اور سلام کیا لیکن خدا کی قسم انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: ابوقتادہ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟ وہ چپ رہے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی مگر وہ چپ ہی رہے۔ پھر میں نے جب تیسری بار انہیں خدا کا واسطہ دیا تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔

میری آنکھیں چھلک پڑیں اور میں وہاں سے واپس آ گیا۔

ایک دن میں مدینہ کے بازار سے گذر رہا تھا کہ شام کا ایک نبطی، جو غذائی اشیاء بیچنے آیا تھا، لوگوں سے پوچھتا ملا کہ کعب بن مالک کہاں ملیں گے؟ لوگوں نے اشارہ سے اسے بتایا تو وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم کو چھوڑ دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے عزتی اور بربادی کے لئے نہیں بنایا ہے۔ ہمارے پاس آ جاؤ ہم تم سے ہمدردی کریں گے۔

میں نے جب وہ خط پڑھا تو کہا: یہ بھی ایک آزمائش ہے۔ چنانچہ اسے لے

Marfat.com

جا کر چولہے میں جلا ڈالا۔

پھر جب پچاس دنوں میں سے چالیس دن گذر گئے تو رسول اللہ ﷺ کا ایک پیغام رساں میرے پاس آیا اور کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے دور رہو۔ میں نے پوچھا: طلاق دے دوں یا اور کچھ؟ اس نے کہا: نہیں بس اس سے دور رہو، قریب نہ جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ایسا ہی حکم دیا گیا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور وہیں رہو یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں فیصلہ فرمادے۔

ہلالؓ بن امیہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہلال کافی بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں۔ ایسی صورت میں کیا آپؐ ناپسند فرمائیں گے کہ میں ان کی خدمت کروں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ بس وہ تمہارے قریب نہ ہوں۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم وہ اس قابل ہی نہیں ہیں۔ جب سے یہ معاملہ ہوا ہے تب سے آج تک وہ بس رو رہے ہیں۔

حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض گھر والوں نے کہا کہ تم بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لیتے۔ میں نے کہا: خدا کی قسم میں آپؐ سے اجازت نہیں طلب کروں گا۔ میں نوجوان آدمی ہوں، معلوم نہیں آپ کیا فرمائیں۔ اس کے بعد دس راتیں اور گذریں یہانتک کہ (ہمارے بائیکاٹ) کو پچاس دن پورے ہو گئے۔ پچاسویں رات کی صبح جب میں نے اپنے گھر کی چھت پر فجر کی نماز پڑھی لی اور اسی حالت میں بیٹھا تھا کہ دنیا تنگ محسوس ہو رہی تھی کہ ایک آدمی کو انتہائی بلند آواز سے چیختے ہوئے سنا: کعب بن مالک! تمہیں خوشخبری ہو۔

میں سجدے میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی آگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر پڑھنے کے بعد لوگوں میں اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کی توبہ قبول کر لی ہے۔ لوگ ہم لوگوں کو مبارک باد دینے پہنچنے لگے۔ جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اسے میں نے اپنا لباس اتار کر انعام میں دے دیا اور دوسرے کپڑے مانگ کر پہنے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف چلا۔ لوگ گروہ در گروہ مل کر مبارک باد دے رہے تھے۔

میں مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے لپک کر مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ اسے

Marfat.com

میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ میں نے جب آپ کو سلام کیا تو آپؐ نے فرمایا۔۔۔آپ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔۔ تمہیں اپنی پیدائش سے لے کر آج تک کا سب سے بہترین دن مبارک ہو۔ میں نے عرض کیا یہ آپ کی طرف سے ہے یا رسول اللہ! یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ اس طرح چمکنے لگتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم اس سے آپ کی خوشی جان لیتے تھے۔

میں جب آپؐ کے سامنے بیٹھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! میری توبہ کا حصہ یہ بھی ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا: کچھ مال روکے رکھو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا تب میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ کے ذریعہ نجات دی ہے اور یہ میری توبہ کا حصہ ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں سچ ہی بولوں گا۔ خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ سچ بولنے پر اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو تب سے آج تک آزمائش میں ڈالا ہو۔ خدا کی قسم میں نے تب سے آج تک کبھی جھوٹ بولنے کا ارادہ نہیں کیا اور مجھے امید ہے کہ جب تک زندہ ہوں اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

لقد تاب اللّٰـه علی النبی والمهاجرین والانصار الذین اتبعوه فی ساعة العسرة من بعد ماكاد یزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم انه بهم روؤف رحیم وعلی الثلٰثة الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله الا الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا ان الله هو التواب الرحیم یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللـه وكونوا	اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرین وانصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے۔ (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبی کا ساتھ دیا) تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا ہے اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ خود اللہ

Marfat.com

مع الصّدقین (التوبۃ:۱۱۷۔۱۱۹)

ہی کے دامن رحمت کے سوانہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔

خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے مجھے جب سے اسلام کی ہدایت دی ہے رسول اللہ ﷺ سے سچ بولنے سے بڑھ کر مجھ پر کوئی نعمت نازل نہیں فرمائی۔اگر میں نے جھوٹ بولا ہوتا تو میں جھوٹ بولنے والوں کی طرح تباہ ہو جاتا۔کیونکہ ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سیحلفون باللہ لکم اذا انقلبتم الیھم لتعرضوا عنھم فاعرضوا عنھم انھم رجس وماوٰھم جھنم جزاء بما کانوا یکسبون یحلفون لکم لترضوا عنھم فان ترضوا عنھم فان اللہ لا یرضی عن القوم الفاسقین (التوبۃ:۹۵۔۹۶)

تمہاری واپسی پر یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے صرف نظر کرو تو بے شک تم ان سے صرف نظر ہی کرلو، کیونکہ یہ گندگی ہیں اور ان کا اصلی مقام جہنم ہے جو ان کی کمائی کے بدلے میں انہیں نصیب ہو گی۔یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ہرگز ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔

مسجد ضرار

اسلام کا اظہار کرنے والوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نرمی و چشم پوشی سے کام لیتے رہے، ان کے مختلف عذر قبول کرتے رہے اور اطاعت و فرمانبرداری سے ان کے احتراز کے باوجود ان کو رسوا کرنے سے از راہ کرم احتراز فرماتے رہے۔ان میں سے کوئی اتنی بڑی غداری کر بیٹھتا کہ اس کا خون مباح ہو جاتا تب بھی آپؐ درگذر ہی سے کام لیتے تا کہ یہ نہ کہا جانے لگے کہ آپؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں جبکہ ایسے لوگ کسی طرح ساتھی نہیں تھے۔

اگر ان منافقین میں ذرا بھی بھلائی ہوتی تو وہ اس درگذر سے متاثر ہو کر اپنی فریب کاریوں سے باز آجاتے اور مخلصانہ طور پر اسلام قبول کر لیتے۔لیکن ہوا یہ کہ اس اعلیٰ طرزِ عمل نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف ان کی جرأت اور شر انگیزی اور بڑھادی۔تب ان کی خباثت کو عریاں کرنے اور عام مسلمانوں کو ان کی نیتوں اور سرگرمیوں سے آگاہ کر دینے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہ گیا۔

Marfat.com

غزوۂ تبوک سے پہلے اور بعد میں بھی ان کا کھلواڑ اس دریادلی کے لئے فیصلہ کن انتہا تک پہنچ چکا تھا، جس سے وہ کافی دنوں سے فائدہ اٹھاتے رہے تھے، لیکن اس کی قدر نہیں کر سکے تھے۔ آخر قرآن کی آیات نے ان پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان کی صاف صاف مذمت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کو ان کے بارے میں صاف بتادیں اور ان کی نہ معذرت قبول کریں، نہ ان کی جنازہ کی نماز پڑھائیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف کرنے والا نہیں۔ پھر تمام مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ ان کا بائیکاٹ کریں۔

منافقین نے سب سے بڑی چال یہ چلی کہ ایک مسجد بنالی، جس میں صرف وہی جمع ہوتے اور عبادت کے لئے اکٹھا ہونے کے نام پر وہاں اسلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے۔

غزوۂ تبوک کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی سے پہلے وہ لوگ آپؐ کے پاس بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے بیماری، عذر اور بارش والی رات کے لئے ایک مسجد بنائی ہے اور چاہتے ہیں کہ آپؐ وہاں آکر ہمارے لئے نماز پڑھ دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابھی تو سفر پر روانہ ہی ہونے والے ہیں۔ اگر انشاء اللہ واپسی ہوئی تو تمہارے پاس آکر اس میں نماز پڑھ دیں گے۔

جب آپؐ لشکر کے ساتھ واپس تشریف لائے اور منافقین کی نیتیں بالکل واضح ہوچکیں تو آپؐ نے دو صحابیوں کو بھیجا کہ جاکر اس مسجد کو جلا اور ڈھا دیں۔ دونوں صحابی جلتی ہوئی آگ لے کر وہاں پہنچے تو شعلے دیکھ کر اس میں موجود منافقین بھاگ نکلے اور اس مسجد کو نیست و نابود کردیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المومنین وارصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ والله یشهد انهم لکاذبون لا تقم فیه ابدا لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق أن تقوم	جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لئے کہ (دعوت حق کو) نقصان پہنچائیں اور خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں، اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں۔ اور بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کے لئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسرپیکار ہوچکا ہے وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اول روز سے

Marfat.com

فيه (التوبة:۱۰۷۔۱۰۸) تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو۔

وفود کی آمد

تبوک تک جانے اور واپس آنے میں کافی دن لگے تھے۔ مسلمان رجب میں نکلے تھے اور رمضان میں لوٹے تاکہ روزہ کا فرض ادا کرسکیں۔ جلد ہی خوشخبری ملی کہ ثقیف کا وفد مدینہ پہنچ چکا ہے تاکہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل طائف کے لئے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی تھی کہ وہ حق کو قبول کر کے اطاعت گذارانہ آئیں۔ محاصرہ ختم ہونے کے بعد ہی سے اہل طائف صورتحال اور اپنے انجام پر غور وخوض کر رہے تھے، لیکن عام لوگ اب بھی اصنام پرستی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔

حضرت عروہؓ بن مسعود نے، جو ان کے محبوب اور قابل اطاعت سردار تھے انہیں اس جاہلیت سے نکالنے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں کی نخوت نے بات ماننے سے انکار کر دیا اور جب حضرت عروہؓ نے اسلام قبول کر لینے کا اظہار کیا اور انہیں اس کی دعوت دی تو انہیں تیر مار کر قتل کر ڈالا۔

اہل دانش اب بھی اہل ثقیف کی ہدایت سے بالکل مایوس نہیں ہوئے تھے۔ اہل ثقیف بھی اپنے اردگرد کے حالات کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ ہر طرف صنم پرستی کا اقتدار پسپا ہو رہا تھا اور اسلام کا معاملہ روز بروز بلند تر ہوتا جا رہا تھا۔

اسی دوران عمرو بن امیہ عبد یالیلی بن عمر سے ملے اور کہا: اب معاملہ یہانتک پہنچ چکا ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس شخص (حضرت محمدؐ) کا معاملہ تم دیکھ ہی رہے ہو، سارے عرب اسلام لا چکے ہیں اور تم میں ان سے لڑنے کی طاقت نہیں لہذا اپنے معاملے پر غور کرو۔

ثقیف کی رائے ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک وفد بھیجا جائے جس میں ثقیف کے تمام گھرانوں کے نمائندے شامل ہوں تاکہ بات چیت میں جو شرائط طے ہوں سب ان کی پابندی کریں۔

وفد نے رسول اللہ ﷺ سے طویل بحث مباحثہ کیا کہ جاہلیت کے کچھ آثار کو باقی رہنے دیا جائے۔ لیکن آپؐ نے سختی سے انکار کیا۔ پھر انہوں نے مطالبہ کیا (ان کے

Marfat.com

معبود) لات کو تین سال تک باقی رہنے دیا جائے پھر ڈھا دیا جائے۔ پھر دو سال کا مطالبہ کیا، پھر ایک سال کا، پھر ایک مہینے تک اتر آئے لیکن آپؐ نے کوئی مہلت دینے سے انکار کیا۔

جب وفد والے مایوس ہو گئے تو عرض کیا کہ وہ اپنے بت خود اپنے ہاتھوں نہیں توڑیں گے۔ آپؐ نے ان کی بات مان لی کہ اس کام کے لئے کچھ دوسرے آدمی بھیج دیں گے۔

انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ان پر نماز نہ فرض کی جائے۔ آپؐ نے فرمایا: بغیر نماز کے کسی دین میں کوئی بھلائی نہیں ہو سکتی (ابن ہشام)

وفد طائف لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ مغیرہؓ بن شعبہ اور ابو سفیانؓ بن حرب بھی تھے تا کہ لات کو منہدم کر دیں۔ وہ دن یادگار تھا۔ ثقیف کی عورتیں سر کھولے ہوئے روتی پیٹتی نکل آئی تھیں اور اپنے ان معبودوں کو منہدم کئے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، جن پر وہ نہ جانے کب سے نذریں چڑھاتی آئی تھیں۔

بلا شبہ بنو ثقیف کا اسلام قبول کرنا ایک بڑی کامیابی اور نئی فتح تھی۔ اب جزیرہ عرب میں کوئی طاقتور قبیلہ ایسا باقی نہیں رہ گیا جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قبول نہ کر لی ہو۔

جو قبائل ابھی تک اپنی جاہلیت پر برقرار تھے ان میں بھی حق شناسی کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ ان کی طویل رات بھی دم توڑنے لگی تھی۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا، غزوہ تبوک سے فارغ ہو گئے اور بنو ثقیف نے اسلام قبول کر لیا تب ہر طرف سے عربوں کے وفود مدینہ منورہ پہنچنے لگے۔

عرب تو اسلام کے سلسلے میں قریش کے معاملے کا انتظار کر رہے تھے۔ کیونکہ اہل قریش ہی عربوں کے رہنما، خانۂ خدا کے خدام اور حضرت اسماعیلؑ کے اصل وارث سمجھے جاتے تھے اور انہی نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور قریش نے اطاعت قبول کر لی، تب سارے عربوں نے جان لیا کہ اب ان میں آپؐ سے دشمنی و جنگ کی طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ہر طرف سے آ کر جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔:

Marfat.com

اذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخلون فی دين الله افواجا فسبح بحمدربك واستغفره انه كان توابا (النصر)

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبیؐ) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس مرحلہ تک پہنچنے میں رسول اللہ ﷺ کو کتنی مدت لگی تھی؟۔ بائیس برس تک اشاعت ودعوت کی پیہم کوششوں اور مسلسل اذیتیں برداشت کرنے اور جارحیت کی مزاحمت کے بعد آپؐ اس منزل تک پہنچے تھے۔

اب وقت آگیا تھا کہ بچے کھچے مشرکین پر واضح کر دیا جائے کہ خانۂ کعبہ کی اصلی پوزیشن بحال کی جا چکی ہے۔ وہاں سے اصنام ہٹائے جا چکے ہیں اور اب وہ پھر توحید پرستوں کا مرکز بن چکا ہے۔ اب وہاں ننگے طواف کرنے جیسی جاہلانہ رسومات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

حضرت ابوبکرؓ کی امارت حج

ہجرت کے نویں سال کا موسم حج آیا تو دنیا بدل چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ وہ قربانی کے جانور لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس کے بعد سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، جنہیں تمام حاجیوں کو سنانے کے لئے آپؐ نے حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا اور فرمایا: میری طرف سے پیغام میرے گھر ہی کے کسی شخص کو پہنچانا چاہئے۔ عربوں کی پہلے سے بھی یہی عادت تھی۔ اسی لئے آپؐ نے ہجرت کے وقت اہل مکہ کی امانتیں واپس کرنے کے لئے بھی حضرت علیؓ کو ہی ذمے داری سونپی تھی، گویا اس طرح آپؐ خود موسم حج میں لوگوں کے درمیان اعلان فرما رہے تھے۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا کہ سورۂ توبہ کی یہ شروع کی آیات لے کر جاؤ اور قربانی کے دن جب لوگ منیٰ میں اکٹھا ہوں تو لوگوں کو سنا دو کہ جنت میں کوئی منکر خدا نہیں داخل ہو سکتا، نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کر سکے گا، نہ خانۂ کعبہ کا طواف کوئی شخص ننگے ہو کر کر سکے گا اور جس کا رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو تو وہ اپنی مدت تک برقرار رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کو مناسک حج کی ادائ

Marfat.com

میں لوگوں کی رہنمائی کرنی تھی اور حضرت علیؓ کو یہ اہم اعلان کرنا تھا۔ بڑے مجمعوں میں اعلان کرتے وقت حضرت علیؓ کی آواز دوسرے لوگ بھی باآواز بلند دہرا رہے تھے۔

حضرت زیدؓ بن یفیع کی روایت میں حضرت علیؓ کے اعلان میں یہ جملہ بھی شامل تھا کہ جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے اسے چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے (احمد)

☆☆☆

حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسماعیلؑ کے مرکز میں صنم پرستی کو مٹانے کے قانون کی حیثیت ویسی ہی ہے جیسے جہالت وناخواندگی مٹانے کے قانون کی۔ یہ ایک شریفانہ انسانی عمل تھا جس کا مقصد قوموں کو سربلندی وعزت عطا کرنا تھا۔

اسلام بائیس برس تک تعلیم وتربیت کے ذریعہ خرافات کی مخالفت کرتا رہا اور گمراہوں اور جاہلوں کی طرف سے ہونے والے حملوں کا مقابلہ بھی کرتا رہا۔

اسلام نے صنم پرستی کو زندگی کا حق دیا تھا اور یہ آزادی دی تھی کہ جو چاہے اسلام سے پھر کر جاہلیت کی طرف لوٹ جائے۔ اسے انسان کی عقل وضمیر سے خوش گمانی تھی کہ بالآخر خدائے عظیم کو چھوڑ کر پتھروں وغیرہ کو پوجنے والے صحیح راستے پر آجائیں گے۔ لیکن دیکھا کہ صنم پرست ہر چیز کا مذاق اڑا رہے ہیں اور جو آزادی انہیں دی گئی ہے، اسے فتنہ پردازی اور جارحیت وقتل کے لئے استعمال کر رہے ہیں، تب اسلام نے یہ قدم اٹھایا۔ اور وہ بھی بائیس برس تک انتہائی مظالم کا سامنا کرنے کے بعد، چنانچہ مشرکین عرب کے لئے یہ آزادی ختم کردی گئی۔

براءة من الله ورسوله الى الذين غهدتم من المشركين فسيحوا في الارض اربعة أشهر واعلموا انكم غير معجزى الله وان الله مخزى الكافرين واذان من الله ورسوله الى الناس يوم الحج الاكبر ان الله برئى من المشركين ورسوله فان تبتم فهو خير لكم وان توليتم فاعلموا انكم غير معجزى الله وبشر الذين كفروا بعذاب أليم (التوبة ۱۔۳)

اعلان براءت ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کئے تھے بس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور یہ کہ اللہ منکرین حق کو رسوا کرنے والا ہے اطلاع عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لئے کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔ اب اگر تم لوگ توبہ کر لو تو تمہارے ہی لئے بہتر ہے اور جو منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور اے نبیؐ انکار کرنے والوں کو سخت عذاب کی خوشخبری سنادو۔

اس آگاہی سے پہلے ہی سے ۔۔۔ اور بعد میں بھی ۔۔۔ عربوں کے وفود بکثرت مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر کے جاہلیت کی چادر اتار

Marfat.com

پھینک رہے تھے اور دین حق میں داخل ہو رہے تھے۔

جزیرۃ العرب کے گوشے گوشے میں نئی رسالت کا پیغام پہنچ چکا تھا اور اس کی تعلیمات وعقائد عام ہو رہے تھے۔

دنیا کا دستور ہے کہ کوئی جماعت تھوڑے سے مددگاروں کے ساتھ اپنی سرگرمیاں شروع کرتی ہے اور جیسے ہی اس کی کامیابی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں لوگوں کی توجہ تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگتی ہے۔

اور اب تو اسلام کا ستارہ بلندی پر تھا اور اس کے دشمن منہ چھپائے پھر رہے تھے تب اگر مدینہ منورہ میں اسلام قبول کرنے والوں یا اس کے ساتھ صلح کرنے والوں کا سیلاب امڈا چلا آرہا تھا تو حیرت کی کیا بات تھی۔؟

یہاں تمام وفود کا ذکر مقصود نہیں، نمونہ کے لئے صرف دو وفدوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ایک وفد صنم پرستوں کا تھا جو اسلام قبول کرنے آیا تھا دوسرا عیسائیوں کا جو صلح کا معاہدہ کرنے آیا تھا۔

قبیلہ سعد کا وفد

قبیلہ سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔مسجد نبوی کے دروازے پر اتر کر اونٹ کو باندھ دیا اور مسجد میں داخل ہو گئے۔رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ضمام طاقتور اور زیادہ بالوں والے شخص تھے۔انہوں نے دو چوٹیاں باندھ رکھی تھیں وہ آکر آپؐ کے پاس رکے اور پوچھا آپ لوگوں میں ابن عبدالمطلب کون ہے"؟

رسول اللہ نے فرمایا: میں ابن عبدالمطلب ہوں۔

انہوں نے کہا: محمدؐ؟۔

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

انہوں نے کہا: ابن عبدالمطلب! میں آپ سے کچھ پوچھوں گا اور سخت الفاظ استعمال کروں گا، آپ اپنے دل میں کچھ خیال نہ کیجئے گا۔

آپؐ نے فرمایا: میں اپنے دل میں کچھ محسوس نہیں کروں گا۔جو چاہو پوچھو۔

انہوں نے کہا: میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ کا بھی معبود ہے، آپ سے پہلے کے لوگوں کا بھی اور آپ کے بعد آنے والوں کا بھی۔کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو

Marfat.com

ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

انہوں نے کہا: میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے، آپ سے پہلے کے لوگوں کا بھی اور آپ کے بعد آنے والوں کا بھی۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم صرف اسی کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان ساجھے داروں کو چھوڑ دیں، جنہیں ہمارے باپ دادا اللہ تعالیٰ کے ساتھ پوجتے تھے۔؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: محمد! ہمارے پاس آپ کا پیغام رساں آیا اور اس نے خیال ظاہر کیا کہ آپ کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔

انہوں نے کہا: آسمان کس نے پیدا کیا،؟

آپؐ نے فرمایا: اللہ نے۔

انہوں نے کہا: اور زمین کس نے پیدا کی؟

آپؐ نے فرمایا: اللہ نے۔

انہوں نے کہا: کس نے ان پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں جو چاہا رکھا؟

آپؐ نے فرمایا: اللہ نے۔

انہوں نے کہا: تو اس ذات کی قسم جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان پہاڑوں کو نصب کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

انہوں نے کہا: آپ کے پیغام رساں کا خیال تھا کہ ہمارے اوپر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔

انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

پھر وہ اسی طرح اسلام کے دیگر فرائض و ہدایات کا ذکر کرتے رہے یہانتک کہ

Marfat.com

جب ان کی بات ختم ہوگئی تو کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں ان فرائض کو ادا کروں گا اور جن چیزوں سے آپ نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہوں گا، بس اس میں کچھ کمی زیادتی نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر واپس اپنے اونٹ کی طرف چل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دو چوٹیوں والے نے سچ بولا ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔

ضمام نے اپنے اونٹ کی رسی کھولی اور چل پڑے یہانتک کہ اپنی قوم کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں لوگ ان کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے پہلی بات یہ کہی کہ لات وعزیٰ (دو بتوں کے نام) کتنے برے ہیں۔ لوگوں نے کہا: ضمام چپ رہو، کہیں تمہیں برص جذام یا جنون نہ ہو جائے۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم وہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان۔ اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل کی ہے جس کے ذریعہ اس نے تم کو موجودہ حالت سے نجات دے دی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں آپؐ کے پاس سے آپؐ کے احکام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس قبیلہ کا ہر مرد عورت اسی دن مسلمان ہوگیا (ابوداؤد)

☆☆☆

ضمام کی گفتگو ان پڑھ لوگوں کے سادہ طرز گفتگو اور غیر پیچیدہ ذہن کی نمائندگی کرتی ہے۔ بلاشبہ دعوت کی پرانی کوششوں کا بھی ان نتائج تک جلد پہنچنے میں کافی اثر تھا اور یہ فطری بات تھی۔ دین بدلنا فیشن بدل لینے جیسی چیز نہیں ہے۔ ضمام کے ذہن میں آزمائشوں کے وہ سارے مرحلے تھے جن سے نئی رسالت گذر چکی تھی اور اپنی سچائی ثابت کر چکی تھی۔ ان کا یا ان کی قوم کا ایمان لانا محض چند منٹ کی گفتگو ہی کی کا نتیجہ نہیں تھا
کم وبیش یہی صورت دیگر چھوٹے بڑے وفود کی تھی جو مدینہ چلے آرہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھیں اور آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ہدایت لے کر اپنی قوم کے پاس واپس جائیں۔

☆☆☆

رہے اہل کتاب تو ان میں سے بہت کم لوگوں کے دل حق کے لئے کھلے اور انہوں نے اسے قبول کرنے میں جلدی کی۔ باقی اکثریت مختلف درجے کی عداوتوں

Marfat.com

میں لگی رہی۔

یہودی تو اس سے کم پر راضی ہی نہیں تھے کہ اسلام کو بالکل مٹا ہی ڈالیں۔ وہ خود اپنی بدنیتی کے جال میں پھنس گئے اور یہ مقصد حاصل کرنے سے پہلے ہی ان کا فوجی وسیاسی اقتدار ختم ہو گیا۔

تب بھی اسلام نے انہیں یہ چھوٹ دی کہ افراد کی حیثیت سے وہ اس کی مملکت میں رہیں اور جب تک چاہیں اپنے دین پر قائم رہیں، البتہ انہیں جارحیت اور سازشوں کے لئے اکٹھا ہونے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

اور بلاشبہ یہی مناسب بھی تھا۔

اسلام کے زیر اقتدار کسی یہودی کے انفرادی حقوق نہیں چھینے گئے۔ اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی زرہ رہن رکھ کر ایک یہودی سے قرض لیا تھا اور کبھی اسے دبانے کے بارے میں بھی نہیں سوچا۔

عیسائیوں کی دشمنی نسبتاً ہلکی تھی کیونکہ وہ کلیسا کے اقتدار سے دور تھے۔ اسلام کی آسانی واستقامت کو پسند کر کے ان میں سے کچھ لوگ اسلام بھی لے آئے۔ باقی لوگ اپنے موروثی دین پر قائم رہے۔

دونوں مذہبوں کے درمیان تعلق اسی خالت پر رہا یہانتک کہ رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگ چھڑ گئی۔

رومیوں کی سیاسی وفوجی بالادستی کے ساتھ عیسائیت جزیرہ عرب کے شمالی وجنوبی علاقوں پر غالب تھی۔ رومی سلطنت کے ساتھ جنگ کی صورت پیدا ہونے کے بعد مسلمانوں نے چاہا کہ جنوب کے عیسائیوں کے تعلق سے موقف واضح ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ نے اہل نجران کے نام ایک خط بھیجا۔

''ابراہیمؑ واسحاقؑ ویعقوبؑ کے معبود کے نام سے۔ امابعد: میں آپ لوگوں کو بندوں کی پرستش وولایت سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت وولایت کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ لوگوں کو یہ منظور نہیں تو جزیہ دینا ہوگا اور یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر اعلان جنگ ہے والسلام۔''

نجران جنوب کے عیسائیوں کا مرکز تھا جہاں رومی بڑے پیمانے پر مالی امداد بھیج کر کلیساؤں کی تعمیر اور وہاں کے باشندوں کو عیسائی بنانے کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی

Marfat.com

کرتے تھے۔اہل نجران نے آپ سے مفاہمت کرنے کے لئے اپنا ایک وفد مدینہ بھیجا جو عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوا۔سب سے پہلے وفد والوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے اپنے طریقہ کے مطابق عبادت کی۔لوگوں نے روکنا چاہا تو آپؑ نے فرمایا: چھوڑ دو۔

آپؑ نے دیکھا کہ وہ ملاقات کے لئے فاخرانہ مذہبی لباس پہن کر آئے ہیں لباس ریشم کے ہیں اور سونے کی انگوٹھیاں بھی پہنے ہوئے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے کافی تکلف کر رکھا ہے۔چنانچہ آپؑ نے ان سے اس وقت تک بات چیت کرنے سے انکار کر دیا جب تک وہ اپنے سفر والے لباس میں نہیں آجاتے اور اس زیب و زینت سے کنارہ کشی نہیں کر لیتے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے پوچھا: محمد کیا آپ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اسی طرح پرستش کریں جیسے حضرت عیسیٰؑ کی پرستش کی جاتی ہے؟ آپؑ ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں؟

اس سلسلے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

ماکان لبشر ان یوتیه الله الکتب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عبادالی من دون الله ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتب وبما کنتم تدرسون ولا یامرکم ان تتخذوا الملئکة والنبیین اربابا أیامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون (آل عمران:۷۹۔۸۰)

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی ہو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔وہ تم سے ہرگز یہ نہیں کہے گا کہ فرشتوں یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو۔کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جبکہ تم مسلم ہو!

رسول اللہ ﷺ نے نجران کے دینی رہنماؤں اور وفد کے سارے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔انہوں نے کہا: ہم آپ سے پہلے ہی سے اسلام لاچکے ہیں۔آپ نے فرمایا: تم نے غلط کہا۔تمہیں اسلام سے یہ بات روک رہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے ایک بیٹے کے دعویدار ہو، صلیب کو پوجتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو۔

پھر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بحث کی اور کہا: ان کے باپ کون ہیں

Marfat.com

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپؐ نے جواب دیا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسے موت نہیں آسکتی جبکہ عیسیٰؑ فنا سے دو چار ہونے والے ہیں؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا پروردگار ہر چیز کو قائم کرنے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا اور اسے رزق دینے والا ہے؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: تب کیا عیسیٰؑ اس میں سے کوئی ایسی چیز جانتے تھے جو انہیں بتائی نہ گئی ہو؟

انہوں نے کہا: نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے رب نے عیسیٰؑ کی (ماں کے رحم میں) جس طرح چاہا صورت گری فرمادی اور ہمارا رب نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے اور نہ اس کو حدث لاحق ہوتا ہے؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔

آپؐ نے فرمایا: تب تمہارے گمان کے مطابق ایسا کیسے ہوگا؟

انہوں نے کہا: کیا آپؐ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں نہیں کہتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور روح ہیں جس سے اس نے مریمؑ کو نوازا۔

آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں

آخر جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ بحث ہی کرتے جائیں گے اور وہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا اس کا شریک ماننے پر بضد ہیں تو آپؐ نے ان سے فرمایا: اچھا یہیں قیام کرو۔ میں تمہیں کل بتاؤں گا۔

تب یہ آیتیں نازل ہوئیں:

ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون الحق من ربك — اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدم جیسی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔ یہ اصل

Marfat.com

فلا تكن من الممترين فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله على الكاذبين (آل عمران:۵۹۔۶۱)

حقیقت ہے جو تمہارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جو اس میں شک کرتے ہیں یہ علم آ جانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کرے تو اے نبیؐ اس سے کہو کہ ”آؤ ہم اور تم خود بھی آ جائیں اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

اگلے دن صبح کو آپؐ اپنے نواسوں حضرات حسنؓ و حسینؓ اور بیٹی فاطمہؓ کو لے کر آئے اور تیار ہوئے کہ نجران کے وفد کے ساتھ مشترکہ طور پر دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

نجران کے وفد نے یہ تجویز سنی تو اسے ماننے سے ڈر گئے۔ انہوں نے سوچا: کون جانے محمدؐ کی یہ بات سچ ہو کہ حضرت عیسیٰؑ انہی کی طرح انسان تھے اور وہ لوگ ان سے خدائی منسوب کرنے میں غلطی کا شکار ہوں۔ تب وہ کیسے مباہلہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے خود اپنے آپ کو مٹا دینے کی دعا کریں۔؟

انہوں نے حضرت محمدؐ اور آپؐ کے اہل خاندان کی طرف دیکھا تو انہیں احساس ہو گیا کہ جھوٹا تنہا ہلاک نہیں ہو گا بلکہ اس کے ساتھ اس کا خاندان بھی نیست و نابود ہو جائے گا، لہٰذا انہیں اپنے اہل و عیال کی تباہی کا ڈر رہا۔

ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: اگر یہ شخص (حضرت محمدؐ) بادشاہ ہی ہوا تب بھی اس سے دشمنی ہمارے لئے سلامتی کی چیز نہیں ہو گی۔ اس کی مملکت کے اقبال کا وقت ہے اور اس کی قوم سے ہمیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔

تب ان کے ترجمان شرحبیل بن وداعہ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا: مجھے آپؐ کے ساتھ باہمی لعنت سے بہتر ایک چیز نظر آتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: وہ کیا؟

انہوں نے کہا: میں اپنی قوم کے بارے میں فیصلہ آپ پر چھوڑ دوں۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں وہ جائز ہو گا۔

آپؐ نے فرمایا: شاید کوئی تمہارے پیچھے اس سے مکر جائے۔

شرحبیل نے کہا: میرے بارے میں دریافت فرما لیجئے۔

Marfat.com

جب آپؐ نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ وادی نجران کے لوگ ان کی رائے سے باہر نہیں جاتے۔

تب آپؐ نے فرمایا: یہ توفیق یافتہ منکر ہیں۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے باہمی لعنت نہیں فرمائی اور واپس ہو گئے۔ پھر آپؐ نے ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ فرمایا، جس کی رو سے وہ اسلامی مملکت کی رعایا ہو گئے۔

اس معاہدہ کی شرائط میں تھا ''نجران کے عیسائیوں کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمدؐ کا ذمہ ہوگا ان کی جانوں کے بارے میں، ان کے مذہب، زمین اور مال و دولت کے بارے میں' ان کے موجود و غائب اور اہل خاندان اور ان کے ماتحتوں کے بارے میں، ان کی پوزیشن تبدیل نہیں کی جائے گی، ان کا کوئی حق اور مذہب نہیں تبدیل کیا جائے گا، ان کے کسی مذہبی قائد اور راہب کو نہیں بدلا جائے گا اور ان کے قبضہ میں جو کچھ، کم یا زیادہ ہے، اسے نہیں لیا جائے گا۔ ان پر جاہلیت کا کوئی خون بہا نہیں ہوگا، نہ انہیں جہاد کا مکلف بنایا جائے گا، نہ ان سے زکوٰۃ لی جائے گی، نہ ان کے علاقہ میں فوج جائے گی۔ ان سے جو کوئی حق طلب کرے گا تو انصاف سے کام لیا جائے گا، نہ وہ ظلم کریں گے، نہ ان پر ظلم کیا جائے گا۔ البتہ جس نے سود کھایا اس سے میں بری الذمہ ہو جاؤں گا۔ ہاں کسی شخص کے ظلم کا مواخذہ دوسرے شخص سے نہیں کیا جائے گا۔''

اس معاہدہ پر بحیثیت گواہ، سفیان بن حرب، غیلان بن عمرو، مالک بن عوف، اقرع بن حابس اور مغیرہ بن شعبہ نے دستخط کیے۔

ان حقوق کے بدلے نجران کے عیسائیوں کو کیا دینا پڑا۔ سالانہ دو ہزار لباس۔ جو مسلمانوں کی طرف سے دی جانے والی زکوٰۃ اور جہاد کے مصارف کے مقابلے میں نہایت معمولی رقم تھی۔

یہی ان کا جزیہ طے ہوا تھا۔

اس طرح اسلام نے عیسائی ہو جانے والے عربوں اور رومی سلطنت کے درمیان تعلقات کا سلسلہ منقطع کر دیا، جس کے ساتھ معرکہ آرائی شروع ہو چکی تھی۔ اور ان لوگوں کو پوری مذہبی آزادی کی ضمانت دے دی گئی۔

ہم چیلنج کر کے پوچھتے ہیں کہ کیا خود عیسائی فرقوں نے باہم ایک دوسرے کے ساتھ اس رواداری سے کام لیا تھا؟ یا تاریک صدیوں میں یہ راستہ اسلام ہی نے روشن کیا تھا!

پھر ہم دوسرا سوال کرتے ہیں: کیا اہل کتاب نے ذمہ داری کا احترام کیا اور

Marfat.com

اس دین کے ساتھ انصاف برتا جس نے ان کا اس درجہ لحاظ کیا تھا؟

ہجرت کا دسواں سال شروع ہوا تو اسلامی تعلیمات تیزی سے پھیل رہی تھیں اچانک جنوب کے بعض قبائل نے بغاوت شروع کر دی۔ان کے خیال میں قریش کا ایک شخص نبوت کا دعویٰ کر کے عرب کا بادشاہ بن گیا تھا۔تب کوئی اور اسی طرح نبوت کا دعوی کر کے حضرت محمدؐ کی طرح بادشاہ کیوں نہیں بن سکتا؟

افسوسناک بات یہ ہے کہ جنوب کے عیسائیوں نے یہ بغاوت بھڑکانے میں مدد دی۔نجران کے عیسائیوں نے ایک مدعی نبوت اسود عنسی سے خط وکتابت کی اور وہ وہاں گیا پھر وہاں سے یمن گیا اور وہاں بادشاہ بن بیٹھا یہاںتک کہ وہاں اس کی عورت نے اسے قتل کر کے دنیا کو اس سے نجات دی۔

کیا یہ فتنہ پردازیاں اسلام کے خلاف جنگ میں شمال کے عیسائیوں کی مدد کے لئے تھیں؟ یا محض نفرت کی آگ ان کے پیچھے تھی؟

نجران کے عیسائیوں نے اسود عنسی کی حمایت کے لئے جو کچھ کیا، قبیلہ تغلب کے عیسائیوں نے دوسرے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی حمایت کے لئے وہی کیا۔

ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ نجران اور بنو تغلب کے عیسائی اسلام قبول کرنے کو مسترد کر دیں اور اپنے موروثی دین پر برقرار رہنے کو ترجیح دیں۔لیکن یہ بات ہرگز سمجھ میں نہیں آتی کہ آسمانی صحیفے پیش کرنے والے شخص کو تو جھٹلایا جائے اور مسخرہ پن پر ایمان لایا جائے۔

اور یہ بھی اس صورت میں جب وہ واقعی اسود اور مسیلمہ پر ایمان لائے ہوں۔

اور اگر معاملہ کی نوعیت یہ ہو کہ ہر ہتھیار اور ہر ساتھی کے ساتھ اسلام کے خلاف جنگ میں مدد پہنچائی جائے تو یہ ایسا مسئلہ ہوگا جس کا علاج دلوں کے معالجین کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا۔

☆☆☆

Marfat.com

باب:۹

امہات المومنین

مغربی تہذیب کی یلغار کے زیر اثر بعض اہل قلم تعدد ازواج کی اباحت کے سلسلے میں کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ یہ مسئلہ زندگی کے عمرانی واقتصادی قوانین سے تعلق رکھتا ہے۔ سماج میں مردوں اور عورتوں کا تناسب اگر برابر ہے، یا مردوں کی تعداد زیادہ ہے تب تو یہ مسئلہ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، اور اگر عورتوں کا تناسب کسی وجہ سے (مثلاً جنگ کی ہلاکتوں کے بعد) زیادہ ہوجاتا ہے، تب تین ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ بعض کو محرومی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے، یہاںتک کہ انہیں موت آلے۔
۲۔ گرل فرینڈ کے نام پر زنا کی اجازت دی جائے۔
۳۔ تعدد ازواج کی اجازت دی جائے۔

ہمارے خیال میں پہلی دونوں صورتوں کو خود عورتیں ہی مسترد کردیں گی۔ تب ایک ہی صورت رہ جائے گی کہ اپنی مرضی واختیار سے کسی مرد کی دوسری بیوی بننا منظور کریں اور اسی کی طرف اولاد منسوب ہو اور وہی ان کے حقوق کا ذمہ دار بنے۔

کبھی عورت کے بانجھ پن، بڑھاپے یا کسی مرض کی وجہ سے بھی اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ تب مناسب یہی ہوتا ہے کہ مرد پرانی رفاقت کا لحاظ رکھتے ہوئے پہلی بیوی کو نہ چھوڑے اور دوسری شادی کرلے، جو بیوی کی ذمے داری سنبھال سکے۔

اسلام نے متعدد اسباب کی بنا پر جہاں تعدد ازواج کی اجازت دی ہے، وہیں محض شہوت پرستی کے لئے ایسا کرنے کو مسترد کرتا ہے۔ اگر مرد انصاف نہ کرسکے اور پہلی بیوی اور بچوں پر ظلم کرے، یا اخراجات نہ پورے کرسکے، تو اسے دوسری شادی کی اجازت نہیں۔ شریعت تو اخراجات پورے نہ کرسکنے کی صورت میں ایک شادی نہ کرنے کو ہی قابل قبول عذر تسلیم کرتی ہے اور ایسے نوجوان کو روزے رکھنے کی ہدایت کرتی ہے۔

یہ بات افسوسناک ہوگی کہ کچھ لوگ ان حدود کو پامال کریں اور محض شہوت پرستی

Marfat.com

کے لئے انصاف وعدل وغیرہ کا لحاظ کئے بغیر کئی شادیاں کرلیں۔

شریعت نے جو چیز مباح کی ہے اس پر پابندی لگانا حل نہیں ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ اس کی شرطوں اور تقاضوں کو پورا کرایا جائے۔

تمام ہی مذاہب تعداد ازواج کی اجازت دیتے آئے ہیں۔ آج عیسائیت نے اگر اس پر پابندی عائد کی ہے تو یہ مذہبی نہیں اس کا اپنا انتظامی حکم ہے، جس کے نتیجے میں اسے زنا کے رواج کو گوارا کرنا پڑ رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے سیدہ خدیجہؓ سے اس وقت شادی فرمائی جب خود آپؐ کی عمر پچیس برس اور سیدہ خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کے قریب تھی۔ سیدہ خدیجہؓ پینسٹھ برس کی عمر تک زندہ رہیں تب تک وہی آپؐ کی تنہا رفیقہ حیات رہیں۔ ان کے انتقال کے وقت آپؐ کی عمر پچاس برس ہو چکی تھی۔

اگر آپ اس دوران کوئی اور شادی کرتے تو یہ عربوں کی عادت کے مطابق ہوتا کوئی شرعی یا عقلی رکاوٹ نہیں تھی۔ لیکن آپؐ اسی شادی پر قانع رہے، سیدہ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے شادی کا ارادہ کیا تو جسمانی ضرورت حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھی جبکہ اگر ایسا ہوتا بھی تو کوئی قابل ملامت بات نہ ہوتی۔ سب سے پہلے آپؐ نے بچیوں کی دیکھ بھال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک بوڑھی خاتون حضرت سودہؓ سے شادی فرمائی۔

پھر اپنے دونوں عزیز ترین ساتھیوں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ تعلقات مزید مستحکم کرنے کے لئے ان کی بیٹیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے شادی کی۔ پھر راہ خدا میں شہید ہونے والے اپنے ایک کمانڈر کی بیوہ حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا، جنہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کے سلسلے میں کافی مشقتیں اٹھائی تھیں۔

پھر ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عدل وانصاف کون کرسکتا تھا۔ ان کے علاوہ پانچ دیگر خواتین سے بھی آپؐ نے مختلف سیاسی وسماجی تقاضوں کے تحت شادیاں فرمائیں۔

جو لوگ آپ کی پر مشقت اور مسلسل جدوجہد والی زندگی سے واقف ہیں، وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی میں آرام وراحت کا کوئی خانہ نہیں تھا۔ اور راحت کا لطف تو آپؐ نے جوانی میں بھی نہیں اٹھایا تھا، پھر بڑھاپے میں اس کا کیا سوال پیدا ہوسکتا تھا؟

Marfat.com

حضرت زینب بن جحشؓ سے شادی آپؐ کے لئے شدید امتحان تھا۔ یہ آپ کی قریبی رشتہ دار تھیں، آپ بچپن سے انہیں جانتے تھے اور آپؐ ہی نے زور دے کر ان کی شادی اپنے منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ سے کرائی تھی (جو پہلے آپؐ کے غلام تھے) جس کا مقصد نسب کے فخر وغرور کو توڑنا تھا۔ حضرت زینبؓ نے دلی ناپسندیدگی کے باوجود آپؐ کی بات مان لی تھی۔ لیکن ان کا دل خوش نہیں ہو سکا۔ چنانچہ آپؐ کی متعدد بار کی صلح صفائی کی کوششوں کے باوجود دونوں میں نبھ نہیں سکی اور حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں میں رائج متبنیٰ کو حقیقی بیٹا سمجھنے کے رواج کو توڑنے کے لئے آپؐ کو حکم دیا کہ آپؐ ان سے شادی کر لیں۔ آپؐ نے اس سخت تردد کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے گردن جھکا دی کہ لوگ متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی کرنے پر آپؐ کے خلاف پروپیگنڈہ کریں گے۔

اس طرح کی ساری باتیں کہ آپؐ حضرت زینب کی طرف مائل تھے، احمقانہ ہیں کیونکہ آپؐ تو انہیں بچپن ہی سے دیکھ رہے تھے اور اگر خود شادی کرنا چاہتے تو کوئی رکاوٹ ہی نہیں تھی، پھر آپؐ خود ہی ان کی شادی حضرت زیدؓ سے کیوں کراتے۔؟

حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں جو قریش کے سردار اور اسلام کے خلاف بیس سالہ جنگ کے کمانڈر تھے۔ انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا اور حبشہ ہجرت کر گئیں۔ جب ان کے شوہر کا وہیں انتقال ہو گیا تو آپؐ نے ان کی دلجوئی و اعزاز کے لئے ان سے شادی کر لی۔

حضرت صفیہ یہودیوں کے بادشاہ حی کی بیٹی تھیں۔ اسلام اور یہودیوں کی معرکہ آرائی میں ان کے باپ، بھائی اور شوہر تینوں ہلاک ہو گئے اور وہ جنگی قیدی بن کر ایک فوجی کے حصہ میں آئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حال پر رحم آیا اور انہیں آزاد کرا کے دلجوئی کے لئے شادی کر لی۔

حضرت جویریہؓ بنی مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ جب اس قبیلہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تب آپؐ نے اس قبیلہ پر احسان کے سلسلے میں ان سے شادی کر لی، جس کے احترام میں مسلمانوں نے ان کی قوم کے سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

☆☆☆

جو لوگ سیرت نبویہ سے پوری طرح واقف نہیں، ان کے ذہنوں میں یہ بات آ سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نجی زندگی کھانے پینے اور دیگر ساز و سامان کے لحاظ سے

Marfat.com

کشادگی کی زندگی تھی۔ کسی شخص کے پاس اگر کئی بیگمات ہوں تو اس کے بارے میں بظاہر یہی سمجھا جائے گا کہ مادی اعتبار سے وہ خوش بخت ہے اور اس کے گھر میں کھانے پینے کی چیزیں بھری رہتی ہوں گی۔ جیسا کہ بادشاہوں کے محلوں کے بارے میں سنا جاتا ہے

لیکن رسول اللہ ﷺ کے گھر کے بارے میں اس طرح کی بات حاشیۂ خیال میں بھی لانا حماقت ہوگی۔ وہاں تو نہایت کھردری اور پر مشقت زندگی تھی۔ اور ساری توجہ عبادت پر تھی۔ دنیا کی خواہشات تو وہاں پیروں تلے روندی پڑی تھیں۔

توپوں کے گولے تو دور دراز کے ستاروں تک پہنچ سکتے ہیں لیکن دنیاوی خواہشات کا گذر حضرت محمدؐ کے دل کے پاس بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ:

''مجھے دنیا سے کیا مطلب، میں تو گویا اس شخص کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سایے تلے دم لینے ٹھہر جائے پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے'' (ترمذی)

اور یہ کہ ''جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ بھی دنیا اور اس کے سارے سازوسامان سے بہتر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں نکلنا اور واپسی دنیا اور اس کے سارے سازوسامان سے بہتر ہے'' (بخاری)

بیگمات کے ساتھ آپ کی زندگی ایسی سادہ تھی جو اور کسی کے بس میں نہیں ہوسکتی۔ بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ ''میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی باریک آٹے کی چپاتی دیکھی ہو''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں دو دو مہینے تک آگ نہیں جل پاتی تھی۔ حضرت عروہؓ بن زبیر نے عرض کیا: تب آپ لوگوں کی زندگی کا دارومدار کس پر ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا: کھجور اور پانی پر۔

آپؐ جس بستر پر آرام فرماتے تھے، وہ پتوں سے بھری ہوئی کھال تھی، جس پر ذرا سی دیر کے لئے لیٹتے تھے پھر مرغ کی آواز سن کر فجر کی نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام اچھی چیزوں سے پرہیز کرنا سکھاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اسلام کی ہدایات واضح ہیں۔ یہاں تو حقیقت واضح کرنی ہے کہ جن چیزوں کے لئے لوگ جان دئے پڑتے ہیں ان کی آپؐ کی زندگی میں کیا حیثیت تھی۔ جیسے کوئی شخص اپنے چھوٹے بچوں کو کسی کھلونے سے کھیلنے کے لئے آزاد چھوڑ دے، یا جیسے بعض

Marfat.com

موجودہ مفکر کھانے سے غافل رہ جاتے ہیں کہ ان کے دماغ کسی اور ہی چیز میں منہمک ہوتے ہیں۔

دنیاوی مال ومتاع کے لئے کشمکش میں مبتلا لوگوں کے لئے تو آپؐ یہ فرماتے ہیں "جو کچھ میرے علم میں ہے اگر تم جان لیتے تو ہنستے کم، روتے زیادہ (بخاری)

پھر آپؐ دعا فرماتے ہیں "اے اللہ! آل محمد کا رزق بس کفاف بنانا" (بخاری)

اب کوئی سڑک چھاپ آدمی آکر یہ کہنے لگے کہ آپؐ کے پاس کئی بیگمات تھیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیا سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے تو یہ تاریخ کے ساتھ انتہائی ظلم اور عقل کے ساتھ انتہائی زیادتی ہوگی۔

☆☆☆

کوئی یہ نہ سمجھے کہ زندگی کا یہ کھرا پن افلاس وفقر کی وجہ سے تھا۔

رسول اللہ ﷺ اگر چاہتے تو آپؐ کے پاس اتنی دولت اکٹھی رہتی کہ آپؐ جیسے چاہتے لطف اندوز ہوتے۔ لیکن آپ کو دنیاوی لذتوں کی پرواہ ہی کب تھی۔ آپؐ کے سامنے تو بلند تر مقصد رہتا تھا کہ لوگوں کی ضروریات پوری کی جائیں۔

حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ میں ایک بار مدینہ میں، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا کہ احد پہاڑ کے سامنے پہنچ گئے۔ آپؐ نے فرمایا: ابو ذر! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس اس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور تین دن گذرنے کے بعد اس میں سے ایک دینار بھی بچ جائے (سوائے اس کے کہ کسی قرض کی ادائیگی کے لئے روک رکھوں) سوائے اس کے کہ اللہ کے بندوں کے لئے دائیں بائیں اور پیچھے اتنا اور اتنا (اس میں سے دینے کے لئے) حکم دوں۔ پھر آپؐ آگے بڑھے اور فرمایا جو لوگ زیادہ (دولت) والے ہوں گے وہ قیامت کے دن کم والے ہوں گے سوائے ان کے جنہوں نے ایسے اور ایسے اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے دینے کے لئے (اشارہ) کیا ہوگا۔ اور ایسے کم ہی ہوتے ہیں (بخاری)

کسی شخص کا پیٹ بالکل بھرا ہوا ہو تو بہترین لذیذ کھانا بھی اس کے لئے بے مزہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ دل سے سیر تھے، دنیاوی زینت آپؐ میں ذرا بھی دلچسپی پیدا نہیں کرتی تھی۔ اس لئے جو بھی آپ تک پہنچتا اسے محتاجوں اور ضرورتمندوں میں بانٹ دیتے تھے۔ خود آپؐ کی تونگری تو آپ کے دل میں تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہی سکھایا بھی تھا:

Marfat.com

ولا تمدن عينيك الى ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحيٰوة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقى وامر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها لا نسئلك رزقا نحن نرزقك والعقبة للتقوىٰ (طه: ۱۳۱۔۱۳۲)

اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان وشوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کے دے رکھی ہے وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لئے دی ہے، اور تمہارے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے اور اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم ہی تمہیں دے رہے ہیں اور انجام کی بھلائی تقویٰ ہی کے لئے ہے۔

زیادہ سے زیادہ آپؐ اتنا ہی چاہتے تھے کہ لوگوں کے مظالم اور آلام سے بچے رہیں کہ آپ کی زندگی کی بنیاد اس اصول پر تھی ''جو کم اور کافی ہو وہ زیادہ اور غافل اور مشغول کر دینے والے سے بہتر ہے'' اور اسی کم اور کافی کی حدود میں رہتے ہوئے آپؐ دعا فرماتے تھے:

اللھم انی أسئلك الهدىٰ والتقىٰ والعفاف والغنى

اے میرے معبود! میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، عافیت اور بے نیازی مانگتا ہوں۔

اللھم انی اعوذبك من الفقر والفاقة والذلة وان اظلم واظلم اوٗاجهل اویجهل علی

''اے میرے معبود! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں فقر وفاقہ اور ذلت سے اور یہ کہ میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں جہالت کروں یا مجھ سے جہالت کی جائے۔''

آپؐ یہ دعا بھی فرماتے تھے ''اے میرے معبود! میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، عافیت اور بے نیازی مانگتا ہوں''۔

اس واضح طرز عمل کا تقاضا تھا کہ آپ کی بیگمات ایسی سختی و بے مائگی کا سامنا کریں جس سے وہ پہلے سے واقف نہیں تھیں کہ وہ بڑے گھرانوں سے آئی تھیں اور اکثر اپنی شروع کی زندگیوں میں اپنے والدین یا سابقہ شوہروں کے ساتھ خوب آرام وآسائش سے رہ چکی تھیں۔ اس لئے اس نئی زندگی سے ان کا پریشان ہونا تعجب خیز نہیں کہ وہ اکٹھا ہو کر رسول اللہ ﷺ سے مزید نفقہ مانگنے لگیں۔

وہ عرب کے سب سے بڑے شخص کے گھر میں تھیں ان کے مرتبہ ومقام کے لحاظ ہی سے ان کی زندگی ہونی چاہئے تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت

Marfat.com

حفصہؓ کی قیادت میں یہ مطالبہ پیش کیا۔

رسول اللہ ﷺ اس سے غمزدہ ہوئے۔ آپؐ روئے زمین پر پہلے مسلمان تھے اور ہر گوشہ سے مومن مردوں اور عورتوں کی نگاہیں آپ پر پڑ رہی تھیں، جبکہ گھات لگائے ہوئے ہزاروں دشمنوں کے درمیان آپؐ ایک امت کی تشکیل کا راستہ صاف کر رہے تھے۔

اگر آپؐ ہی کا گھرانہ ایک محصور مجاہد کی زندگی نہ گذارتا تو آپؐ کیسے جدوجہد جاری رکھ سکتے تھے اور امت کے مردوں اور عورتوں کو ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر اپنے دین کو لے کر آگے محفوظ ٹھکانے تک پہنچنے پر آمادہ کر سکتے تھے۔؟

اسی لئے آپؐ نے اپنی بیگمات کی زیادہ نفقہ کی خواہش مسترد کر دی اور اس مطالبہ کو ناپسند کرتے ہوئے ان کے بائیکاٹ کا فیصلہ کر لیا، یہانتک کہ لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ آپؐ نے تمام بیگمات کو طلاق دے دی۔

حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ یہ افواہ سن کر گھبرا گئے، کہ دونوں کی بیٹیاں آپؐ کے گھر میں تھیں۔ دونوں خبر کی تصدیق کے لئے آپؐ کے پاس اجازت لے کر پہنچے تو آپؐ کو خاموش پایا۔ آپ کے اردگرد بیگمات بھی موجود تھیں۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا آپؐ نے اپنی بیگمات کو طلاق دے دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔

لیکن وہاں غم آلود فضا طاری تھی۔ تب حضرت عمرؓ نے سوچا۔ میں آپؐ سے باتیں کروں گا شاید آپؐ ہنس پڑیں۔ چنانچہ عرض کیا: یارسول اللہ! اگر بنت زید (یعنی حضرت عمر کی بیگم) نے مجھ سے نفقہ مانگا ہوتا تو میں اس کی گردن توڑ دیتا۔ رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا یہ میرے پاس نفقہ مانگ رہی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اٹھے کہ حضرت عائشہؓ کو سرزنش کریں اور حضرت عمرؓ اٹھے کہ حضرت حفصہؓ کو سرزنش کریں۔ دونوں نے کہا تم نبی ﷺ سے وہ چیز مانگ رہی ہو جو ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو منع فرمایا کہ وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ کچھ نہ کریں۔ آپ کی بیگمات شرمندہ ہو چکی تھیں اور کہہ رہی تھیں: خدا کی قسم اس مجلس کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ سے کبھی وہ چیز نہیں مانگیں گی جو آپؐ کے پاس نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک مہینے تک چھوڑے رکھا کہ وہ اپنے فعل کا احساس کریں، تبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان سب کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ یا تو وہ اسی طرز زندگی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دار آخرت کو اپنا لیں

Marfat.com

، یا پھر بہتر زندگی کے لئے اپنے گھر والوں سے جاملیں۔

امہات المومنین کے دلوں میں جو کچھ خواہش رہ گئی تھی۔ اور وہ جائز حدود کے اندر ہی تھی۔ اسے مٹانے کے لئے یہ سبق کافی تھا۔ ان سب نے "کم اور کافی" کے پرانے اصول کی بنیاد پر آپؐ کے ساتھ باقی رہنے کو ترجیح دی اور آپ کے ساتھ ہی تہجد، جدوجہد، خرچ، ہمدردی اور تواضع وخدمت کے لئے زندگی گذراتی رہیں۔

یا ایها النبی قل لازواجك ان كنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین امتعكن واسرحكن سراحا جمیلا وان كنتن تردن الله ورسوله والدار الآخرة فان الله اعد للمحسنٰت منكن اجرا عظیما (الاحزاب:۲۸)	اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو، اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کردوں۔ اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو ترجیح دی۔

☆☆☆

رسالت کی خدمت میں اس جانثاری اور نفس کے تقاضوں کو نظر انداز کرتے کی بنا پر ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کر کے ان کی زندگی انتہائی فاضلانہ اور قیمتی بنادی اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مستحق بن گیں:

النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم وازواجه امهتهم (الاحزاب:٦)	بلا شبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

روحانی ماں کے اس بلند ترین منصب کی مزید توثیق کے لئے ان پر سخت پردہ لازم کردیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں رہ گیا کہ ان کے ساتھ شادی کر سکے۔

اس سخت قانون کے ذریعہ ایسے فضول لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی، جو رہنماؤں کے گھروں کے چکر لگایا کرتے ہیں اور اس طرح اپنا مرتبہ بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆☆☆

ان بیگمات سے رسول اللہ ﷺ کے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی حضرت خدیجہؓ سے جو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں، سوائے حضرت فاطمہؓ کے، ان سب کا انتقال آپ کی زندگی

Marfat.com

ہی میں ہو گیا تھا اور حضرت فاطمہؓ بھی آپؐ کے انتقال کے بعد چند ہی مہینے زندہ رہیں، پھر سارے خاندان میں سب سے پہلے آپؐ سے جا ملیں۔

رسول اللہ ﷺ کو مقوقس (شاہ مصر) نے ایک لونڈی (حضرت مریمؓ) بھیجی تھی جو اسلام لے آئی تھیں پھر ان سے آپؐ کے ایک بیٹا پیدا ہوا جن کا نام حضرت ابراہیمؑ کے نام پر ابراہیمؓ رکھا گیا، لیکن شیر خواری کی حالت ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیمؓ کو رسول اللہ ﷺ کی گود میں آخری سانسیں لیتے دیکھا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے پھر آپ نے فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہوتا ہے اور ہم صرف وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ ابراہیم! ہم تم پر غمزدہ ہیں (بخاری)

اتفاق سے اسی روز سورج گرہن لگ گیا۔ لوگ یہ کہنے لگے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا اور کہا: لوگو! سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں کسی انسان کی موت سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔ جب تم اس طرح کی کوئی چیز دیکھو تو نماز پڑھو یہاںتک کہ گرہن چھٹ جائے (متفق علیہ)

☆☆☆

Marfat.com

باب: ۱۰

استحکام اور حجۃ الوداع

اس مرحلہ تک پہنچ کر جزیرۂ عرب سے جاہلیت کی دھند چھٹ گئی۔ جیسے سورج کی اولین سنہری کرنوں کے سامنے رات کے آثار مٹ جاتے ہیں۔ اب بیمار ذہن صحتیاب ہو چکے تھے اور صدیوں تک جامد اصنام کی پرستش کے بعد اب اس خطہ میں اذان کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔ قرآن کے حفاظ شمال وجنوب کی طرف پھیل کر قرآن کریم کی آیتیں تلاوت کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ کے احکام قائم کر رہے تھے اور عربوں کو وہ سکھا رہے تھے جن سے وہ اور ان کے آباء واجداد آگاہ نہیں تھے۔

جزیرہ نما عرب پر جب سے آبادی ہوئی تھی ایسی مبارک بیداری کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی، نہ اس کی تاریخ کبھی اس طرح مرکز توجہ ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں مختلف جگہوں سے آنے والے وفود کا استقبال کر رہے تھے اور انہیں زبردست حکمت سکھا کر ان میں نئی روح پھونک رہے تھے تاکہ ان کے علاقے بھی اسلام کے قلعے بن کرامت کی تاریخ میں نمایاں ہو جائیں۔ آپؐ اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے بڑے ساتھیوں کو اسلام کی اشاعت کے لئے ہر طرف بالخصوص جنوب میں خود بھیج رہے تھے۔ یمن اور اس کے آس پاس بڑے بڑے قبیلے آباد تھے اور وہاں اہل کتاب بھی سرگرم تھے۔ ان علاقوں میں اسلام نے ایسی نشو ونما پائی کہ ایرانیوں کا اثر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

حجۃ الوداع

رسول اللہ ﷺ نے حج کرنے کے ارادہ کا اعلان فرمایا تاکہ جو چاہے آپؐ کے ساتھ جا سکے۔ آپؐ مدینہ منورہ سے ذی القعدہ کے آخر میں روانہ ہوئے اور ابن ہشام کی روایت کے مطابق اپنی عدم موجودگی میں حضرت ابو دجانہؓ کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر فرمایا۔

دور جاہلیت میں عرب جس حج سے واقف تھے، یہ اس سے مختلف حج تھا، مشرکین کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے تھے ان کی مدت ختم ہو چکی تھی اور اب ان پر مسجد حرم میں

Marfat.com

داخل ہونے پر پابندی لگ چکی تھی۔ چنانچہ اس بار حج کرنے والے سب کے سب موحدین ہی تھے۔

ہر طرف سے بیت اللہ کا قصد کرنے والے امڈ پڑے، کیونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس بار رسول اللہ ﷺ خود حج کی رہنمائی فرمائیں گے اور انہیں حج کے مناسک سکھائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی اطاعت میں سرگرداں لبیک کہنے والے ہزارہا افراد کا زبردست مجمع دیکھا تو آپ کا دل کھل اٹھا اور آپ نے ارادہ فرمالیا کہ ان کے دلوں میں دین کا مغز اور روح اچھی طرح جاگزیں کر دیں، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جاہلیت کے بچے کھچے آثار بھی دلوں سے مٹادیں اور اسلام کے آداب وتعلقات واحکام بالکل واضح کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے یہ جامع خطبہ دیا:

لوگو! میری بات سن لو، کیونکہ میں نہیں جانتا، غالباً اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی نہ مل سکوں گا۔ آپؐ نے واضح طور پر اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

الا کل شئی من امر الجاهلية تحت قدمی موضوع (مسلم وابوداؤد)	سن لو جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔

(تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی تمام قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم رکھا تھا۔ سلاطین "سایہ یزدانی" تھے، جن کے آگے کسی کی چون وچرا کی مجال نہ تھی۔ ائمہ مذاہب کے ساتھ کوئی شخص مذہبی مسائل میں گفتگو کا مجاز نہ تھا۔ "شرفاء" "رزیلوں" سے ایک بالا تر مخلوق تھی۔ غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آج یہ تمام امتیازات اور یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں)

ایها الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لافضل لعربی علی عجمی ولالعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی (مسند احمد)	لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ اس لئے کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔
ان کل مسلم اخوالمسلم وان المسلمین اخوة (مستدرك حاکم وطبری وابن اسحاق)	ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

Marfat.com

ارقاء کم ارقاء کم اطعموهم مما تاکلون تمہارے غلام، تمہارے غلام ہیں جو خود کھاؤ وہی واکسوهم مما تلبسون (طبقات ابن سعد) ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

(عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا، یہاںتک کہ سیکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اس بنا پر لڑائیوں کا غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج عرب کی سب سے قدیم رسم اور سب سے مقدم فخر برباد کر دیا جاتا ہے)

دماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث (بخاری ومسلم وابوداؤد) جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں (جسے قبیلہ ہذیل نے قتل کر ڈالا تھا)

(تمام عربوں میں سودی کاروبار کا جال پھیلا ہوا تھا جس سے غربا کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام ہو گئے تھے۔ آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لئے بھی معلم حق سب سے پہلے اپنا خاندان پیش کرتا ہے)

وربا الجاهلية موضوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس ابن عبد المطلب (مسلم) جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

(آج تک عورتیں ایک جائیداد منقولہ تھیں، جو قمار بازی میں داؤ پر چڑھا دی جاتی تھیں۔ آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدر دانی کا تاج پہنتا ہے)

فاتقوا الله فی النساء (مسلم وابوداؤد) عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔

کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعہ حلال کیا ہے۔

ان لکم علی نساء کم حقا ولهن علیکم حقا تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔
(الطبری وابن هشام)

(عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا چھین لیتا تھا آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے)

Marfat.com

ان دماء کم واموالکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلدکم هذا الی یوم تلقون ربکم (البخاری، ومسلم، ابوداؤد)

تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن، اس مہینہ میں اور اس شہر کی حرمت ہے۔

(اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملیں بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کردی۔ ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ اپنے ہاتھ سے اپنی امت کے سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے)

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به کتاب الله (الصحاح)

میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے کتاب اللہ۔

(سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لوگو! یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ لہذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے)

انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون (مسلم و ابوداؤد)

تم سے خدا کے یہاں میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟

صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا (اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا) تب آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور تین بار فرمایا:

اللهم اشهد (مسلم وابوداؤد)

اے خدا گواہ رہنا۔

(سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آپؐ کی آواز ربیعہ بن امیہ بن خلفؓ اپنی بلند آواز میں لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ نہایت حیرت انگیز بات اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شاہنشاہ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمان ربانی کا اعلان کر رہا تھا اس کے تخت شاہنشاہی کا مسند وبالیں (کجاوہ وعرق گیر) ایک روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ طبقات ابن سعد)

☆☆☆

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ خدا کا پیغام پہنچانے میں طویل وصبر آزما جدوجہد کے بعد گویا یہ چاہ رہے تھے کہ لوگوں کے دل ودماغ میں اپنی آخری نصیحتیں انڈیل دیں، جیسے کوئی باپ طویل سفر کرنے والے اپنے بیٹے کو ایسی نصیحتیں کرتا ہے جو اسے ہمیشہ فائدہ پہنچائیں۔

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو شیطان کے مکروحیلہ سے چوکنا رکھنے کے لئے انتہائی آگاہیاں دے رہے تھے تاکہ کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے جائے اس لئے آپ نے لوگوں سے اس بات پر گواہی بھی لی کہ انہوں نے آپ کی باتیں سن لی ہیں اور یہ کہ آپ نے بات ان تک پہنچادی ہے۔

آپ گذشتہ تیئس برسوں سے زمین کا رشتہ آسمان سے جوڑتے آرہے تھے، ہر قریب ودور کے آدمی کو قرآن کریم کی آیتیں سناتے آرہے تھے اور جاہلیت کی ہمہ گیر گندگیوں کو صاف کر کے ان عربوں کو تربیت دے کر ایسی نسل تیار کر رہے تھے جو حقائق کو سمجھ سکے۔

اب یہ پہلا موسم حج تھا جو شرک سے پاک صاف تھا اور اس میں صرف خدائے واحد وقہار کی عبادت کی جارہی تھی۔ ان حاجیوں کے جم غفیر کی قیادت کرتے ہوئے آپ ان میں رسالت کے معانی ومفاہیم پھر سے جاگزیں کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہورہے تھے۔

بابائے انبیائے کرام حضرت ابراہیمؑ کی وہ دعا پوری ہوچکی تھی جو انہوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں فرمائی تھی۔

ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلو عليهم آيٰتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم (البقرة:۱۲۹)	اور اے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھانا، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے، تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

خدائے عزیز حکیم نے عزت وحکمت یا دوسرے الفاظ میں طاقت وسیادت سے حضرت محمدؐ بن عبداللہ کو نوازا دیا تھا جن سے کام لے کر آپؐ نے روئے زمین سے مہلک اثرات نہایت خوش اسلوبی سے مٹانے میں کامیابی حاصل کی تھی۔

انصاف ورحمت کے جامع طرز عمل کی بدولت باطل دھیرے دھیرے مٹ رہا تھا اور حق مستحکم ہورہا تھا۔ حجۃ الوداع میں آپؐ نے حق کی آخری آواز بھی بلند فرمادی۔

☆☆☆

Marfat.com

اس عظیم حج کے دوران عرفات کے دن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ:۳)	آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ آیت سنی تو بے اختیار رو پڑے۔ لوگوں نے پوچھا: کس لئے رو رہے ہیں؟ تو فرمایا: کمال کے بعد صرف کمی ہی ہوتی ہے۔ گویا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات محسوس کر لی تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ زندگی اور زندوں کو رخصت کرنے کے احساسات ان بعض جملوں سے بھی جھلک رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکل پڑے تھے۔ مثلاً جمرۃ العقبہ کے پاس حاجیوں کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا تھا مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کروں (مسلم)

مدینہ منورہ کی طرف واپسی

جب رسول اللہ ﷺ نے حج کے مناسک ادا کر لئے تو مدینہ منورہ کی طرف کوچ فرمایا تا کہ کچھ آرام فرمائیں بلکہ پھر جد و جہد کی زندگی شروع فرمائیں۔ باطل پرست کب اہل حق کو آرام کی مہلت دیتے ہیں۔

اور خود رسالت کے علمبردار عمل سے کنارہ کش ہو کر اپنی چستی بحال نہیں کرتے بلکہ اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے عمل کے ذریعہ طاقت حاصل کرتے ہیں۔

انہیں مکمل آرام تو تب ملتا ہے جب وہ اپنے مشن کی کامیابی کے آثار قریب پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تا کہ رومیوں سے معرکہ آرائی کے لئے لشکر تیار کریں۔ رومی سلطنت کا غرور و تکبر اسلام کو جینے کا حق دینے پر تیار نہیں تھا اور جو بھی اسلام قبول کرتا تھا اسے موت کے گھاٹ اتار دینے پر تلا ہوا تھا۔ مثلاً رومیوں کی طرف سے شام میں معان کے علاقہ کے حاکم فروہ بن عمر جذامی تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع بھیجی۔ رومیوں نے غضبناک ہو کر فروہ کو گرفتار کروا کر قید میں ڈال دیا۔ پھر ان کے قتل کا فیصلہ کیا اور فلسطین میں عفراء نامی چشمہ پر

Marfat.com

انہیں گردن مار کر لٹکا دیا۔ تا کہ دوسرے لوگ خوفزدہ ہو جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب فردہ کو قتل کے لئے لے جایا گیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا (ترجمہ)

''مسلمانوں کو یہ پیغام پہنچادو کہ میں اپنا خون اور ہڈیاں اپنے رب کے سپرد کر رہا ہوں''

رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور حضرت اسامہؓ بن زید کو اس کا امیر بنایا اور حکم دیا کہ فلسطین کے بلقاء اور داروم علاقوں میں چکر لگائیں تا کہ رومی مرعوب ہو جائیں اور سرحدوں کے عربوں کے دلوں میں اعتماد بحال ہو جائے اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ کلیسا کی دھر پکڑ پر کوئی کاروائی نہیں ہوگی اور یہ کہ اسلام قبول کرنے والے اپنے ہلاکت کو دعوت دیں گے۔

حضرت اسامہؓ چونکہ اٹھارہ برس کے نوجوان تھے، بعض لوگوں کو ان کی امارت ناگوار ہوئی اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ بڑے لوگوں کی قیادت ایک نوجوان کرے۔

ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ صرف قابلیت پر توجہ فرماتے تھے۔ محض زیادہ عمر احمقوں کو عقل نہیں فراہم کر سکتی، نہ صغرسنی کسی کی فضیلت و مقام کم کر سکتی ہے۔ عقل و تدبر تو نوجوان میں بھی پایا جاسکتا ہے اور بوڑھے میں بھی۔

رسول اللہ ﷺ نے نکتہ چینوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: اگر آج تم نے میرے اسامہ کو امیر بنانے پر نکتہ چینی کی ہے تو اس سے پہلے ان کے باپ کو امیر بنانے پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ خدا کی قسم وہ بھی امارت کے اہل تھے اور ان کے بعد ان کا بیٹا بھی اس کا اہل ہے۔ وہ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے (بخاری)

یہ سنتے ہی لوگ بڑی تعداد میں حضرت اسامہؓ کے پاس پہنچ کر لشکر میں شامل ہونے لگے لیکن اسی دوران رسول اللہ ﷺ بیمار پڑ گئے اور لشکر کے لوگوں نے کچھ دیر ٹھہر کر انتظار کرنا ہی مناسب سمجھا۔

☆☆☆

Marfat.com

باب:۱۱

رفیق اعلیٰ کی طرف

رسول اللہ ﷺ نے گیارہویں ہجری سال کے ماہ صفر کے آخر میں مرض کی تکلیف محسوس کی ۔سر میں شدید درد ہونے لگا، جسے آپ سکون سے برداشت کرتے رہے۔آپ حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں تھے کہ درد بہت بڑھ گیا یہاںتک کہ باہر نہیں نکل سکے۔

آپؐ کی بیگمات نے اجازت دے دی کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آپ کی تیمارداری ہو، جن کی خدمت سے آپؐ زیادہ مطمئن لگتے تھے۔ چنانچہ آپؐ حضرت فضلؓ بن عباس اور حضرت علیؓ کے درمیان سہارا لیتے ہوئے حضرت میمونہؓ کے گھر سے نکلے۔ شدید تکلیف نے آپ کو اتنا کمزور کر ڈالا تھا کہ خود چل بھی نہیں پا رہے تھے۔دونوں کے سہارے زمین پر قدم رکھتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں پہنچے (ابن ہشام)

مرض شدید تر ہوتا گیا اور جسم میں حرارت اتنی بڑھی کہ آپ نے پانی طلب کیا جس سے حرارت کچھ ہلکی ہو سکے فرمایا ''مجھ پر مختلف کنوؤں کے پانی کے سات ڈول بہادو۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے (حضرت) حفصہؓ کے کپڑے رنگنے کے برتن میں آپ کو بیٹھایا، پھر پانی گرایا، یہاںتک کہ آپؐ نے ''بس بس'' فرمایا (بخاری)

جب آپؐ نے محسوس فرمایا کہ حرارت کی شدت کم ہوگئی ہے تو حضرت فضلؓ بن عباس کو بلایا اور فرمایا: فضلؓ! میرا ہاتھ پکڑو۔سر پر درد کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی تھی۔حضرت فضلؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا یہاںتک کہ آپؐ مسجد میں داخل ہوئے اور منبر پر بیٹھے، پھر فرمایا: لوگوں کو بلاؤ۔ چنانچہ لوگ اکٹھا ہوگئے۔

اس دوپہر پر غم والم اور رقت قلب کے سائے تھے۔لوگ گردن اٹھا اٹھا کر اس عظیم شخصیت کی طرف دیکھ رہے تھے جس نے مردہ دلوں کو زندہ کر دیا تھا اور ان کی نسلوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئی تھی۔ پریشان نگاہیں آپ کو تھکا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔شدید مرض نے بالآخر اس مضبوط بدن کو بھی متاثر کر دیا تھا۔

تاہم آپؐ ہمیشہ کی طرح آج بھی ان کی تربیت فرما رہے تھے۔البتہ آج لوگ عجیب وغریب بات سن رہے تھے۔ جب آپؐ نے محسوس فرمایا کہ آپ کا آخری وقت

Marfat.com

قریب آگیا ہے تب آپؐ نے یہی پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس حال میں حاضر ہوں کہ انسان کا آپؐ پر کوئی مطالبہ نہ ہو۔

بلا شبہ آپؐ ہر معاملہ پر غور وفکر کے ساتھ انصاف ہی سے کام لیتے تھے، لیکن کون جانتا ہے کہ کوئی غلطی یا بھول چوک ہوگئی ہو۔

لہذا اس سلسلے میں لوگوں کو مخاطب کر کے اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔

آپؐ نے فرمایا: لوگو! میں تمہارے سامنے اس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ جسے میں نے کبھی مارا ہوا تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ اپنا بدلہ لے لے، جس کی عزت کو کبھی ہدف ملامت بنایا ہو تو یہ میری عزت ہے وہ اپنا بدلہ لے لے۔

سن لو! کینہ پروری میرے مزاج وفطرت میں نہیں۔ مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب وہی ہوگا جس کا اگر مجھ پر کوئی حق ہے تو وہ مجھ سے لے لے، یا پھر معاف کر دے کہ میں خوشگوار دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوسکوں۔

میرے خیال میں اتنا کافی نہیں ہوگا یہاںتک کہ میں تم لوگوں کے درمیان بار بارا سے دہراؤں۔

حضرت فضلؓ کہتے ہیں کہ پھر آپؐ منبر سے اترے اور ظہر کی نماز ادا کی دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور پھر وہی باتیں دہرائیں۔

تب ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ! آپ پر میرے تین درہم باقی ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: فضلؓ! اسے دے دو۔

پھر آپؐ نے فرمایا: لوگو! جس کے ذمہ کوئی چیز باقی ہو، وہ ادا کر دے۔ یہ نہ کہے کہ دنیا میں رسوائی ہوگی۔ جان لو! کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہتر ہے۔

ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میرے پاس تین درہم ہیں جو میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیانت کر لئے تھے۔

آپؐ نے فرمایا: ایسا کیوں کیا؟

اس نے عرض کیا: میں ضرورتمند تھا۔

آپؐ نے فرمایا: فضل! اس سے لے لو۔

آپؐ نے پھر فرمایا: لوگو! جو اپنے بارے میں کسی چیز سے ڈرتا ہو تو کھڑا

Marfat.com

ہو جائے، میں اس کے لئے دعا کر دوں۔

ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جھوٹا، بدگو اور زیادہ سونے والا ہوں۔ آپؐ نے دعا فرمائی: یا اللہ! اسے سچائی اور ایمان نواز دے اور اس کی (زیادہ) نیند دور فرما دے۔

ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں جھوٹا اور منافق ہوں اور کوئی برائی ایسی نہیں جو میں نے نہ کی ہو۔

حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر کہا: تم نے اپنے آپ کو رسوا کر لیا۔

آپؐ نے فرمایا: ابن خطاب! دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے آسان ہے یا اللہ اسے سچائی اور ایمان سے نواز اور اس کے معاملے کو بھلائی تک پہنچا دے۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ پھر مسجد سے متصل اپنے گھر واپس آ کر بستر مرض پر دراز ہو گئے جبکہ آپؐ بستر پکڑنا جانتے ہی نہیں تھے۔

بہت سی مہمیں آپؐ کی صحت کا انتظار کر رہی تھیں، لیکن مرض کی شدت نے آپؐ کو پابند کر رکھا تھا۔

اگر کبھی تھوڑی دیر کے لئے مرض کی شدت کم ہوتی اور آپ نکل پاتے تو مسجد میں تشریف لاتے تا کہ اپنی اس امت اور اس کے افراد پر آخری نگاہیں ڈال سکیں۔ جسے آپؐ نے تیار کیا تھا اور جن لوگوں سے آپ محبت فرماتے تھے۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ ایک دن منبر پر بیٹھے تو فرمایا:

''ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے حسب خواہش دنیا کی زیب و زینت او جو کچھ اللہ کے پاس ہے، اس کے درمیان اختیار کا موقع دیا تو اس نے وہی چن لیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے''

یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رو پڑے اور عرض کیا: آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں یا رسول اللہ!

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ ہمیں اس پر تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا: اس بزرگ کو دیکھو رسول اللہ ﷺ ایک بندے کو اختیار دیئے جانے کی بات فرماتے ہیں تو یہ کہتے ہیں:

Marfat.com

آپؐ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔

اختیار دیئے جانے والے رسول اللہ ﷺ تھے اور حضرت ابوبکرؓ ہم لوگوں میں اس سے سب سے زیادہ باخبر تھے۔

آپؐ نے مزید فرمایا: میرے لئے اپنی صحبت و رفاقت اور مال و دولت کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے زیادہ حاضر ابوبکرؓ رہے ہیں۔ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر ہی کو بناتا لیکن اسلامی اخوت (کافی ہے)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: لیکن ایمان کی اخوت وصحبت یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پاس جمع فرمادے (بخاری)

مرض کے دوران ایسا بھی ہوا کہ کچھ پرسکون لمحات گذرے اور رسول اللہ ﷺ کے جاںنثاروں کو امید بندھنے لگی کہ صحت و عافیت کی ان کی تمنائیں بارآور ہو رہی ہیں اور قریب ہے کہ آپؐ اٹھ کھڑے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد دوبارہ شروع فرمادیں اور ان پر اپنی شفقت و رحمت کی بارش کرتے رہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ آپ کے پاس سے اسی مرض وفات کے دوران نکلے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی کیا حالت ہے۔ انہوں نے کہا: خدا کا شکر ہے، اچھی ہے۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے ان کا ہاتھ پکڑا اور الگ لے جا کر کہا: کیا تم نہیں دیکھتے؟ تین روز کے بعد تم کو ڈنڈے سے ہنکایا جائے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسی تکلیف میں وفات پا جائیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ بنو عبدالمطلب کے چہرے موت کے قریب کیسے ہو جاتے ہیں۔ لہذا رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ یہ معاملہ (آپ کی خلافت) کس کو ملے گی؟ اگر ہم میں ہے تو ہم اسے جان لیں گے اور ہمارے علاوہ دوسروں میں ہوگی تو آپؐ ہمارے لئے بھلائی کی وصیت فرمادیں گے۔

حضرت علیؓ نے کہا: خدا کی قسم اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اور آپؐ نے منع فرمادیا تو لوگ ہمیں کبھی (یہ منصب) نہیں دیں گے۔ خدا کی قسم مین آپؐ سے کبھی نہیں دریافت کرسکتا (بخاری)

ظاہر ہے حضرت عباسؓ اسے مرض الموت سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ اپنے عزیزوں کے آخری وقت کی کیفیات سے آگاہ تھے۔ بنو ہاشم کے سربراہ کی حیثیت سے انہیں اس

Marfat.com

کی فکر تھی کہ خلافت کس کو ملے گی۔ اسی لئے انہوں نے حضرت علیؓ سے یہ فرمایا: کیونکہ حضرت علیؓ اپنی اسلام میں سبقت، اہلیت، لوگوں میں مرتبہ و مقام اور آپ سے قرابت اور قربت کی بنا پر بنی ہاشم میں اس منصب کے لئے پہلے امیدوار ہو سکتے تھے۔

لیکن حضرت علیؓ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنا ناپسند کیا اور معاملہ کو عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔

خود رسول اللہ ﷺ نے وصیت نامہ تحریر فرمانے کا ارادہ کیا تھا تاکہ حکومت کے خواہاں لوگوں کی کوششوں پر روک تھام لگائی جائے۔ پھر آپؐ نے یہی پسند فرمایا کہ مسلمانوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جسے چاہیں اپنی قیادت کے لئے منتخب کر لیں (بخاری)

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ کے مرض کی شدت بڑھتی جا رہی تھی اور تکلیف بھی۔ یہانتک کہ آپؐ کی تکلیف کی شدت دیکھ کر حضرت فاطمہؓ کہہ پڑیں: ہائے میرے باپ کی تکلیف۔

آپؐ نے یہ سن کر فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی (بخاری)

بیماری کی خبریں لشکر اسامہ میں بھی پہنچ رہی تھیں اور وہاں لشکر والوں میں غم و بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت اسامہؓ کے فرزند محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے مرض کی شدت بڑھ گئی تو میں اور میرے ساتھ لوگ مدینہ پہنچے، ہم آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ پر خاموشی طاری تھی۔ بات نہیں کر رہے تھے۔ آپؐ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر میرے اوپر رکھنے لگے۔ میں نے سمجھ لیا کہ آپ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں (ترمذی)

آپؐ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپؐ اس میں ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے پر پھیرتے اور دعا فرماتے: اے اللہ! سکرات موت میں میری مدد فرما (بخاری)

جب رسول اللہ ﷺ میں لوگوں کی امامت کی سکت نہیں رہ گئی تو ان کی امامت کے لئے حضرت ابو بکرؓ کو طلب فرمایا:

حضرت عائشہؓ کو اندیشہ ہوا کہ لوگ ان کے والد کو ناپسند کریں گے اور بدشگونی لیں گے۔ انہوں نے عرض کیا: ابو بکر رقیق القلب آدمی ہیں وہ آپ کی جگہ کھڑے نہیں ہو

Marfat.com

پائیں گے۔آپؐ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو لوگوں کی امامت کریں۔

حضرت عائشہؓ نے پھر وہی بات دہرائی تو آپ کو غصہ آ گیا اور فرمایا: تم لوگ یوسف والی عورتوں کی طرح ہو۔ابوبکر سے کہو لوگوں کی امامت کریں (بخاری)

حضرت ابوبکرؓ نے سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔

اس دوران آپؐ امامت نہیں فرما سکے۔شدید ترین تکلیف سے دوچار تھے بخاری کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: مجھے اتنا بخار ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہو سکتا ہے۔

بخار کی شدت اور تکلیف کے باوجود آپ کا ذہن پوری طرح بیدار تھا اور آپؐ کو رسالت کی تعلیمات پہنچانے اور لوگوں کو نصیحت کرنے کی فکر برابر دامنگیر تھی۔

آپ کو یہ ڈر تھا کہ کہیں مسلمان بھی پہلے کے اہل کتاب کی طرح اشخاص اور قبروں کی پرستش میں نہ لگ جائیں۔

سکرات موت کی شدت میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے سلسلے میں اخلاص کی شدت نے ہی آپ کو آمادہ کیا کہ مسلمانوں کو اس سلسلے میں آگاہ فرمادیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (بخاری)

آپ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ امت پر گمراہی وتکبر کی خواہشات نہ غالب آجائیں کہ وہ نماز فراموش کرنے لگیں اور اپنے ماتحتوں پر ظلم وستم کرنے لگیں۔کیونکہ جو قوم ان برائیوں میں پڑے گی وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں رہ جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی بدعملی کی وجہ سے اسے دنیا وآخرت کی رسوائی وعذاب کے لئے چھوڑ دے گا۔

اسی ڈر نے رسول اللہ ﷺ کو آخری سانسیں لیتے ہوئے بھی مسلمانوں کو آگاہ کرنے پر آمادہ کیا کہ وہ بھلائی کے راستہ پر قائم رہیں۔

حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ: انتقال کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عام وصیت یہ تھی ''نماز اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھنا'' اسی کی ساتھ آپ کے سینے میں کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوگئی۔

☆☆☆

Marfat.com

جماعت میں شرکت اور آخری ایام میں اپنے ساتھیوں کو دیکھنے کے شوق میں آپؐ ایک بار کسی طرح حضرت عائشہؓ کے حجرے سے نکل کر مسجد میں آ گئے اور بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر ایک بار تکلیف کی شدت میں کچھ کمی محسوس فرمائی تو نکل کر مسجد پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے محسوس کر لیا تو پیچھے ہٹنا چاہا۔ آپؐ نے انہیں اشارہ سے روک دیا اور ان کے بائیں طرف بیٹھ گئے اور وہیں سے آیت شروع کر دی جہاں تک حضرت ابوبکرؓ تلاوت کر چکے تھے۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی (احمد)

حضرت ابوبکرؓ ان ایام میں جب رسول اللہ ﷺ بیمار تھے لوگوں کی امامت کرتے رہے۔ اس دن کی صبح تک جب آپ کی روح پرواز کر گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا دل اپنی امت کے معاملات میں معلق تھا۔ تب گویا اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کو امت کی بہترین اطاعت و پیروی پر مطمئن کر دے تو آخری (نماز) کے وقت آپؐ کو دکھا بھی دیا۔ دوشنبہ کی نماز فجر کے وقت لوگ مسجد پہنچے تا کہ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اس شخص کے پیچھے نماز پڑھیں جو اخلاص سے بھرپور اور رقت قلب سے تلاوت کرنے والے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور دروازہ کھول کر لوگوں کے سامنے آ گئے۔

لوگوں نے آپ کو دیکھا تو ایسا لگنے لگا کہ مارے خوشی کے نماز ہی بھول جائیں گے۔ آپؐ کے لئے جگہ بنانے لگے۔ آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز جاری رکھو۔ اور نماز میں ان کی ہیئت دیکھ کر خوشی سے مسکرائے۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ اس گھڑی میں نے رسول اللہ ﷺ کو جتنی بہترین ہیئت میں دیکھا، کبھی نہیں دیکھا تھا (بخاری)

پھر آپؐ حجرہ میں لوٹ گئے اور لوگ بھی یہ خیال کرتے ہوئے لوٹ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کو درد سے کچھ چھٹکارا مل گیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ بھی اسی خیال سے مطمئن ہو گئے اور مدینہ کے مضافات میں واقع سنح کے مقام پر اپنی رہائش گاہ چلے گئے۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد سے لوٹے تو میری گود میں لیٹ گئے۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ کے گھرانے کا کوئی شخص ہری مسواک لے کر آ گیا۔ آپؐ نے اس کی طرف اس طرح دیکھا کہ میں نے یہ جان لیا کہ آپؐ مسواک فرمانا چاہتے ہیں، چنانچہ میں نے مسواک لے کر اسے نرم کیا اور آپ کو پیش کر دی، آپؐ نے زور سے مسواک فرمائی پھر رکھ دی۔

میں نے محسوس کیا کہ آپؐ میری گود میں بھاری ہوتے جا رہے ہیں۔

تو میں نے آپؐ کے چہرہ پر نگاہ ڈالی۔

آپ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور آپ فرما رہے تھے۔

بل الرفیق الاعلی فی الجنۃ بلکہ جنت میں رفیق اعلیٰ کی طرف۔

میں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ کو اختیار دیا گیا تھا اور آپؐ نے اختیار کر لیا۔

☆☆☆

اس قیامت خیز خبر نے حضرت عمرؓ کے ہوش کھو دیئے۔ وہ کہنے لگے کچھ منافق یہ سمجھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کی وفات نہیں ہوئی ہے، بلکہ آپ اپنے رب کے پاس گئے ہیں جیسے حضرت موسیٰ گئے تھے۔ اور اپنی قوم سے چالیس دن تک غائب رہنے کے بعد واپس آ گئے تھے۔ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ ضرور واپس آئیں گے اور جو لوگ یہ گمان کر رہے ہیں کہ آپؐ کی وفات ہو گئی ان کے ہاتھ پیر کٹوا دیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ کو یہ خبر ملی تو فوراً مسجد کے دروازے پر پہنچے۔ حضرت عمرؓ لوگوں سے اپنی بات کہہ رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کسی طرف دھیان کئے بغیر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں گئے جہاں رسول اللہ ﷺ لٹائے ہوئے تھے۔ آپؐ پر سرخ چادر ڈالی ہوئی تھی۔

حضرت ابو بکرؓ نے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور اسے بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:

جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے لکھ دی تھی اس کو آپؐ چکھ چکے۔ اس کے بعد آپ کو کبھی موت نہیں آئے گی۔

پھر کپڑا آپؐ کے چہرہ پر دوبارہ ڈال دیا اور نکلے۔ حضرت عمرؓ تب بھی وہی باتیں کر رہے تھے۔

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خاموش ہو جانے کے لئے کہا لیکن وہ شدت جذبات میں اپنی بات کہتے ہی رہے۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ دیکھا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر انہیں خطاب کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر لوگ حضرت عمرؓ سے ہٹ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

لوگو! جو حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپ کا انتقال ہو چکا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ رہنے والا ہے، اسے موت نہیں آسکتی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل أفائن مات أوقتل انقلبتم على اعقٰبكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزى الله الشٰكرين (آل عمران:١٤٤)	محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا

☆☆☆

Marfat.com

خاتمہ

رسول اللہ ﷺ کی وفات پر چند ہی روز گذرے تھے کہ صنم پرستی نے پھر کروٹ لی اور اسلام کے ساتھ خوفناک معرکہ چھڑ گیا۔ ادھر جزیرہ کے شمالی حصہ میں صلیبیت اسلام کا راستہ رد کے کھڑی تھی اور اس کی اشاعت پر بزور پابندی لگا رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں صحرائے عرب نے اتنے زبردست معرکے نہیں دیکھے تھے۔ کہ اب ان کے میدان کافی پھیل گئے تھے۔ ان خونریز معرکوں نے بہت سی جانوں کی قربانی لی۔ تاہم جن افراد کو رسول اللہ ﷺ نے حق کی پہچان اور اس کے لئے جانثاری کی تربیت دی تھی وہ اپنے عمل و کردار میں کھرے اترے اور انہوں نے جزیرہ نمائے عرب میں صنم پرستی کے نئے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اس پر ایسی ضرب لگائی جس نے اس کی کمر توڑ دی اور ہمیشہ کے لئے اس کے حوصلے پست کر دئے۔

انہوں نے رومیوں کو بھی سرحدوں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا جہاں وہ سرکشی پر آمادہ تھے۔ پھر وہ مدینہ منورہ لوٹ آئے تا کہ ذرا دم لے کر اللہ تعالیٰ کی آباد دنیا میں ایک مرتب نظام کے ساتھ پھیل جائیں اور اسلام کے پیغام کو عام کر دیں۔

پھر چند ہی برس گذرے تھے کہ خشکی و تری میں ہر طرف اسلام کا غلغلہ بلند ہو گیا۔

☆☆☆

آج اس سنہرے دور کو چودہ صدیاں گذر چکی ہیں اور اس زبردست سربلندی کے بعد اب اسلام دنیا کو کوئی بھلائی تو کیا دیتا، خود اپنی امت پر اس کا حکم نہیں چل رہا ہے۔

دیگر مذاہب زندگی پر اثر انداز ہی نہیں۔ موجودہ تہذیبوں نے باگ ڈور دین کے ہاتھوں میں دے ہی نہیں رکھی ہے۔

یہودیت اپنے ماننے والوں کے دلوں میں بنی آدم کے خلاف کینہ بو رہی ہے اور اسرائیل کے لئے زیادہ سے زیادہ لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہے۔

رہی صلیبیت تو گویا وہ فضا میں معلق ہے۔ اپنی بقا کے سلسلے میں اس کا انحصار رائج فلسفوں اور غالب نظاموں پر ہے، تا کہ تثلیث اور بھینٹ کے اپنے اصولوں کو زندہ رکھ سکے۔

صنم پرستی مختلف خطوں میں اپنے سایے پھیلائے ہوئے ہے۔

Marfat.com

جبکہ مسلمانوں نے رسم ورواج اور چھلکوں پر ساری توجہ مبذول کر رکھی ہے۔
جہالت اور کمزوری نے انہیں اس حالت تک پہنچا دیا ہے، جہاں عہد نبوت وخلافت راشدہ میں یہودی اور عیسائی پہنچے ہوئے تھے۔

ان کی بہت ہی معمولی تعداد آج تک نہ صرف حق سے چمٹی ہوئی ہے بلکہ جہالت سے پنجہ آزما ہے۔

امید افزا بات صرف یہ ہے کہ علمی اعتبار سے اسلام اپنے دونوں سرچشموں قرآن وسنت میں محفوظ ہے۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ یہ محفوظ علم عمل سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ جو لوگ اسلام کے لئے صحیح کام کر رہے ہیں انہیں ان مختلف حلقوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا ہے جو اسلام کی اشاعت میں ہمیشہ مزاحم رہے ہیں اور جن کی دشمنی کی آگ آج تک ٹھنڈی نہیں ہوئی ہے۔

☆☆☆

کوئی سوال کر سکتا ہے کہ کیا آج دنیا کو اس اسلام کی ضرورت ہے۔؟

ہم عرض کریں گے کہ اگر دنیا کو اس کی ضرورت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کے سامنے پیشی اور دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کے حساب کتاب کی تیاری کرے، تو پھر اسلام کے بغیر چارۂ کار نہیں۔

مادی ارتقا ان بڑے اور بنیادی حقائق سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔

کہا جا سکتا ہے کہ کچھ لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

اور کچھ لوگوں کا ایمان اس سے مختلف ہے، جو اسلام پیش کرتا ہے۔ لہذا لوگوں کو ان کی رائے پر چھوڑ دیجئے۔

ہم عرض کریں گے: لوگ جو چاہیں رائے رکھیں، البتہ اندھوں کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ دیکھنے والی آنکھوں کو بند کر دیں، کیونکہ وہ ان کے مطابق نہیں دیکھتیں انہیں آنکھوں والوں کو اپنا کام کرنے دینا چاہئے۔

جو چاہے ان کی بات مانے، بغیر کسی جبر واکراہ کے۔ اسلام اتنا ہی تو چاہتا ہے۔

باطل پرست اسلام سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ وہ بجائے خود حق ہے اور اس حق کا کھل کر اظہار کرتا ہے، چھپاتا نہیں۔

اسی حق کے اظہار اور باطل کی تردید نے دشمنوں کو اس کے خلاف الزام تراشی

Marfat.com

پر آمادہ کر رکھا ہے۔ اگر اسلام مداہنت اور چاپلوسی کو مسترد کر دے تو اسے حملہ آور قرار دیا جائے گا اور اگر وہ دشمنوں کی چالوں کے مطابق موت قبول نہ کرے تو الزام لگایا جائے گا کہ وہ زور زبردستی سے پھیلا ہے۔

یہی اس خرافات کا مطلب ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔

اسلام نے تو تلوار صرف اس لئے اٹھائی تھی کہ وہ رہزنوں کے حملوں سے اپنا بچاؤ کر سکے۔ اگر اسے حملوں کا نشانہ نہ بنایا گیا ہوتا تو وہ کبھی ہتھیار نہ اٹھاتا، محض زبان سے کام لیتا۔ کیا صدیوں کے غرور و تعصب کے علمبردار مسلح دشمنوں کے مقابلے میں اس سے کچھ اور توقع کی جاسکتی تھی؟۔

اگر اسلام نے اپنا دفاع نہ کیا ہوتا تو اس کے علمی اور نفیس اصول و نظریات آج تک باقی رہ گئے ہوتے؟

اس سے پہلے مذاہب کو ان کے دشمنوں نے اسی لئے تو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔

اسلام تو آج بھی صحیح وسالم برقرار ہے۔ چاہے ماننے والوں کے عمل کے بجائے اپنی کتاب ہی میں ہو۔

☆☆☆

آپ کو خیال آسکتا ہے کہ آپ نے پیدائش سے وفات تک کی تاریخ پڑھ کر حضرت محمد ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کر لیا۔ یہ انتہائی غلطی ہو گی۔ آپ صحیح معنوں میں سیرت پاک کو تبھی سمجھ سکتے ہیں جب قرآن کریم اور حدیث پاک کا مطالعہ کریں۔

ان میں آپ جتنی گہرائی تک پہنچیں گے اتنا ہی اسلام کے پیغمبر ﷺ کے ساتھ آپ کا تعلق مضبوط ہو گا۔

☆☆☆

Marfat.com